انتخاب سخن

(جلد دوم)

سلسلۂ ذوق

مرتب

حسرت موہانی

انتخاب سخن

(جلد دوم)

سلسلۂ ذوق

مرتب

حسرت موہانی

انتخاب سخن

(جلد دوم)

سلسلۂ ذوق

مرتب

حسرت موہانی

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومت ہند

فروغ اردو بھون ایف سی، 33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا، جسولا، نئی دہلی۔ 110025

© قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

کونسل کی پہلی اشاعت : 2017
تعداد : 550
قیمت : -/155 روپے
سلسلۂ مطبوعات : 1962

INTIKHAB-E-SUKHAN VOLUME -2

By: Hasrat Mohani

ISBN :978-81-934243-8-4

ناشر: ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، فروغ اردو بھون، FC-33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا،
جسولہ، نئی دہلی 110025، فون نمبر: 49539000، فیکس: 49539099
شعبۂ فروخت: ویسٹ بلاک۔8، آر۔ کے۔ پورم، نئی دہلی۔ 110066 فون نمبر: 26109746
فیکس: 26108159 ای۔میل: ncpulsaleunit@gmail.com
ای۔میل: urducouncil@gmail.com، ویب سائٹ: www.urducouncil.nic.in
طابع: ہائی ٹیک گرافکس، ڈی 8/2، اوکھلا انڈسٹریل ایریا، فیز II، نئی دہلی۔ 110020
اس کتاب کی چھپائی میں 70GSM, TNPL Maplitho کاغذ استعمال کیا گیا ہے۔

پیش لفظ

انسان اور حیوان میں بنیادی فرق نطق اور شعور کا ہے۔ ان دو خداداد صلاحیتوں نے انسان کو نہ صرف اشرف المخلوقات کا درجہ دیا بلکہ اسے کائنات کے ان اسرار و رموز سے بھی آشنا کیا جو اسے ذہنی اور روحانی ترقی کی معراج تک لے جا سکتے تھے۔ حیات و کائنات کے مخفی عوامل سے آگہی کا نام ہی علم ہے۔ علم کی دو اساسی شاخیں ہیں باطنی علوم اور ظاہری علوم۔ باطنی علوم کا تعلق انسان کی داخلی دنیا اور اس دنیا کی تہذیب و تطہیر سے رہا ہے۔ مقدس پیغمبروں کے علاوہ، خدا رسیدہ بزرگوں، سچے صوفیوں اور سنتوں اور فکر رسا رکھنے والے شاعروں نے انسان کے باطن کو سنوارنے اور نکھارنے کے لیے جو کوششیں کی ہیں وہ سب اسی سلسلے کی مختلف کڑیاں ہیں۔ ظاہری علوم کا تعلق انسان کی خارجی دنیا اور اس کی تشکیل و تعمیر سے ہے۔ تاریخ اور فلسفہ، سیاست اور اقتصاد، سماج اور سائنس وغیرہ علم کے ایسے ہی شعبے ہیں۔ علوم داخلی ہوں یا خارجی ان کے تحفظ و ترویج میں بنیادی کردار لفظ نے ادا کیا ہے۔ بولا ہوا لفظ ہو یا لکھا ہوا لفظ، ایک نسل سے دوسری نسل تک علم کی منتقلی کا سب سے موثر وسیلہ رہا ہے۔ لکھے ہوئے لفظ کی عمر بولے ہوئے لفظ سے زیادہ ہوتی ہے۔ اسی لیے انسان نے تحریر کا فن ایجاد کیا اور جب آگے چل کر چھپائی کا فن ایجاد ہوا تو لفظ کی زندگی اور اس کے حلقۂ اثر میں اور بھی اضافہ ہو گیا۔

کتابیں لفظوں کا ذخیرہ ہیں اور اسی نسبت سے مختلف علوم و فنون کا سرچشمہ۔ قومی کونسل

برائے فروغ اردو زبان کا بنیادی مقصد اردو میں اچھی کتابیں طبع کرنا اور انھیں کم سے کم قیمت پر علم و ادب کے شائقین تک پہنچانا ہے۔ اردو پورے ملک میں سمجھی جانے والی، بولی جانے والی اور پڑھی جانے والی زبان ہے بلکہ اس کے سمجھنے، بولنے اور پڑھنے والے اب ساری دنیا میں پھیل گئے ہیں۔ کونسل کی کوشش ہے کہ عوام اور خواص میں یکساں مقبول اس ہر دلعزیز زبان میں اچھی نصابی اور غیر نصابی کتابیں تیار کرائی جائیں اور انھیں بہتر سے بہتر انداز میں شائع کیا جائے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے کونسل نے مختلف النوع موضوعات پر طبع زاد کتابوں کے ساتھ ساتھ تنقیدیں اور دوسری زبانوں کی معیاری کتابوں کے تراجم کی اشاعت پر بھی پوری توجہ صرف کی ہے۔

یہ امر ہمارے لیے موجب اطمینان ہے کہ ترقی اردو بیورو نے اور اپنی تشکیل کے بعد قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نے مختلف علوم وفنون کی جو کتابیں شائع کی ہیں، اردو قارئین نے ان کی بھرپور پذیرائی کی ہے۔ کونسل نے ایک مرتب پروگرام کے تحت بنیادی اہمیت کی کتابیں چھاپنے کا سلسلہ شروع کیا ہے، یہ کتاب اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے جو امید ہے کہ ایک اہم علمی ضرورت کو پورا کرے گی۔

اہل علم سے میں یہ گزارش بھی کروں گا کہ اگر کتاب میں انھیں کوئی بات نادرست نظر آئے تو ہمیں لکھیں تاکہ جو خامی رہ گئی ہو وہ اگلی اشاعت میں دور کردی جائے۔

پروفیسر سید علی کریم
(ارتضی کریم)
ڈائریکٹر

فہرست

مقدمہ	vii
1. انتخاب ذوق	1
2. انتخاب داغ	13
3. انتخاب رسا	99
4. انتخاب جگر مرادآبادی	105
5. انتخاب رونق ٹونکی	119
6. انتخاب حسن بریلوی	137
7. انتخاب نوح ناروی	151
8. انتخاب نسیم بھرت پوری	165

9.	انتخاب بیخود دہلوی	177
10.	انتخاب بیخود بدایونی	207
11.	انتخاب ظہیر دہلوی	221
12.	انتخاب انور دہلوی	245
13.	انتخاب مذاق بدایونی	257
14.	انتخاب مائل دہلوی	261
15.	انتخاب سیماب اکبرآبادی	285
16.	انتخاب کیفی حیدرآبادی	307
17.	انتخاب عزیز حیدرآبادی	313

مقدمہ

مولانا حسرت موہانی کو شاعر کی حیثیت سے ایسی شہرت ملی کہ ان کے دیگر علمی و ادبی کارناموں پر گمنامی کی گرد جم گئی۔ حالانکہ وہ ایک اعلیٰ شاعر ہی نہیں، ایک ممتاز صحافی، ایک اہم نقاد اور ایک بلند پایہ تذکرہ نگار بھی تھے۔ علاوہ ازیں انھوں نے "انتخابِ سخن" کے نام سے گیارہ جلدوں میں کم و بیش دوسو (200) شعرا کے دواوین کے انتخابات شائع کر کے اپنے عہد کے شعری اور ادبی ذوق کی تہذیب و تربیت بھی کی۔

حسرت نے پہلے چند اہم شعرا کے انتخاب مرتب کر کے اُردوئے معلّٰی کے ساتھ بطور ضمیمہ شائع کیے۔ اس کے بعد وہ "انتخاب سخن" کی ترتیب کی طرف متوجہ ہوئے۔ حسرت "انتخاب سخن" کا یہ مجموعہ اپنے تذکرے کے تکملے کے طور پر مرتب کرنا چاہتے تھے۔ لیکن جس طرح ان کے تذکرے کے خاکے میں تبدیلی ہوتی رہی، اسی طرح "انتخاب سخن" کا خاکہ بھی تغیر و تبدل کے مراحل سے گزرتا رہا۔

اُردوئے معلّٰی، شمارہ جنوری، فروری 1925 میں لکھتے ہیں "انتخاب سخن" آٹھ جلدوں میں 200۔ اُردو دواوین کا انتخاب ہے"۔2 پھر اُردوئے معلّٰی، شمارہ جولائی تا دسمبر 1926 میں لکھتے ہیں: "انتخاب سخن یعنی تقریباً 200 مطبوعہ و غیر مطبوعہ اردو دواوین کا انتخاب مفصلہ ذیل

گیارہ جلدوں میں"۔ 3؎ گویا پہلے وہ "انتخاب دواوین" کے نام سے پانچ جلدوں میں یہ انتخاب مرتب کرنا چاہتے تھے اور اس کے کچھ حصے شائع بھی کیے۔ بعد میں اسے "انتخاب سخن" کے نام سے آٹھ جلدوں میں اور پھر گیارہ جلدوں میں شائع کرنے کا ارادہ کیا۔ اس کے بعد بھی اس خاکے میں جزوی تبدیلیاں ہوتی رہیں۔ بہرحال راقم سطور کے پیش نظر جو مواد ہے اس کے مطابق حسرت نے بہ ترتیب ذیل گیارہ جلدوں میں "انتخاب سخن" شائع کیا :-

جلد اوّل۔ جز و اوّل (سلسلۂ شاہ حاتم)،	شاہ حاتم (علاحدہ)، رنگین، نثار، بیدار، تاباں، ماہر، بقا، بیتاب، عشرت، طالب، معروف، امیر، افسر، شاہ نصیر۔
"جز و دوم"	سودا، قائم، نوابدایونی، تنویر دہلوی، ظفر دہلوی، شاداں۔
جلد دوم جز و اوّل (سلسلۂ ذوق)	ذوق، داغ، رسا، جگر۔
جز و دوم	رونق ٹونکی، حسن بریلوی، نوح ناروی، نسیم بھرت پوری، بیخود دہلوی، بیخود بدایونی، ظہیر دہلوی، انور دہلوی، مذاق بدایونی، مائل دہلوی، سیماب، کیفی، عزیز حیدرآبادی۔
جلد سوم جز و اوّل (سلسلۂ مومن)	مومن، نسیم، تسلیم، حسرت موہانی (علاحدہ)
"جز و دوم"	شیفتہ، اشرف کسمنڈوی، قلق میرٹھی، خیراتی لال شگفتہ، مہر لکھنوی، اصغر گونڈوی، عرش گیاوی، ہادی مچھلی شہری، شفیق جون پوری۔

جلد چہارم جز واوّل (سلسلۂ مظہر)،	مظہر (جانِ جاں)، حسرت (حیات محمد)، یقین، بیان، شاعر، حزیں۔
"جز ودوم" (سلسلۂ میر، درد وسوز)،	میر، راسخ عظیم آبادی، میر حسن، درد، میر اثر، میر سوز، افسوس، امانت، لطافت، فصاحت۔
"جلد پنجم" (سلسلۂ جرأت)،	حسرت (استاد جرأت)، جرأت، غضنفر، رضا، رفت، رضوی، محنت، نصرت، معروف، محبت، جلال، مائل، شائق، نساخ، رضا علی وحشت۔
جلد ششم جز واوّل (سلسلۂ مصحفی)،	مصحفی، مسرور، منتظر۔
"جز ودوم"	ہوس، مخمور، عیشی، غافل، شہیدی، تنہا، نوبت رائے منتظر۔
جلد ہفتم جز واوّل (سلسلۂ آتش)،	آتش، ماہ، صبا، حنا، قمر موہانی، فروغ لکھنوی۔
"جز ودوم"	رند، خلیل، شرف، حیرت، اکبر داناپوری، اکبر الٰہ آبادی، کیف، ازل۔
جلد ہشتم جز واوّل (سلسلۂ اسیر وامیر)،	اسیر، امیر، جلیل
"جز ودوم"	واسطی، ماہر، جرار، افسوں، شوق قدوائی، حفیظ جونپوری، گستاخ رامپوری، مضطر خیر آبادی، بے نظیر شاہ وارثی، مست بناری، صفدر رامپوری، جاہ کانپوری، کلب علی خاں نواب، جگر بسوانی، شفق عمادی، بشن نرائن درابر، دل شاہ جہانپوری، احسن سنبھلی، شرف مجددی، وفا رامپوری، مصباح مجددی۔[4]

جلد نہم جزو اوّل (سلسلۂ ناسخ)،	ناسخ، برق، جلال، آرزو۔
"جزو دوم"	رشک، قبول، سحر، وزیر، میر کلو عرش، نادر، مہر، آباد، نور، تعشق، قلق، آسی سکندر پوری، حاتم علی مہر، گویا، قدر بلگرامی، حبیب کنتوری، شاد پیرو میر، افضل الہ آبادی، فدا علی عیش، شمشاد، منیر شکوہ آبادی، صغیر، احسان شاہجہانپوری، یاس لکھنوی، دلیرن فرخ آبادی۔
جلد دہم جزو اوّل (سلسلۂ غالب)،	غالب، مجروح، حالی، سالک، ذکی، اسمٰعیل، شعلہ
جلد دہم جزو اوّل (سلسلۂ غالب)،	رشکی۔
"جزو دوم"	ناظم، عاشق، نازش۔
جلد یازدہم جزو اول (متفرق)،	ولی، آبرو، ممنون، انشا، فراسو فرنگی، صادق خاں اختر، قادر بخش صابر، ذکی مراد آبادی، واجد علی شاہ اختر، طاہر فرخ آبادی، مشتاق لکھنوی، شاد عظیم آبادی، کامل لکھنوی، قمر بدایونی، نظم طباطبائی، ظفر علی خاں، مجاز، بہزاد لکھنوی 5، توفیق حیدر آبادی۔
"جزو دوم"	فغاں، راسخ دہلوی، رونق دہلوی، صمیم بلند شہری، ندرت میرٹھی، فانی، عزیز، محشر۔

"جلد یازدہم کا تیسرا حصہ بھی تیار ہے۔ عنقریب وہ بھی چھاپا جائے گا۔

تیسرے حصے میں مندرجہ ذیل دواوین کا انتخاب درج ہوگا:

پنڈت بشن نرائن در ابر لکھنوی 6، آزاد عظیم آبادی، اشہری، امیر بدایونی، بسمل موہانی، بیان میرٹھی، بیخود موہانی، تجمل، ثاقب لکھنوی، جاوید لکھنوی، چرکین، جعفر زٹلی، جوہر رامپوری، چکبست

لکھنوی، جوش ملیح آبادی، حافظ پیلی بھیتی، خورشید لکھنوی، رضوان مرادآبادی، رضی نارنولوی، جگت موہن لال رواں، ریاض بدایونی، سخی امروہوی، سلیم پانی پتی، شہباز عظیم آبادی، صاحبقراں فحش گو صفی امروہوی، صفی لکھنوی، ظریف لکھنوی، فطرت موہانی، فلک لاہوری، قیس علی گڑھی، کوکب لکھنوی، نظیر اکبرآبادی، نیاز بریلوی اور یاس عظیم آبادی وغیرہ" 7

جس زمانے میں حسرت نے یہ انتخابات مرتب کرنا شروع کیے، اس وقت اردو شعر و ادب ایک انقلاب سے دو چار تھا، مغربی اور بالخصوص انگریزی ادب کے زیر اثر جہاں اردو شاعری نئے نئے رجحانات سے آشنا ہو رہی تھی، وہاں اس کا ایک منفی پہلو یہ بھی تھا کہ اردو کے قدیم شعری سرمائے سے بیزاری بھی پیدا ہو رہی تھی۔ حسرت ایک اعلیٰ شاعر تھے، اس لیے انھیں اس بات کا شدید احساس تھا کہ ذوق شعری کو سنوارنے اور نکھارنے کے لیے اساتذہ اور اہم شعرا کے کلام کا مطالعہ بے حد ضروری ہے۔ اس لیے انھوں نے بدلتے ہوئے حالات کے پیش نظر یہ ضروری سمجھا کہ قدیم شعری سرمایے کو جامع انتخابات مرتب کر کے عام کیا جائے اور اس کے ذریعہ شعرا اور قارئین کے ذوق کی تہذیب و تربیت کی جائے۔

حسرت نے یہ انتخابات قلمی و مطبوعہ دواوین، بیاضوں اور تذکروں کی مدد سے مرتب کیے ہیں۔ انھیں مرتب کرنے میں انھوں نے اس بات کی ہر ممکن کوشش کی ہے کہ ہر غزل کے انتخاب میں غزل کی ہیئت برقرار رہے، یعنی مطلع و مقطع اور کم سے کم تین شعر ضرور ہوں۔ اس کی وجہ سے جہاں یہ نقصان ہوا کہ کمزور اشعار بھی انتخاب میں جگہ پا گئے، وہاں یہ فائدہ بھی ہوا کہ اس طرح زیادہ شعری سرمایہ محفوظ ہو گیا۔ یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ یہ انتخابات بیشتر غزل پر مشتمل ہیں، ان میں دوسرے اصناف کو بہت کم جگہ ملی ہے، ہاں جدید دور کے نظم گو شعرا کے انتخاب میں نظمیں بھی شامل کر لی گئی ہیں۔

حسرت کے مقصد، ماخذ اور طریق انتخاب کو سمجھنے میں خود ان کا ایک بیان بڑی حد تک معاون ہوگا۔ وہ "انتخاب کلیات جعفر علی حسرت" کے دیباچے میں لکھتے ہیں:۔

"اردو زبان کی بدقسمتی سے اور ناقدردانوں کی غفلت کی وجہ سے بہت سے زبردست استادوں کا کلام برباد ہو گیا، ایسا کہ اب تلاش کرنے پر بھی اس کا کہیں پتہ نہیں چلتا۔ اور بہت کا کلام ضائع ہونے کے قریب ہے یعنی یہ کہ اگر بہت جلد اس کی حفاظت اور اشاعت کا انتظام نہ کیا جائے گا تو کچھ دنوں میں دنیا سے ناپید ہو جائے گا"۔

راقم حروف ہمیشہ اس امر کو افسوس کی نظر سے دیکھا کرتا تھا اور چونکہ اشاعت کی استطاعت نہ رکھتا تھا، اس لیے اس امر پر قانع تھا کہ جہاں تک مل سکیں تمام قدیم دیوان جمع کر لیے جائیں۔ جب اس کوشش میں خدا کی عنایت سے کچھ کامیابی ہوئی تو ہمت کچھ بڑھی اور خیال پیدا ہوا کہ جس قدر دیوان دستیاب ہو گئے ہیں وہ چھپوا دیے جائیں۔

لیکن چونکہ زبان ان ضخیم دواوین کی ضخیم تھی اور بعض مضامین زمانہ موجود کے مذاق کے خلاف تھے، اس لیے بہرحال مناسب یہی معلوم ہوا کہ ان کا انتخاب شائع کیا جائے۔ سلسلۂ اُردوئے معلّٰی کا یہ پہلا دیوان بھی کلیاتِ حسرت سے انتخاب کیا گیا ہے لیکن بڑی محنت اور کوشش سے۔ اس امر کا پورا لحاظ رکھا گیا ہے کہ اس انتخاب کی وجہ سے کسی طرح شاعر کا رنگ سخن اور اس کے کلام کی خوبیاں اور برائیاں مخفی نہ ہونے پائیں۔ چنانچہ مندرجہ ذیل باتوں کی پابندی کی گئی ہے:-

i - انتخاب اس طور پر کیا گیا ہے کہ دیوان کی صورت قائم رہے۔ مثلاً منتخب غزلوں میں اصلی غزلوں سے اشعار کم ہیں۔ لیکن غزل کی حیثیت بجنسہٖ باقی ہے یعنی ایسا نہیں کیا گیا ہے کہ مطلع و مقطع غائب کر دیا جائے یا صرف درمیان کے دو ایک شعر کم کر دیے جائیں۔

ii - اس غرض کے حاصل ہونے کے لیے زیادہ تر وہی غزلیں چھانٹی گئی ہیں جن میں منتخب ہونے کی حالت میں بھی غزل کی صورت باقی رہی ہے۔ یعنی جس میں کم از کم پانچ شعر قابل انتخاب مل سکے ہیں۔

iii - حتی الامکان مطلع و مقطع ضرور قائم رکھا گیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ بعض غزلوں میں مطلع اور بعض میں مقطع سُست ہے۔ لیکن اس سے دو 2 فائدے ہوئے ہیں ایک تو یہ کہ غزل کی صورت قائم رہی۔ دوسرے یہ کہ شاعر کے کمزور کلام کا نمونہ بھی انتخاب میں موجود رہا۔ ورنہ بہ حالتِ دیگر دوسروں کو شاعر کے اصلی رتبۂ شاعری کے دریافت میں دقت ہوتی"۔8

ان انتخابات کے ماخذ کے متعلق کچھ شکوک ظاہر کیے گئے ہیں۔ ڈاکٹر عابد رضا بیدار لکھتے ہیں:۔"پروفیسر مسعود حسن رضوی راوی ہیں کہ حسرت مرحوم کے پاس انھوں نے کچھ قلمی نسخے بھی دیکھے تھے، جو مکمل دیوان نہیں محض انتخابات تھے اور حسرت نے انھیں جوں کا توں شائع کر دیا9 "۔ راقم سطور سے بھی پروفیسر موصوف نے ایک ملاقات کے دوران یہ بات کہی تھی۔ خود حسرت نے محمد امان نثار دہلوی کے تذکرے میں لکھا ہے کہ:"شاہ کمال الدین حسن کمال مانک پوری نے ایک تذکرہ اور ایک نایاب مجموعہ انتخاب دواوین اساتذہ کا مرتب کیا تھا۔ حُسنِ اتفاق سے راقم حروف کو وہ مجموعہ حضرت عرش ملیح آبادی کے ذریعہ دستیاب ہو گیا ہے، اس میں بعض ایسے ایسے شاعروں کا کلام موجود ہے جن کی نسبت خیال یہ تھا کہ ان کا دیوان دنیا سے ناپید ہو گیا ہوگا۔ منجملہ ان کے ایک نثار کا بھی دیوان ہے جس کا انتخاب 66 صفحوں میں آیا ہے"۔10

اس کا امکان ہے کہ حسرت نے کچھ شعرا کے انتخابات اس مجموعۂ انتخاب یا کسی اور مجموعے سے بجنسہ نقل کر لیے ہیں لیکن ہر شاعر کے انتخاب کے متعلق یہ بات نہیں کہی جا سکتی۔ اس سلسلے میں حسرت کے دوسرے بیانات کو بھی پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔ انتخاب کلیات مرزا جعفر علی حسرت کے دیباچے کا اقتباس اوپر نقل ہو چکا ہے۔ دیوان غالب کے انتخاب کے آخر میں بطور ضمیمہ چند اشعار نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔" قاضی القضاۃ کلکتہ مولوی سراج الدین علی خاں موجد موہانی کی فرمائش سے مرزا نے اپنے دیوان اُردو اور فارسی کا خود انتخاب کر کے اس کا نام گلِ رعنا رکھا تھا۔ راقم کے پاس اس کا ایک نسخہ موجود ہے۔ چنانچہ یہ اشعار ضمیمہ اسی سے نقل کیے گئے ہیں 11 "۔ اسی طرح دیوان رشکی کے انتخاب کے آخر میں لکھتے ہیں:۔"دیوان رشکی کا قلمی

مسودہ ہم کو مولوی غلام المصطفیٰ صاحب بدایونی کے ذریعہ سے دستیاب ہوا۔ یہ انتخاب اسی دیوان سے کیا گیا ہے 12"۔ ان بیانات سے بات ظاہر ہے کہ حسرت نے بیشتر شعرا کے دواوین اور کلیات کا بہ نظر غائر مطالعہ کر کے خود ہی انتخابات مرتب کیے ہیں۔ کچھ شعرا کے انتخابات انھوں نے تذکروں اور بیاضوں کی مدد سے بھی مرتب کیے ہیں۔ جیسے مرزا مظہر جان جاناں کے اشعار تمام تر تذکروں سے ماخوذ ہیں۔ اس مسئلے پر قاضی عبدالودود صاحب کی رائے بڑی صائب ہے۔ وہ ڈاکٹر عابد رضا بیدار کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں:۔

"یہ خیال کہ حسرت نے جو انتخابات شائع کیے ہیں وہ دواوین پر مبنی نہیں کلا صحیح نہیں۔ ان کے پاس بہت سے قلمی اور مطبوعہ دواوین تھے اور ان سے انھوں نے انتخاب میں کام لیا ہے۔ مگر ان کے ایسے انتخابات بھی ہیں جن کے اشعار تذکروں اور بیاضوں (وغیرہ) سے لیے گئے ہیں"۔13

یہ انتخابات کئی لحاظ سے بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ ایک تو یہ کہ تھوڑے صفحات میں اُردو کا تمام قابل قدر شعری سرمایہ ہماری نگاہوں کے سامنے آ جاتا ہے، اور یہ انتخابات دواوین اور کلیات کے مطالعہ سے بڑی حد تک بے نیاز کر دیتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ ان کے ذریعے عام لوگوں کی رسائی بھی کلاسیکی ادب تک ہو جاتی ہے۔ ورنہ تمام دواوین اور کلیات کا حصول ہر شخص کے بس کی بات نہیں۔ تیسرے یہ کہ ان میں حسرت کے ایسے معاصر شعرا کے انتخابات بھی شامل ہیں، جن کا مجموعۂ کلام اس وقت تک مرتب نہیں ہوا تھا۔ ایسے شعرا کے کلام کی ابتدائی نوعیت کو سمجھنے اور ان کے کلام کی تاریخی ترتیب میں ان انتخابات سے بڑی مدد ملے گی۔ چوتھے یہ کہ ان سے خود حسرت کی شخصیت اور ذوقِ شعری پر روشنی پڑتی ہے۔ ان کے ذریعے بقول عابد رضا بیدار "وہ حسرت سامنے آ جاتا ہے جو مرنجاں مرنج ہے، شریف، متین اور روادار ہے، ماضی پرست نہیں ماضی کی قدر کرنے والا ہے، شاعروں کے ایک دوسرے پر منہ بسورنے والے خود مرکزی طبقے میں اپنے معاصرین، گھٹیا معاصرین کو بھی ان کی حیثیت سے زیادہ جگہ دینے والا ہے...... اور سب سے بڑھ

کر یہ کہ خود حسرت کی شاعری میں جو ضبط و نظم ہے اور حسرت سے قبل کے سارے شعری سرمایہ کا نچوڑ مل جاتا ہے، اس کا سبب سمجھ میں آ جاتا ہے"۔ 14

حسرت نے یہ انتخابات مرتب کر کے اُردو ادب کی بہت بڑی خدمت کی ہے۔ انھوں نے ان کے ذریعے بہت سے کم مشہور اور گم نام شعرا کو روشناس کرایا ہے۔ بہت سے اساتذہ کو بھی انھوں نے نئی زندگی عطا کی ہے۔ حسرت نے جس وقت یہ انتخابات مرتب کیے اس وقت تک حاتم، مظہر، سوز، قائم، مصحفی، حسرت (استاد جرأت) اور جرأت جیسے مشہور و معروف شعرا کے دواوین غیر مطبوعہ اور کمیاب بلکہ نایاب تھے۔ حسرت کے یہ انتخابات بڑی حد تک جامع ہیں اور ان سے متعلقہ شعرا کی خوبیوں اور خامیوں کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ ان انتخابات سے اس دور کے نقادوں کو بھی بڑی مدد ملی ہے اور انھوں نے انہی کی بنیاد پر بہت سے شعرا کا تنقیدی جائزہ لیا ہے۔ اس سلسلے میں مثال کے طور پر نیاز، مجنوں اور فراق کے کئی تنقیدی مقالوں کو پیش کیا جا سکتا ہے۔

ڈاکٹر احمر لاری

حواشی

1. اردوئے معلی، اکتوبر 1909، ص1۔
2. اردوئے معلی، جنوری فروری 1925، ص ٹائٹل 2۔
3. اردوئے معلی، جولائی تا دسمبر 1926، ص2۔
4. مصباح مجددی کے انتخاب کی جگہ گستاخ رامپوری کا انتخاب دوبارہ چھپ گیا ہے جو پہلے انتخاب سے مختصر ہے۔
5. فہرست میں بہزاد کی جگہ فضلی بنگالی درج ہے۔ جبکہ متن میں بہزاد لکھنوی کا کلام شامل ہے۔
6. ابر لکھنوی کا انتخاب جلد ہشتم جز دوم میں شامل ہے۔
7. انتخاب سخن، جلد یازدہم، جز دوم، دیباچہ، ص ٹائٹل 2 (مطبوعہ رئیس المطابع کانپور 1929) یہ حصہ راقم السطور کی نظر سے نہیں گزرا۔ غالباً اس کے چھپنے کی نوبت نہیں آئی۔
8. دیوان حسرت (انتخاب کلیات مرزا جعفر علی حسرت)، مرتبہ حسرت موہانی، دیباچہ، ص1 تا 2 (مطبع احمدی، علی گڑھ، 1904)
9. عابد رضا بیدار، مقالہ "ہیبت قلی خاں حسرت اور ان کا کلام" مشمولہ سہ ماہی "اردو ادب" علی گڑھ، جون 1958، ص109 (حاشیہ)
10. سہ ماہی "تذکرۃ الشعرا" حصہ اوّل، جز دوم، ص1۔
11. انتخاب سخن، جلد دہم (جز واول) ص92 (رئیس المطابع، کانپور، 1929)
12. انتخاب سخن، جلد دہم (جز واول) ص 186 (رئیس المطابع، کانپور، 1929)
13. عابد رضا بیدار، مقالہ "ہیبت قلی خاں حسرت اور ان کا کلام" مشمولہ سہ ماہی اردو ادب" علی گڑھ، جون 1958، ص 109 (حاشیہ)
14. عابد رضا بیدار، مقالہ "حسرت" مشمولہ ماہنامہ "برہان" دہلی، جولائی 1961، ص48۔

انتخاب دیوان
ذوق

ہوا حمدِ خدا میں دل جو مصروف رقم میرا — الف الحمد کا سا بن گیا گویا قلم میرا
وہ ہوں میں رہ نوردِ شوق میرے ساتھ جاتا ہے — برنگ سایۂ مرغ ہوا نقش قدم میرا
نہ ہو بے وقعہ سجدۂ ابلیس ہے آدم — عدو کی سرکشی سے ذوق کب رتبہ ہو کم میرا

وادیٔ ظلمت میں اپنی دخل کب ہے نور کا — مہر اک شعلہ سا ہے سو بھی چراغ دور کا
عشق نے ڈالی تھی جب قصر محبت کی بنا — لکھ دیا تھا کوہکن بھی نام اک مزدور کا

لکھیے اسے خط میں کہ ستم اٹھ نہیں سکتا — پر ضعف سے ہاتھوں میں قلم اٹھ نہیں سکتا

واہ کیا مرہم زخم دل بیتاب بنا — آب سے نیشتر تیز کے تیزاب بنا
پوچھیں گر مجھ سے مئے عیش ہوئی کب سے تلخ — کہوں جس دن سے فلک کاسۂ زہراب بنا
سرمۂ چشم عزیزاں نہ بنا میں اے چرخ — کیا بنا خاک غبار دل احباب بنا
جب کیا عشق کے دریا نے تلاطم اے ذوق — تو کہیں موج بنی اور کہیں گرداب بنا

میں ہجر میں مرنے کے قریں ہو ہی چکا تھا — تم وقت پہ آ پہنچے نہیں ہو ہی چکا تھا

ہم ہیں اور سایہ ترے کوچے کی دیواروں کا   کام جنت میں ہے کیا ہم سے گنہگاروں کا
اتنا تو سوزِ فغاں ہو کہ چمن میں بلبل   خرمن گل کی جگہ ڈھیر ہو انگاروں کا
بے سیاہی نہ چلا کام قلم کا اے ذوق   روسیاہی سرو ساماں ہے سیہ کاروں کا

نالہ اس شور سے کیوں میرا دہائی دیتا   اے فلک گر تجھے اونچا نہ سنائی دیتا
دیکھ چھوٹوں کو ہے اللہ بڑائی دیتا   آسماں آنکھ کے تل میں ہے دکھائی دیتا
پنجۂ مہر کو خون شفق میں ہر روز   غوطے کیا کیا ہے ترا دست حنائی دیتا
دیکھ گر دیکھنا ہو ذوق کہ یہ پردہ نشیں   دیدۂ روزنِ دل سے ہے دکھائی دیتا

کسی بیکس کو اے بیداد گر مارا تو کیا مارا   جو آپ ہی مر رہا ہو اس کو گر مارا تو کیا مارا
تفنگ و تیر تو ظاہر نہ تھا کچھ پاس قاتل کے   الٰہی پھر جو دل پر تاک کر مارا تو کیا مارا
ہنسی کے ساتھ یاں رونا ہو مثل قلقل مینا   کسی نے قہقہہ اے بے خبر مارا تو کیا مارا
گیا شیطان مارا ایک سجدے کے نہ کرنے میں   اگر لاکھوں برس سجدے میں سر مارا تو کیا مارا
دل بدخواہ میں تھا مارنا یا چشم بدبیں میں   فلک پر ذوق تیر آہ گر مارا تو کیا مارا

ہنگامہ گرم نیستی نہ پائیدار کا   چشمک ہے برق کی کہ تبسم شرار کا
پہنچے گا تیرے پاس کبوتر سے بیشتر   مکتوب شوق اُڑ کے تیرے بیقرار کا
اس روئے تابناک پہ ہر قطرۂ عرق   گویا کہ اک ستارہ ہے صبح بہار کا

اس سے تو اور آگ وہ بے درد ہوگیا   اب آہ آتشیں سے بھی دل سرد ہوگیا

شکر پردے میں ہے اس بت کو حیا نے رکھا
ورنہ ایمان گیا ہی تھا خدا نے رکھا
آشیاں باغ میں ڈھونڈھا جو قفس سے جا کر
ایک تنکا بھی نہ تھا باد صبا نے رکھا
بے نشاں پہلے فنا سے ہو جو ہو تجھ کو بقا
ورنہ ہے کس کا نشاں ذوق فنا نے رکھا

نیمچہ جب مول وہ بانکا جواں لینے لگا
موت کے جی میں مزے یہ نیم جاں لینے لگا
تیر چٹکی میں لیا اس نے پئے جان عدو
رشک میرے دل میں کیا کیا چٹکیاں لینے لگا
مجھ کو ہر شب ہجر کی ہونے لگی جوں روز حشر
مجھ سے یہ کس دن کے بدلے آسماں لینے لگا
لے کے آئینہ جو دیکھی حسن کی اپنے بہار
اپنے بوسے آپ وہ غنچہ دہاں لینے لگا
رات کو اے ذوق اس کی نوک مژگاں کا خیال
تن پہ ہر موسے مرے کارستاں لینے لگا

آنکھیں مری تلووں سے وہ ملجائے تو اچھا
ہے حسرت پابوس نکل جائے تو اچھا
بیمار محبت نے لیا تیرے سنبھالا
لیکن وہ سنبھالے سے سنبھل جائے تو اچھا
ہے قطع رہ عشق میں اے ذوق ادب شرط
جوں شمع تو اب سر ہی کے بل جائے تو اچھا

کہے ہے خنجر قاتل سے یہ گلو میرا
کمی جو مجھ سے کرے تو پیے لہو میرا

گل اُس نگہ کے زخم رسیدوں میں مل گیا
یہ بھی لہو لگا کے شہیدوں میں مل گیا

وہ کون ہے جو مجھ پہ تاسف نہیں کرتا
پر میرا جگر دیکھ کہ میں اُف نہیں کرتا
کچھ اور گماں گذرے نہ دل میں تیرے کافر
یاد اس لیے میں سورہ یوسف نہیں کرتا
اے ذوق تکلف میں ہے تکلیف سراسر
آرام سے وہ ہے جو تکلف نہیں کرتا

محفل میں شور قلقل مینائے مُل ہوا
لا ساقیا پیالہ کہ توبہ کا قل ہوا

اس نے جب مال بہت ردوبدل میں مارا
ہم نے دل اپنا اٹھا اپنی بغل میں مارا

آنکھ سے آنکھ ہے لڑتی مجھے ڈر ہے دل کا
کہیں یہ جائے نہ اس جنگ وجدل میں مارا

نہ ہوا پر نہ ہوا میر کا انداز نصیب
ذوق یاروں نے بہت زور غزل میں مارا

مذکور تری بزم میں کس کا نہیں آتا
پر ذکر ہمارا نہیں آتا نہیں آتا

ہم رونے پہ آجائیں تو دریا ہی بہادیں
شبنم کی طرح سے ہمیں رونا نہیں آتا

قسمت ہی سے ناچار ہوں اے ذوق وگرنہ
سب فن میں ہوں میں طاق مجھے کیا نہیں آتا

سرمہ ہے سفاک شہرہ ہے نگاہ یار کا
سچ کہا ہے باڑہ کاٹے نام ہے تلوار کا

زاہد شراب پینے سے کافر ہوا میں کیوں
کیا ڈیڑھ چلو پانی میں ایمان بہہ گیا

ہے قفس سے شور اک گلشن تلک فریاد کا
خوب طوطی بولتا ہے ان دنوں صیاد کا

کل گئے تھے تم جسے بیمار ہجراں چھوڑ کر
چل بسا وہ آج سب ہستی کا ساماں چھوڑ کر

کام یہ تیرا ہی تھا رحمت ہے اے ابر کرم
ورنہ جائے داغ عصیاں میرا داماں چھوڑ کر

ن دنوں گرچہ دکن میں ہے بڑی قدر سخن
کون جائے ذوق پر دلی کی گلیاں چھوڑ کر

بلبل ہوں صحن باغ سے دور اور شکستہ پر
پروانہ ہوں چراغ سے دور اور شکستہ پر

ساقی بط شراب ہے تجھ بن پڑی ہوئی
خم سے الگ ایاغ سے دور اور شکستہ پر

اس مرغ ناتواں پہ ہے حسرت جو رہ گیا
مرغاں کوہ وراغ سے دور اور شکستہ پر

خود اڑ کے پہنچے نامہ جو ہو مرغ نامہ پر
اس شوخ خوش دماغ سے دور اور شکستہ پر

اے ذوق میرے طائر دل کو کہاں فراغ
کوسوں ہے وہ فراغ سے دور اور شکستہ پر

مجھ میں کیا باقی ہے جو دیکھے ہے تو ان کی پاس　　بدگماں وہم کی دارو نہیں لقمان کے پاس

پر کترنے کو جو صیاد نے چاہی مقراض　　ہاتھ ملتی تھی مرے حال پہ کیا ہی مقراض

پابند جوں دخاں ہیں پریشانیوں میں ہم　　یارب ہیں کس کی زلف کے زندانیوں میں ہم
پاکوبیوں کو مژدہ ہو زنداں کو ہو نوید　　پھر ہیں جنوں کے سلسلہ جنبانیوں میں ہم
کیا جانے ہم زمانے کو حادث ہے یا قدیم　　کچھ ہو بلا سے اپنی کہ ہیں فانیوں میں ہم
دکھلائیں روز حشر کو بین السطور سے　　اپنے سیاہ نامے کو جولانیوں میں ہم
جاسکتے ضعف سے نہیں کوچہ میں اس کے ذوق　　بہہ جائیں کاش گریہ کی طغیانیوں میں ہم

بے یار روز عید شب غم سے کم نہیں　　جام شراب دیدۂ پرنم سے کم نہیں
زیبا ہے روئے زرد پہ کیا اشک لالہ گون　　اپنی خزاں بہار کے موسم سے کم نہیں
شوراب سرشک سے دھوتا ہوں درد دل　　تیزاب میرے حق میں یہ مرہم سے کم نہیں
ہاتھوں سے تیرے پارۂ الماس زخم دل　　مجھ کو تو جلوۂ گل و شبنم سے کم نہیں
اے ذوق کس کو چشم حقارت سے دیکھیے　　سب ہم سے ہیں زیادہ کوئی ہم سے کم نہیں

ہاں تامل دم ناوک فگنی خوب نہیں　　ابھی چھاتی میری تیروں سے چھنی خوب نہیں
خوبیاں یوں تو ہیں اس عالم تصویر میں سب　　اک مگر ناز سے یہ کم سخنی خوب نہیں
یہ نہیں شیشۂ مے ہے کسی میخوار کا دل　　محتسب دیکھ نہ کر دل شکنی خوب نہیں

ہفتا دو دو فریق حسد کے عدو سے ہیں　　اپنا ہے یہ طریق کہ باہر حسد سے ہیں
وہ مست ہوں کہ رکھتے قدح کش تمنا　　بنیاد میکدہ مری خشت لحد سے ہیں
چشم ثمر ہے سرو سے ان کو جو بیوقوف　　رکھتے امید دوستی اس سرو قد سے ہیں

جتنے ہیں یاں مزے روشن نشہ شراب   ہوجاتی بے مزہ ہیں جو بڑھ جاتی حد سے ہیں
دل کے ورق پر ثبت ہیں صد مہر داغ عشق   ہم کرتے ذوق عشق کا دعویٰ سند سے ہیں

بلائیں آنکھوں سے ان کی مدام لیتے ہیں   ہم اپنے ہاتھوں کا مژگاں سے کام لیتے ہیں
شب وصال کے روز فراق میں کیا کیا   نصیب مجھ سے مرے انتقام لیتے ہیں
جھکائے ہے سر تسلیم ماہ نو پرور   غرور حسن سے کس کا سلام لیتے ہیں
ترے قتیل بتاتے نہیں تجھے قتال   جب ان سے پوچھو اجل ہی کا نام لیتے ہیں
ہمارے ہاتھ سے اے ذوق وقت مے نوشی   ہزار ناز سے وہ ایک جام لیتے ہیں

وقت پیری شباب کی باتیں   ایسی ہیں جیسے خواب کی باتیں
تجھ کو رسوا کریں گی خوب اے دل   تیری یہ اضطراب کی باتیں
سنتے ہیں اس کو چھیڑ چھیڑ کے ہم   کس مزے سے عتاب کی باتیں
ذکر کیا جوش عشق میں اے ذوق   ہم سے ہوں صبر و تاب کی باتیں

میں کاٹ دوں پہاڑ کو پتھر کو توڑ دوں   پر کیوں کہ غیر سے بت کافر کو توڑ دوں
ساقی لڑائیوں سے تری چاہتا ہے جی   باہم لڑا کے شیشہ و ساغر کو توڑ دوں
احسان ناخدا کے اٹھائے میری بلا   کشتی خدا پہ چھوڑ دوں لنگر کو توڑ دوں
نازک کلامیاں مری توڑیں عدو کا دل   میں وہ بلا ہوں شیشے سے پتھر کو توڑ دوں
پھر اس مژہ کو یاد کرے دل تو دل میں ذوق   نشتر چبھو کے میں سر نشتر کو توڑ دوں

رکاؤ خوب نہیں طبع کی روانی میں   کہ بو فساد کی آتی ہے بند پانی میں
کہانیاں ہیں حکایات کی خضر و آب بقا   بقا کا ذکر ہی کیا اس جہانِ فانی میں
نہیں خضاب سے مطلب ہمیں یہ موئے سفید   سیاہ پوش ہوئے ماتم جوانی میں

وہ سیدھے گھر کو سدھارے اور ان کو کھوجیں ہم — پھرے بھٹکتے ہوئے کوئے بدگمانی میں
بجز نثار علی شاہ کون جانے ذوق — تیری زباں کا مزہ تیری شعر خوانی میں

سینہ و دل پہ مرے زخم جگر ہنستے ہیں — ہنسنے دو چارہ گرو ہنستے ہی گھر بستے ہیں

دانہ خرمن ہے ہمیں قطرہ ہے دریا ہم کو — آئے ہے جز میں نظر کل کا تماشا ہم کو
شوق مستی میں ہے گلگشت چمن کا ہم کو — چاہیے جائے عصا گردن مینا ہم کو
نخل حرماں کی طرح باغ محبت میں ملا — کثرت زخم سے ایک خلعت زیبا ہم کو
آن پہنچی سر گرداب فنا کشتی عمر — ہر نفس بادِ مخالف کا ہے جھونکا ہم کو
کرتے جوں کوہ نہیں ہم تو سخن میں سبقت — پر وہ کچھ ہم سے سنے گا جو کہے گا ہم کو
کھانے پینے کی قسم کھائی ہے تجھ بن ہم نے — ورنہ ہے زہر تو ہر طرح گوارا ہم کو
ہم تبرک ہیں بس اب کر لے زیارت مجنوں — سر پہ پھرتا ہے لیے آبلۂ پا ہم کو
ذوق بازیگر طفلاں ہے سراسر یہ زمیں — ساتھ لڑکوں کے پڑا کھیلنا گویا ہم کو

رندِ حال خراب کو زاہد نہ چھیڑ تو — تجھ کو پرائی کیا پڑی اپنی نبیڑ تو

موت ہی سے کچھ علاج دردِ فرقت ہو تو ہو — غسل میت ہی ہمارا غسل صحت ہو تو ہو
کہتے ہیں شور قیامت جس کو وہ اے چشم یا — تیرے مستوں کی صفیر خواب غفلت ہو تو ہو
گر پڑے ہے آگ میں پروانہ سا کرم ضعیف — آدمی سے کیا نہ ہو لیکن محبت ہو تو ہو
اب زباں پر بھی نہیں آتا کبھی الف کا نام — اگلے مکتبوں میں کچھ رسم کتابت ہو تو ہو
آج اک پگڑی ہوئی تھی میکدہ میں رہن مے — ذوق یہ تیری ہی دستار فضیلت ہو تو ہو

بجا کہے جسے عالم اُسے بجا سمجھو — زبانِ خلق کو نقارۂ خدا سمجھو

تیز اس نے جو کی تیغ ستم اور زیادہ　　مشتاقِ شہادت ہوئے ہم اور زیادہ
کچھ کی رقم شوق نے تاثیر جو پیدا　　اٹھنے لگا قاصد کا قدم اور زیادہ
صید دل عاشق میں ہے مصروف وہ کافر　　بے خوف ہیں اب صید حرم اور زیادہ
اے خنجر خونخوار نہ برش میں کمی ہو　　ہاں تجھ کو میرے سر کی قسم اور زیادہ
جو گنج قناعت میں ہیں تقدیر پہ شاکر　　ہے ذوق برابر انھیں کم اور زیادہ

ہے ان کی سادگی بھی تو کس کس پھبن کے ساتھ　　سیدھی سی بات بھی ہے تو ایک بانکپن کے ساتھ
ناخن نہ دے خدا تجھے اے پنجۂ جنوں　　ٹکڑے اڑادے جسم کے تو پیرہن کے ساتھ
دوزخ میں بھی پڑیں تو نہ سیدھی ہوں کج سرشت　　آتش میں پیچ وخم ہیں رسن کی رسن کے ساتھ
گندم ہے سینہ چاک فراق بہشت میں　　آدم کو کیا نہ ہوگی محبت وطن کے ساتھ
ممکن نہیں ہے ذوق علایق سے چھوٹنا　　جب تک کہ روح کو ہے تعلق کفن کے ساتھ

تیرے کوچہ کو وہ بیمار غم دارالشفا سمجھے　　اجل کو طبیب اور مرگ کو اپنی دوا سمجھے
ستم کو ہم کرم سمجھے جفا کو ہم وفا سمجھے　　اور اس پر بھی نہ سمجھے وہ تو اس بت سے خدا سمجھے
ترے کشتے جو یوں خواب عدم سے یک بیک چونکے　　مگر شور قیامت کو تیری آواز پا سمجھے
حساب اصلا نہ پوچھے مجھ سے میرے دل کے زخموں کا　　حساب دوستاں دردل اگر وہ دلربا سمجھے
سمجھ ہی میں نہیں آتی ہے کوئی بات ذوق اس کی　　کوئی جانے تو کیا جانے کوئی سمجھے تو کیا سمجھے

ہم نے جانا تھا کف پا میں تمھارے خال ہے　　لیک اب دیکھا سویدائے دل پامال ہے

کل جہاں سے اٹھالائے تھے احباب مجھے　　لے چلا آج وہیں پھر دل بے تاب مجھے

لیتے ہی دل جو عاشق دل سوز کا چلے　　تم آگ لینے آئے تھے کیا آکے کیا چلے
اے غم مجھے تمام شب اب ہجر میں نہ رکھ　　رہنے دے کچھ کہ صبح کا بھی ناشتا چلے

کیا لے چلے گلی سے تیری ہم کو جوں نسیم　　آئے تھے سر پہ خاک اڑانے اڑا چلے
قاتل جو تیرے دل میں رکاوٹ نہ ہو تو کیوں　　رک رک کے میرے حلق پر خنجر ترا چلے
لے جائیں تیرے کشتے کو جنت میں بھی اگر　　پھر پھر کے تیرے گھر کی طرف دیکھتا چلے

فرشتے تیرے دامن کو بنائیں جانماز اپنی　　اگر دھوڈالے تو داغ مئے پندار دامن سے

رخصت اے زندانِ جنوں زنجیر در کھڑکائی ہے　　مژدہ خاردشت پھر تلوار مرا کھجلائے ہے
سر بوقت ذبح اپنا اس کے زیرِ پائے ہے　　یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے
نزع میں بھی ذوق کو تیرا ہی بس ہے انتظار　　جانب در دیکھ لے ہے جب کہ ہوش آجائے ہے

زخمی ہوں میں اس ناوک دزدیدہ نظر سے　　جانے کا نہیں چور مرے زخم جگر سے
گر آب کے پھرے جیتے وہ کعبہ کے سفر کے　　تو جانو پھرے شیخ جی اللہ کے گھر سے
کچھ رحمت باری سے نہیں دور کہ ساقی　　رودیں جو ذرامست تو ے ابر سے برسے
کھلتا نہیں دل بند ہی رہتا ہے ہمیشہ　　کیا جانے کہ آجائے ہے تو اس میں کدھر سے
اے ذوق کسی ہمدم دیرینہ کا ملنا　　بہتر ہے ملاقات مسیحا و خضر سے

خوب روکا شکایتوں سے مجھے　　تو نے مارا عنایتوں سے مجھے
یہ بھی تقدیر کا لکھا آج لکھے　　خط وہ کن کن کنایتوں سے مجھے
واجب القتل اسنے ٹھہرایا　　آیتوں سے روایتوں سے مجھے
کر نہ گریے پہ تو کمی اے چشم　　شوق کم ہے کفایتوں سے مجھے
لے گئی عشق کی ہدایت ذوق　　اس سرے سب نہایتوں سے مجھے

آنکھ اس پر جفا سے لڑتی ہے   جان کشتی قضا سے لڑتی ہے
نگہ ناز اُس کے عاشق سے   چھوٹ کس کس ادا سے لڑتی ہے
واہ کیا کیا طبیعت اپنی بھی   عشق میں ابتدا سے لڑتی ہے

ہے تیرے کان زلف معنبر لگی ہوئی   رکھے گی یہ نہ بال برابر لگی ہوئی
یہ چاہتا ہے شوق کہ قاصد بجائے مہر   آنکھ اپنی ہو لفافۂ خط پر لگی ہوئی
اے ذوق دیکھ دختر رز کو نہ منہ لگا   چھٹتی نہیں ہے منہ سے یہ کافر لگی ہوئی

کیا غرض لاکھ خدائی میں ہوں دولت والے   ان کا بندہ ہوں جو بندے ہیں محبت والے
رہے جوں شیشۂ ساعت وہ مکدر دونوں   کبھی مل بھی گئے دو دل جو کدورت والے
حرص کے پھیلتے ہیں پاؤں بقدر وسعت   تنگ ہی رہتے ہیں دنیا میں فراغت والے
نہ ستم کا کبھی شکوہ نہ کرم کی خواہش   دیکھ تو ہم بھی ہیں کیا صبر و قناعت والے
کبھی افسوس ہے آتا کبھی رونا آتا   دل بیمار کے ہیں دو ہی عیادت والے
ناز ہے گل کو نزاکت پہ چمن میں اے ذوق   اس نے دیکھے ہی نہیں ناز و نزاکت والے

جو ہے ستم و کینہ و بیداد غضب ہے   سرتابقدم وہ ستم ایجاد غضب ہے
ناز آفت و چشم ستم ایجاد غضب ہے   شاگرد بھی ہے قہر جو استاد غضب ہے
ہم چاہتے ہی تم کو گرے سب کی نظر سے   پہلے ہی سے اس چاہ کی افتاد غضب ہے
توڑا کر شاخ کو کثرت نے ثمر کی   دنیا میں گر انباری ہے اولاد غضب ہے
اللہ کرے خیر مرے شیشۂ دل کی   پھر آج وہ مست مئے بیداد غضب ہے
غصہ ہے ترا قہر ترا قہر قیامت   رنجش تیری بیداد ہے بیداد غضب ہے
وہ کون سا غم ہے کہ جو دنیا میں نہیں ہے   اور اس پہ بھی دلکش یہ غم آباد غضب ہے
یہ خانۂ ہستی ہے عجب خانہ رنگیں   اے ذوق مگر سستی بنیاد غضب ہے

یہ اقامت ہمیں پیغام سفر دیتی ہے
زندگی موت کے آنے کی خبر دیتی ہے

مزے جو موت کے عاشق بیاں کبھو کرتے
مسیح و خضر بھی مرنے کی آرزو کرتے
غرض تھی کیا ترے تیروں کو آب پیکاں سے
مگر زیارت دل کیوں کہ بے وضو کرتے
اگر یہ جانتے چن چن کے ہم کو توڑیں گے
تو گل کبھی نہ تمنائے رنگ و بو کرتے
سراغ عمر گزشتہ کا ڈھونڈیے گر ذوق
تمام عمر گزر جائے جستجو کرتے

ہم تم سا عدو اپنا کسی کو نہیں پاتے
تم پاتے ہو ہم کو تو چھری کو نہیں پاتے
غنچے ترے غنچہ دہنی کو نہیں پاتے
ہنستے ہیں مگر تیری ہنسی کو نہیں پاتے
معلوم نہیں اس کے دہن ہے کہ نہیں ہے
اے ذوق ہم اس سرِ خفی کو نہیں پاتے

مزے یہ دل کے لیے تھے نہ تھے زباں کے لیے
سو ہم نے دل میں مزے سوزش نہاں کے لیے
جو پاس مہر و محبت کہیں یہیں بکتا
تو ہم بھی لیتے کسی اپنے مہرباں کے لیے
نہ دل رہا نہ جگر دونوں جل کے خاک ہوئے
رہا ہے سینہ میں کیا چشم خونفشاں کے لیے
وبال دوش ہے ان ناتواں کو سر لیکن
لگا رکھا ہے تری خنجر وسناں کے لیے
بنایا آدمی کو ذوق ایک جزو ضعیف
اور اس ضعیف سے کل کام دو جہاں کے لیے

دشنام ہو کے وہ ترش ابرو ہزار دے
یاں وہ نشے نہیں جنھیں ترشی اتار دے
اے شمع تیری عمر طبیعی ہے ایک رات
ہنس کر گزار یا اسے رو کر گزار دے
اس جبر پر تو ذوق بشر کا یہ حال ہے
کیا جانے کیا کرے جو خدا اختیار دے

سب کو دنیا کی ہوس خوار لیے پھرتی ہے
کون پھرتا ہے یہ مردار لیے پھرتی ہے
گھر سے اپنے نہ نکلتا کبھی باہر خورشید
ہوس گرمئی بازار لیے پھرتی ہے
جا کے اک بار نہ پھرتا تھا جہاں واں مجھ کو
بے قراری ہے کہ سو بار لیے پھرتی ہے

لائی حیات آئے قضا لے چلی چلے — اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے

ناقص کا صفا کیش سے مطلب نہ برآئے — جو کور ہو عینک سے اُسے کیا نظر آئے

چاہیے زر ان بتانِ سیم تن کے واسطے — ہم قلندر یاں نہیں کوڑی کفن کے واسطے

نگہ کا وار تھا دل پر پھڑکنے جان لگی — چلی تھی برچھی کسی پر کسی کے آن لگی

بیش ہے آشکارا ہم کو کس کی ساقیا چوری — خدا کی گر نہیں چوری تو پھر بندے کی کیا چوری

مٹی سے مٹی اپنی جو تربت میں مل گئی — جو کچھ کہ تھی مراد محبت میں مل گئی

بد نہ بولے زیر گردوں گر کوئی میری سنے — ہے یہ گنبد کی صدا جیسی کہے ویسی سنے

کہتے ہیں آج ذوق جہاں سے گذر گیا — کیا خوب آدمی تھا خدا مغفرت کرے

راتوں کو نہ ہُو حق کر اے شیخ منا جاتی — سوتے ہوئے چونکیں گے زندانِ خراباتی
پھول تو دو دن بہار جانفزا دکھلا گئے — حسرت ان غنچوں پر ہے جو بن کھلے مرجھا گئے

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے — مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے

بے قراری کا سبب ہر کام کی امید ہے — ناامیدی ہو تو پھر آرام کی اُمید ہے
درد دل سے لوٹتا ہوں میرا کس کو درد ہے — ہوں میں لفظ درد جس پہلو سے الٹو درد ہے

انتخاب

آفتاب داغ

اللہ رے مرتبہ مرے عجز و نیاز کا　　ر گویا جواب ہے یہ تیرے کبرو ناز کا
کھا کھا کے رشک تیرے شہیداں عشق سے　　غم کھا نہ جائے خضر کو عمر دراز کا
عالم تمام چشم حقیقت نگر بنا　　منہ دیکھتا ہے آئینہ آئینہ ساز کا
دنیا بھی ایک بہشت ہے اللہ رے کرم　　کن نعمتوں کو حکم دیا ہے جواز کا
کونین جس کے ناز سے چکرا رہے ہے داغ　　میں ہوں نیاز مند اسی بے نیاز کا

بتوں نے ہوش سنبھالا جہاں شعور آیا　　بڑے دماغ بڑے ناز سے غرور آیا
جہاں میں لاکھ حسیں ہوں تو ان کو رشک نہیں　　قیامت آ گئی جس وقت نام حور آیا
عدو کو دیکھ کے آنکھوں میں اپنی خون اترا　　وہ سمجھے بادۂ گلرنگ کا سرور آیا
پیامبر سے شب وعدہ وہ بگڑ بیٹھے　　بنے بنائے ہوئے کام میں فتور آیا
وہیں سے داغ سیہ بخت کو ملی ظلمت　　جہاں سے حضرت موسیٰ کے ہاتھ نور آیا

کچھ تازہ مزہ شوق کا حاصل نہیں ہوتا هر روز نئی آنکھ نیا دل نہیں ہوتا
کیا ناک میں دم ہے دل دشوار طلب سے وہ کام بگڑتا ہے جو مشکل نہیں ہوتا
کھیل کھیلے وہیں آپ جہاں چار میں بیٹھے یہ شرم یہ پردہ سر محفل نہیں ہوتا
بن جاتے ہیں ناداں وہ کیسے پئے تسکیں رکھتے ہیں دہاں، ہاتھ جہاں دل نہیں ہوتا
اے داغ کس آفت میں ہوں کچھ بن نہیں آتی وہ چھینتے ہیں مجھ سے جدا دل نہیں ہوتا

بے مانگے دردِ عشق و غم جاں گزا دیا سب کچھ ہمارے پاس ہے اللہ کا دیا
ناوک ابھی ہے شست میں صیاد کے مگر اٹھتے ہی انگلیاں وہ نشانہ اُڑا دیا
ملتا ہے لختِ دل مجھے سرکار عشق سے اچھی جگہ نصیب نے ٹکڑا لگا دیا
مضمون شوق چھپ نہ سکا اس کو کیا کروں گو میں نے خط رقیب کے خط میں ملا دیا
سمجھیں گے خوب اس بت ناآشنا سے داغ گر ایک بار اور خدا نے ملا دیا
انکار مے کشی نے مجھے کیا کیا مزا دیا سینہ پہ چڑھ کے اس نے خم مے پلا دیا
احسان مانتا ہوں ستم ہائے غیر کا بگڑا ہوا مزاج تمھارا بنا دیا
یوں ہوگئی نجات یہ تدبیر بن پڑی ناصح کو ہم نے غیر کے پیچھے لگا دیا
بخشا گیا جو داغ سیہ کار دیکھنا جنت کہے گی آگ لگا دی جلا دیا

کیا تو نے مرا حالِ پریشاں نہیں دیکھا اس طرح سے دیکھا کہ میری جاں نہیں دیکھا
کیا ذوق ہے کیا شوق ہے سو مرتبہ دیکھوں پھر بھی یہ کہوں جلوۂ جاناں نہیں دیکھا
محشر میں وہ نادم ہو خدا یہ نہ دکھائے آنکھوں نے کبھی اس کو پشیماں نہیں دیکھا
ملتا نہیں ہم کو دل گم گشتہ ہمارا تو نے تو کہیں اے غمِ جاناں نہیں دیکھا
تم منہ سے کہے جاؤ کہ دیکھا ہے زمانہ آنکھیں تو یہ کہتی ہیں کہ ہاں ہاں نہیں دیکھا
کیوں پوچھتے ہو کون ہے یہ کس کی ہے شہرت کیا تم نے کبھی داغ کا دیواں نہیں دیکھا

روکنا دل کو کہ شوق زلف دلبر لے چلا — تھامنا مجھ کو کہ یہ سودا میرا سر لے چلا
ابر رحمت کا ہوا اہل جہنم کو گماں — سوئے دوزخ میں جو اپنا دامن تر لے چلا
اس کی چتون پھرتے ہی محفل میں ہلچل پڑ گئی — مضطرب کو مضطرب مضطر کو مضطر لے چلا
منزل مقصود تک پہنچے بڑی مشکل سے ہم — ضعف نے اکثر بٹھایا شوق اکثر لے چلا
یہ حسین یہ مہہ جبیں یہ شہر ایسی لہر بھر — داغ کلکتہ سے لاکھوں داغ دلبر لے چلا

کس نے کہا کہ داغ وفادار مرگیا — وہ ہاتھ مل کے کہتے ہیں کیا یار مرگیا
میرے ہی دم سے زندہ ہے آزار عشق کا — میں مرگیا اگر تو یہ آزار مرگیا
محجوب کر نہ جرم فغاں پر کہ لطف کیا — شرم گناہ سے جو گنہگار مرگیا
ہے تیری جنس جن میں تاثیر زہر کی — جس کی نظر پڑی وہ خریدار مرگیا
کس بے کسی سے داغ نے افسوس جان دی — پڑھ کر تیرے فراق کے اشعار مرگیا

دل مبتلائے لذت آزار ہی رہا — مرنا فراق یار میں دشوار ہی رہا
صدقے میں تم نے چھوڑ دیے ہیں بہت اسیر — میں بھی رہا ہوا کہ گرفتار ہی رہا

کہوں جب تم یہ ہے بیمار میرا — تو کیوں کر دور ہو آزار میرا
برائی میں بھی ہوگا کوئی مطلب — وہ کرتے ذکر کیوں بیکار میرا
کہوں گا حشر میں یہ کون میں کون — مزا دے جائے گا انکار میرا
قیامت ہے سنے وہ سر جھکائے — خدا کے سامنے اظہار میرا
مجھے تم جانتے ہو داغ ہوں میں — کہیں جاتا ہے خالی وار میرا

جب جوانی کا مزہ جاتا رہا — زندگانی کا مزہ جاتا رہا
وہ قسم کھاتے ہیں اب ہر بات پر — بدگمانی کا مزہ جاتا رہا
خواب میں تیری تجلی دیکھ لی — لن ترانی کا مزہ جاتا رہا
کوئی تجھ پر بے غرض مرتا نہیں — جانفشانی کا مزہ جاتا رہا
داغ ہی کے دم سے تھا لطف سخن — خوش بیانی کا مزہ جاتا رہا

وہ جانا پھیر کر چتون کسی کا — ہمارے ہاتھ میں دامن کسی کا
غبار آلودہ ہیں پائے حنائی — مٹا کر آئے ہو مدفن کسی کا
زمانے کے چلن سیکھے ہیں تو نے — کسی کا دوست ہے دشمن کسی کا
کلیجہ تھام لوگے جب سنو گے — نہ سنوائے خدا شیون کسی کا
گرے گی طور پر ایک اور بجلی — چمکتا ہے رخ روشن کسی کا
مرے ماتم میں وہ آئیں تو کہنا — کریں غم آپ کے دشمن کسی کا
وہ پہروں دیکھتے ہیں داغ کے داغ — کسی کی سیر ہے گلشن کسی کا

گیا ہے عرش معلی پہ شور نالوں کا — خدا بھلا کرے آزار دینے والوں کا
کہیں نہیں تری درگاہ کے سوا یارب — فلک زدوں کا ٹھکانا خراب حالوں کا
وہ پھول والوں کا میلہ وہ سیر یاد ہے داغ — وہ روز جھرنے پہ جمگھٹ پری جمالوں کا

جواب وصل نکلا آپ کے منہ سے نہیں بن کر — شکایت بھی یہاں آئی تو لب پر آفریں بن کر
خیال ناز کے بھی کوئی نالے کر نہیں سکتا — ہزاروں آفتوں سے بچ گئے تم نازنیں بن کر
یہ سنتے ہیں رہا اک شور برپا ان کی محفل میں — گئے تھے رات کو کیا داغ دیوانے تمہیں بن کر

دل نکلے کس طرح ترے پیکاں کو چھوڑ کر
جاتا ہے گھر سے کوئی بھی مہماں کو چھوڑ کر
آیا ہوں تیرے دام میں صیاد باغ سے
اپنی مراد پر گل و ریحاں کو چھوڑ کر
ہر چند رام پور میں گھبرا رہا ہے داغ
کس طرح جائے کلب علی خاں کو چھوڑ کر

غیر بھی میری طرح کرتے ہیں آہیں کیونکر
میں بھی دیکھوں تو پلٹتی ہیں نگاہیں کیوں کر
نہ دلاسا نہ تسلی نہ تشفی نہ وفا
دوستی اس بت بدخو سے نبھاہیں کیوں کر
چاہ کا نام جب آتا ہے بگڑ جاتے ہو
وہ طریقہ تو بتا دو تمھیں چاہیں کیوں کر
دردمندوں سے کہیں ضبط فغاں ہوتا ہے
چپکے چپکے ترے بیمار کراہیں کیوں کر
داغ وہ چاہتے ہیں غیر کو چاہے یہ بھی
جو برا چاہے ہمارا اسے چاہیں کیوں کر

کچھ تمھارے لب اعجاز نما کہتے ہیں
یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کیا کہتے ہیں
اس کے ہاتھوں سے یہی ذلت و خواری ہوگی
غیر اپنی تو خبر لیں مجھے کیا کہتے ہیں
میں گنہگار اگر عشق مجازی ہے گناہ
میں خطاوار اگر اس کو خطا کہتے ہیں
پہلے تو داغ کی تعریف ہوا کرتی تھی
اب خدا جانے وہ کیوں اس کو برا کہتے ہیں

بتان ماہ وش اجڑی ہوئی منزل میں رہتے ہیں
کہ جس کی جان جاتی ہے اسی کے دل میں رہتے ہیں
خدا رکھے محبت نے کیے آباد دونوں گھر
میں ان کے دل میں رہتا ہوں وہ میرے دل میں رہتے ہیں
ہمیں دشوار جینا عار تم کو قتل کرنے سے
بڑی مشکل میں رکھتے ہو بڑی مشکل میں رہتے ہیں
کوئی نام و نشاں پوچھے تو اے قاصد بتا دینا
تخلص داغ ہے وہ عاشقوں کے دل میں رہتے ہیں

یہ کیا کہا کہ داغ کو پہچانتے نہیں
وہ ایک ہی تو شخص ہے تم جانتے نہیں
مہر وفا کا کب انھیں آتا ہے اعتبار
جب تک اسے وہ خوب طرح چھانتے نہیں
کیا داغ نے کہا تھا جو ایسے بگڑ گئے
عاشق کی بات کا تو برا مانتے نہیں

کیا کہوں تجھ کو جو پھر فسوں گر نہ کہوں   جس کو دنیا کہے اسبات کو کیونکر نہ کہوں
مہربانی سے کسی شخص نے پوچھا ہے مزاج   سخت مشکل ہے کہ حال دل مضطر نہ کہوں
میری شامت ہے کہوں آپ کا بگڑا ہے مزاج   اس کو بگڑا ہوا میں اپنا مقدر نہ کہوں
دل کی تاکید ہے ہر حال میں ہو پاس وفا   کیا ستم ہے کہ ستمگر کو ستمگر نہ کہوں
اب کے کچھ منہ سے نکالا تو تمھیں جانو گے   داغ پھر مجھ کو نہ کہنا جو برابر نہ کہوں

پھنسی ہوئی ہے یہ گردن بتوں کے پھندوں میں   چھڑا دے کوئی ہوا تنا خدا کے بندوں میں
راہ پر ان کو لگا لائے تو ہیں باتوں میں   اور کھل جائیں گے دوچار ملاقاتوں میں
یہ بھی تم جانتے ہو چند ملاقاتوں میں   آزمایا ہے تمھیں ہم نے کئی باتوں میں
ابر رحمت ہی برستا نظر آیا زاہد   خاک اڑتی کبھی دیکھی نہ خراباتوں میں
یارب اس چاند سے ٹکڑے کو کہاں سے لاؤں   روشنی جس کی ہو ان تاورں بھری راتوں میں
ہم سے انکار ہوا غیر سے اقرار ہوا   فیصلہ خوب کیا آپ نے دو باتوں میں
بھیجے دیتا ہے انھیں عشق متاع دل و جاں   ایک سرکار لٹی جاتی ہے سوغاتوں میں

نگاہ پھیر کے عذر وصال کرتے ہیں   مجھے وہ الٹی چھری سے حلال کرتے ہیں
زباں قطع کرد دل کو کیوں جلاتے ہو   اسی سے شکوہ اسی سے سوال کرتے ہیں
مرے مزار کو وہ ٹھوکروں سے ٹھکرا کر   فلک سے کہتے ہیں یوں پائمال کرتے ہیں
پس فنا بھی مری روح کانپ جاتی ہے   وہ روتے روتے جو آنکھوں کو لال کرتے ہیں
ہزار کام مزے کے ہیں داغ الفت میں   جو لوگ کچھ نہیں کرتے کمال کرتے ہیں

بھویں تنتی ہیں خنجر ہاتھ میں ہے تن کے بیٹھے ہیں   کسی سے آج بگڑی ہے کہ وہ یوں بن کے بیٹھے ہیں
الٰہی کیوں نہیں اٹھتی قیامت ماجرا کیا ہے   ہمارے سامنے پہلو میں وہ دشمن کے بیٹھے ہیں
بہت رویا ہوں میں جب سے یہ میں نے خواب دیکھا ہے   کہ آپ آنسو بہائے سامنے دشمن کے بیٹھے ہیں

یہ اٹھنا بیٹھنا محفل میں ان کا رنگ لائے گا — قیامت بن کے اٹھیں گے بھبوکا بن کے بیٹھے ہیں
کسی کی شامت آئے گی کسی کی جان جائے گی — کسی کی تاک میں وہ بام پر بن ٹھن کے بیٹھے ہیں
کوئی چھینٹا پڑے تو داغ کلکتہ چلے جائیں — عظیم آباد میں ہم منتظر ساون کے بیٹھے ہیں

محبت میں آرام سب چاہتے ہیں — مگر حضرتِ داغ کب چاہتے ہیں
خدا ان کی چاہت سے محفوظ رکھے — یہ آزار بھی منتخب چاہتے ہیں
غمِ ہجر سے داغ مجبور ہوکر — کبھی جو نہ چاہا وہ اب چاہتے ہیں

تمام رات وہ جاگیں وہ سوئیں سارے دن — خبر ہی کیا انھیں کیونکر کٹے ہمارے دن
انھوں نے وعدہ کیا آج شب کے آنے کا — خوشی تو جب ہے خدا خیر سے گذارے دن
ہمیشہ تم کو مبارک ہو داغ روز نشاط — پھریں ہمارے بھی جیسے پھرے تمھارے دن

درد دل کا کوئی پہلو جو نکالوں تو کہوں — اپنے روٹھے ہوئے دلبر کو منالوں تو کہوں
جو مرے دل میں ہے کہتے ہوئے جی ڈرتا ہے — گدگدا لوں تو کہوں پاؤں دبالوں تو کہوں
میں نے جو پائی ہے اُس تیغ ادا میں لذت — سامنے خضر مسیحا کو بٹھالوں تو کہوں
شب ہجراں میں جو کچھ اس سے ہوئی ہیں باتیں — تیری تصویر کو سینے سے لگالوں تو کہوں
میں ہوں بے تاب وہ بدمست فسانہ ہے دراز — دل کو تھاموں تو کہوں اُن کو سنبھالوں تو کہوں

تمکیں تیری شوخی میں تو شوخی ہے حیا میں — غمزہ ترے انداز میں انداز ادا میں
دو باتوں کی فریاد ہے درگاہ خدا میں — رحم آئے تیرے دل میں اثر میری دعا میں
اس دام سے چھٹنا کوئی آسان ہے ظالم — تو دل میں ہے دل زلف میں ہے زلف بلا میں
تھے اُس بت مہوش کے بہت چاہنے والے — انگشت نما داغ ہوا ساری سبھا میں

زلف وہ دام کہ جس دام سے آزاد نہ ہو
آنکھ وہ چور کہ جس چور کی فریاد نہ ہو
جور کے بعد ہے اب حرفِ تسلی کیسا
اُس سے فرمایئے جس کو وہ گھڑی یاد نہ ہو
ہے یہی حسن کی شہرت تو ہمارا ذمہ
کہ ترے کوچہ میں اک شہر جو آباد نہ ہو
محو آرائش و زینت ہی رہے آٹھ پہر
تجھ کو اللہ کرے فرصت بیداد نہ ہو
ہے مرے دل کی تباہی پہ تعجب کیا خوب
آپ یاد کریں جس کو وہ برباد نہ ہو
اے وہ دشنام سہی خلعت و عزت نہ سہی
جو عطا غیر کو ہو وہ مجھے امداد نہ ہو
کوستے ہیں وہ الٰہی کہ دعا دیتے ہیں
داغ کو دیکھ کے کہتے ہیں یہ ناشاد نہ ہو

تم کو چاہا تو خطا کیا ہے بتادو مجھ کو
دوسرا کوئی تو اپنا سا دکھا دو مجھ کو
کون ہوتا ہے کڑی بات کا سہنے والا
گالیاں تم کو سکھادیں یہ دعا دو مجھ کو
تم کو تو حشر کے دن لاکھ میں پہچان لیا
میں بھلا کون ہوں میرا تو پتہ دو مجھ کو
ہمدموں ان سے میں کہہ جاؤں گا حالت دل کی
دو گھڑی کے لیے دیوانہ بنا دو مجھ کو
تم بھی راضی ہو تمھاری بھی خوشی ہے کہ نہیں
جیتے جی داغ یہ کہتا ہے مٹا دو مجھ کو

کل تک تو آشنا تھے مگر آج غیر ہو
دو دن میں یہ مزاج ہے آگے کو خیر ہو
کیوں دعویٰ رقیب سراپا نہ ہو غلط
جب اُس کی بات کا کوئی سر ہو نہ پیر ہو
دلّی میں پھول والوں کا میلہ پھر آئے گا
بن ٹھن کے آئے وہ تو قیامت کی سیر ہو

آئینہ اپنی نظر سے نہ جدا ہونے دو
کوئی دم اور بھی آپس میں ذرا ہونے دو
ہم بھی دیکھیں تو کہاں تک نہ توجہ ہوگی
کوئی دن تذکرۂ اہل وفا ہونے دو
لطف سمجھو تو رقیبوں سے بھڑادو مجھ کو
سیر دیکھو تو کوئی فتنہ بپا ہونے دو
جب سنا داغ کوئی دم میں فنا ہوتا ہے
اس ستمگر نے اشارے سے کہا ہونے دو

اس سے کیا خاک ہم نشیں بنتی　　بات بگڑی ہوئی نہیں بنتی
میری صورت بنی تو خاک بنی　　قسمت اے صورت آفریں بنتی
وعدہ کرتے ہی کیا وہ آجاتے　　رات بھر زلف عنبریں بنتی
تو نے ایسے بگاڑ ڈالے ہیں　　ایک کی ایک سے نہیں بنتی
نہ چمکتی جو حسن کی تقدیر　　کیوں تری چاند سی جبیں بنتی
بزم دنیا تھی قابل جنت　　خوب بنتی اگر یہیں بنتی
طبع نازک کا لطف جب تھا داغ　　نازنینوں میں نازنیں بنتی

ملاتے ہو اسی کو خاک میں جو دل سے ملتا ہے　　میری جاں چاہنے والا بڑی مشکل سے ملتا ہے
کہیں ہے عید کی شادی کہیں ماتم ہے مقتل میں　　کوئی قاتل سے ملتا ہے کوئی بسمل سے ملتا ہے
مجھے آتا ہے کیا کیا رشک وقت ذبح اس سے بھی　　گلا جس دم لپٹ کر خنجر قاتل سے ملتا ہے
جواب اس بات کا اس شوخ کو کیا دے سکے کوئی　　جو دل لے کر کہے کمبخت تو کس دل سے ملتا ہے
غضب ہے داغ کے دل سے تمہارا دل نہیں ملتا　　تمہارا چاند سا چہرہ مہ کامل سے ملتا ہے

درد بن کر دل میں آنا کوئی تم سے سیکھ جائے　　جان عاشق ہو کے جانا کوئی تم سے سیکھ جائے
ہر سخن پر روٹھ جانا کوئی تم سے سیکھ جائے　　روٹھ کر پھر مسکرانا کوئی تم سے سیکھ جائے
وصل کی شب چشم خواب آلودہ کو تکتے اٹھے　　سوتے فتنے کو جگانا کوئی تم سے سیکھ جائے
اک نگاہ لطف پر لاکھوں دعائیں مل گئیں　　عمر کا اپنی بڑھانا کوئی تم سے سیکھ جائے
کیا سکھائے گا زمانے کو فلک طرز جفا　　اب تمہارا ہے زمانہ کوئی تم سے سیکھ جائے
محو بے خود ہو نہیں کچھ دین و دنیا کی خبر　　داغ ایسا دل لگانا کوئی تم سے سیکھ جائے

دیکھا جو شہر حسن میں چرچا ہی اور ہے　　اس کی ہوا ہے اور وہ دنیا ہی اور ہے
مجھ کو رلا کے آپ ہنسی سے تڑپ گئے　　خود لوٹنے لگے یہ تماشا ہی اور ہے

لو دیکھتے ہی غیر کو چتون بدل گئی
آنکھوں کو دیکھیے تو اشارا ہی اور ہے
کہتے ہیں خواب میں شب وعدہ ہم آئے تھے
یہ مکر یہ فریب یہ دھوکا ہی اور ہے
تم آئینہ ہی دیکھ کے حیران رہ گئے
واللہ مرے دل میں اک ایسا ہی اور ہے
جب اہل حشر سے نہ ملی میری واردات
سب نے کہا سنو تو یہ جھگڑا ہی اور ہے
اجمیر ہو کے جائیں گے اے داغ ہم بہار
اب کی برس سفر کا ارادہ ہی اور ہے

مرادیں مان رہا ہوں قضا کے آنے کی
بری گھڑی تھی دل مبتلا کے آنے کی
تمھارے دن ہیں قیامت اٹھائے پھرنے کے
تمہاری عمر ہے ناز و ادا کے آنے کی
وہ میری قبر پر آتے ہیں خوب بن ٹھن کر
یہی تو وجہ ہے خلق خدا کے آنے کی
شب فراق ہجوم بلا سے کیا مرتا
کہ راہ بند ہوئی تھی قضا کے آنے کی
ابھی تو کھیل ہیں اے داغ شوخیاں ان کی
پھر آرزوئیں کروگے حیا کے آنے کی

دنیا میں کوئی لطف کرے یا جفا کرے
جب میں نہیں بلا سے میری کچھ ہوا کرے
اس جور پر وفا نہ کرے یا وفا کرے
مری جگہ نصیب سے تو ہو تو کیا کرے
کیوں اے ستم شعار وہ کہنا بھی یاد ہے
تجھ سے دغا کرے تو خدا سے دغا کرے
لذت کو عشق کے غم جاوید چاہیے
تھوڑی سی زندگی ہے کہاں تک وفا کرے
اس عشق میں کسی کا اجارا نہیں ہے داغ
پروردگار جس کو یہ دولت عطا کرے

مرے رونے پہ جو رویا آدمی فہمیدہ ہے
ناصح عاقل پر اتا گرگ باراں دیدہ ہے

پیامی کامیاب آئے نہ آئے
خدا جانے جواب آئے نہ آئے
ترے غمزوں کو اپنے کام سے کام
کسی کے دل کو تاب آئے نہ آئے
تم آؤ جب سوار تو سن ناز
قیامت ہم رکاب آئے نہ آئے

شمار اپنی خطاؤں کا بتادوں
تمھیں شاید حساب آئے نہ آئے
نہ دیکھو داغ کا دیوان دیکھو
سمجھ میں یہ کتاب آئے نہ آئے

مری فریاد دوسرا نہ سنے
تم سنو اے بتوں خدا نہ سنے
راز اپنا کبھی کہا نہ کہے
حال میرا کبھی سنا نہ سنے
غیر بھی گر کرے مری تعریف
تو بھی ہرگز وہ بے وفا نہ سنے
پہلے گالی وہاں ہے پیچھے بات
اب سنے کوئی اس کو یا نہ سنے
ہوش اُڑتے ہیں دیکھ کر ان کو
ایسے دیکھے پری لقا نہ سنے
داغ کو چین ہی نہیں آتا
اس سے جب تک برا بھلا نہ سنے

تفریح ٹپکی پڑتی ہے ان کے دماغ سے
گلگشت کر کے آئے ہیں دشمن کے باغ سے
کھاتے ہیں داغ دست مرے دل کے داغ سے
سچ ہے چراغ ہوتا ہے روشن چراغ سے
دنیا میں ایسے لوگ مصیبت زدہ کہاں
روئے ہم آج خوب گلے مل کے داغ سے

آرزو یہ ہے کہ دم نکلے تمھارے سامنے
تم ہمارے سامنے ہو ہم تمھارے سامنے
روبرو میرے بٹھایا جس طرح سے غیر کو
ہو یوں ہی ایک فتنہ عالم تمھارے سامنے
آئی ہے کیا میری شامت آئی ہے کیا میری موت
میں کروں اظہار درد و غم تمھارے سامنے
قتل کر ڈالو ہمیں یا جرم الفت بخش دو
لو کھڑے ہیں ہاتھ باندھے ہم تمھارے سامنے
مجھ کو اس سر کی قسم اب تک وہی ہے اضطراب
داغ مضطر کا تھا جو عالم تمھارے سامنے

پھر کہیں چھپتی ہے جب ظاہر محبت ہو چکی
ہم بھی رسوا ہو چکے ان کی بھی شہرت ہو چکی
دیکھ کر آئینہ آپی آپ وہ کہنے لگے
شکل یہ پریوں کی یہ حوروں کی صورت ہو چکی
غیر کے آگے تو کی ہوگی برائی کس قدر
میرے منہ پر بارہا میری شکایت ہو چکی

یہ تری چشم فسوں گر میں کمال اچھا ہے
ایک کا حال برا ایک کا حال اچھا ہے

وہ عیادت کو مری آتے ہیں لو اور سنو
آج ہی خوبی تقدیر سے حال اچھا ہے

آپ کی جس میں ہو مرضی وہ مصیبت بہتر
آپ کی جس میں خوشی ہو وہ ملال اچھا ہے

یا دکھا دو مجھے تم پاؤں کا ناخن اپنا
یا یہ کہہ دو مرے ناخن سے ہلال اچھا ہے

آپ پچھتائیں نہیں جور سے توبہ نہ کریں
آپ گھبرائیں نہیں داغ کا حال اچھا ہے

بیٹھے اُداس اٹھے پریشاں خفا چلے
پوچھے تو کوئی آپ سے کیا آئے کیا چلے

آئیں گی ٹوٹ ٹوٹ کے قاصد پر آفتیں
غافل ادھر ادھر بھی ذرا دیکھتا چلے

ہم ساتھ ہو لیے تو کہا اس نے غیر سے
آتا ہے کون اس سے کہو یہ جدا چلے

بالیں سے میری آج وہ یہ کہہ کے اٹھ گئے
اس پر دوا چلے نہ کسی کی دعا چلے

بیٹھا ہے اعتکاف میں کیا داغ روزہ دار
اے کاش میکدہ کو یہ مرد خدا چلے

داغ اس بزم میں مہمان کہاں جاتا ہے
تیرا اللہ نگہبان کہاں جاتا ہے

باغ فردوس میں حوروں نے بھی دل لوٹ لیا
جو ہے تقدیر کا نقصان کہاں جاتا ہے

غیر جاتا تھا وہاں میں نے یہ کہہ کر روکا
تجھ سے کچھ جان نہ پہچان کہاں جاتا ہے

ہجر کے دن کی مصیبت تو گذر جائے گی
وصل کی رات کا احسان کہاں جاتا ہے

داغ تم نے تو بڑی دھوم سے کی تیاری
آج یہ عید کا سامان کہاں جاتا ہے

کچھ وہ سرگرم سخن نام خدا ہونے لگے
اب خدا چاہے تو مطلب بھی ادا ہونے لگے

غیر کے مذکور پر میرا بگڑنا تھا بجا
ٹھہرو ٹھہرو سنبھلو سنبھلو کیا سے کیا ہونے لگے

سلب کر لے یا الٰہی آسمان کا اختیار
جب کسی معشوق سے عہد وفا ہونے لگے

شکوۂ آزردگی سن کر کہا تو یہ کہا
کیا غرض کیا واسطہ ہم کیوں خفا ہونے لگے

داغ میں پرچا ہی لونگا باتوں باتوں میں انھیں
شرط یہ ہے کہ میرا ان کا سامنا ہونے لگے

لے کے دل کہتے ہو کیوں دیں اسے جلنے کے لیے
مل گیا خوب بہانا یہ مچلنے کے لیے
کون سی کی نہ دوا کون سی مانگی نہ دعا
ہم نے کیا کیا نہ کیا اپنے سنبھلنے کے لیے
جنبش لب کہے دیتی ہے وہ اب ہنستے ہیں
موجزن چشمۂ حیوان ہے اُبلنے کے لیے
بزم اغیار میں تم چھپ کے نہ بیٹھو اے داغ
چاند چھپنے کے لیے ہے کہ نکلنے کے لیے

طور کے پہلو میں ایک بتخانہ ایسا چاہیے
شور اٹھے جلوۂ جانانہ ایسا چاہیے
ایک قطرہ بھی نہ اے ساقی ملے کم ظرف کو
انتظام بادہ و پیمانہ ایسا چاہیے
بھیس بدلے حضرت زاہد یہیں چوری چھپے
شہر میں پوشیدہ اک میخانہ ایسا چاہیے
اس بہانے سے دکھا دیں دل کا نقشہ ہم انھیں
ہم کو اک ٹوٹا ہوا پیمانہ ایسا چاہیے
خوب جی بھر کر سنا پہلے تو قصہ داغ کا
پھر کہا دل تھام کر افسانہ ایسا چاہیے

آج ان کے بھید اس صورت سے ظاہر ہو گئے
غیر کا مذکور آیا تھا کہ تر بتر ہو گئے
چال ان کی دیکھنا گویا بڑے مظلوم ہیں
سب سے پہلے عرصۂ محشر میں حاضر ہو گئے
داغ تم آئے تھے بزم عیش میں خوش خوش ابھی
کیا ہوا کس واسطے افسردہ خاطر ہو گئے

آئی ہوئی عاشق کی طبیعت نہیں جاتی
آتی ہے تو آ کر یہ قیامت نہیں جاتی
سر جاتا ہے سر سے ترا سودا نہیں جاتا
دل جاتا ہے دل سے تری الفت نہیں جاتی
وہ آ کے مری قبر پہ یہ لکھ گئے مصرع
کافر تجھے دنیا کی محبت نہیں جاتی
شرما کے قسم کھا کے ابھی عہد کیا تھا
پھر ظلم کیا، آپ کی عادت نہیں جاتی
اے داغ برا مان نہ تو اس کے کہے کا
معشوق کی گالی سے تو عزت نہیں جاتی

اس کی چتون نظر میں پھرتی ہے　　اک چھری سی جگر میں پھرتی ہے
نہ ملا بعد مرگ بھی آرام　　روح اس رہ گذر میں پھرتی ہے
نہ ملے گا وہ جستجو سے کہیں　　خلق کس درد سر میں پھرتی ہے

تڑپتے ہیں انھیں غیروں کی چاہت ایسی ہوتی ہے　　خدا کی شان ہے ایسوں کی حالت ایسی ہوتی ہے
جب آنکھوں سے لگاتا ہوں تو چپکے چپکے ہنس ہنس کر　　تری تصویر بھی کہتی ہے صورت ایسی ہوتی ہے
ابھی تو کھیل سمجھے ہو مگر اک دن دکھا دیں گے　　قیامت اس کو کہتے ہیں قیامت ایسی ہوتی ہے
غضب میں جان ہے برسوں کے شکوے بھول جاتا ہوں　　کبھی دو چار دن ان کی عنایت ایسی ہوتی ہے
ذرا سی بات پر اے داغ تم ان سے بگڑ بیٹھے　　اسی کا نام الفت ہے محبت ایسی ہوتی ہے

ذکر مہر و وفا تو ہم کرتے　　پر تمھیں شرمسار کون کرے
آفت روزگار جب تم ہو　　شکوۂ روزگار کون کرے
وعدہ کرتے نہیں یہ کہتے ہیں　　تجھ کو امیدوار کون کرے
داغ کی شکل دیکھ کر بولے　　ایسی صورت کو پیار کون کرے

ناروا کہیے ناسزا کہیے　　کہیے کہیے مجھے بُرا کہیے
آپ اب میرا منہ نہ کھلوائیں　　یہ نہ کہیے کہ مدعا کہیے
وہ مجھے قتل کر کے کہتے ہیں　　مانتا ہی نہ تھا یہ کیا کہیے
دل میں رکھنے کی بات ہے غم عشق　　اس کو ہرگز نہ برملا کہیے
تجھ کو اچھا کہا ہے کس کس نے　　کہنے والوں کو خیر کیا کہیے
مجھ کو کہیے برا نہ غیر کے ساتھ　　جو ہو کہنا جدا جدا کہیے
آگئی آپ کو مسیحائی　　مرنے والوں کو مرحبا کہیے
ہاتھ رکھ کر وہ اپنے کانوں پر　　مجھ سے کہتے ہیں ماجرا کہیے
ہوش جاتے رہے رقیبوں کے　　داغ کو اور باوفا کہیے

شکوہ نہیں کسی کی ملاقات کا مجھے — تم جانتے ہو وہم ہے جس بات کا مجھے
جانا کہ بوئے غیر یہ پہچان جائے گا — باسی نہ اس نے ہار دیا رات کا مجھے
مل کر تمام بھید کہوں گا رقیب سے — موسم بہت پسند ہے برسات کا مجھے
آخر وہاں رقیب نے نقشہ جمالیا — اے داغ خوف تھا اسی بدذات کا مجھے

مری ان کی بھری محفل میں ہوگی — زبان پر آئے گی جو دل میں ہوگی
وہاں چٹکی میں جب وہ تیر لیں گے — یہاں اک گدگدی سی دل میں ہوگی
نہ آئے داغ تو اچھا ہے ورنہ — بڑی ہلچل تری محفل میں ہوگی

گرہ جو پڑ گئی رنجش میں وہ مشکل سے نکلے گی — نہ ان کے دل سے نکلے گی نہ میرے دل سے نکلے گی
کسی بدخو سے ہم کہنے لگے تھے مدعا اپنا — یہ کیا معلوم تھا آواز بھی مشکل سے نکلے گی
رموز عاشقی کو عاشقو تم داغ سے پوچھو — کہ باریکی میں باریکی اسی کامل سے نکلے گی

فغاں کو لاگ ٹھہری آسماں سے — اٹھا جاتا ہے پردہ درمیاں سے
تری رنجش کھلی طرز بیاں سے — نہ تھی دل میں تو کیوں نکلی زباں سے
گرے ہوتے الجھ کر آستاں سے — چلے آتے ہو گھبرائے کہاں سے
وہ مجھ کو دیکھ کر بولے الٰہی — بچانا اس بلائے ناگہاں سے
تمہارے در پہ ہم کیونکر نہ آتے — کہ تھی صاحب سلامت پاسباں سے
وہ خط لکھیں مجھے جھوٹا ہے قاصد — خدا جانے اٹھا لایا کہاں سے
جہاں آباد ہر منزل ہے داغ — قدم باہر نکالا جب مکاں سے

زمانہ بہت بدگماں ہورہا ہے — کسی شخص کا امتحاں ہو رہا ہے
سریلی صدائیں ہیں اس شوخ کی سی — الٰہی یہ جلسہ کہاں ہو رہا ہے

کوئی اُڑ کے آیا کوئی چھپ کے آیا　　پشیماں ترا پاسباں ہو رہا ہے
کہیں دو گھڑی آپ شبنم میں سوئے　　روح پر عرق درخشاں ہو رہا ہے
یہ بے ہوشیاں داغ یہ خواب غفلت　　خبر بھی ہے جو کچھ وہاں ہو رہا ہے

آج گھبرا کر وہ بولے جب سنے نالے مرے　　جان کے پیچھے پڑے ہیں چاہنے والے مرے

کس وجہ سے لب پر مری فریاد نہ آتی　　وہ چوٹ نہیں کھائی تھی جو یاد نہ آتی
اے شعبدہ گر تجھ کو ہزاروں ہنر آئے　　اک طرز دل آزاری و بیداد نہ آتی
گر باغ میں وہ خانہ برانداز نہ آتا　　گھبرائی ہوئی نکہت برباد نہ آتی
قسمت سے ملا مرگ محبت کا بہانہ　　کیا موت تجھے اے دل ناشاد نہ آتی
ہے فیض الٰہی میں کمی کون سی اے داغ　　کیوں جوش پہ یہ طبع خداداد نہ آتی

ہائے وہ دن کہ میسر تھی ہمیں رات نئی　　روز معشوق نیا روز ملاقات نئی
بات کرتے نہیں لے لیتے ہیں چٹکی دل میں　　یہ تو ہے آپ کی تصویر میں ایک بات نئی
دل طلب کرتے ہو سماں بتا کر ہم کو　　یہ تواضع ہے نئی ہے یہ مدارات نئی
رنگ مے دیکھ کے ہم صاف بتا دیتے ہیں　　یہ پرانی ہے یہ اے پیر خرابات نئی
داغ سا بھی کوئی شاعر ہے ذرا سچ کہنا　　جس کے ہر شعر میں ترکیب نئی بات نئی

یہ ٹپکتا ہے تیرے چتون سے　　کہ اشارے ہوئے ہیں دشمن سے
خاک میری اڑائی ہے اس نے　　بچ کے چلنا تم اپنے دامن سے
ہائے مجبوریاں محبت کی　　حال کہنا پڑا ہے دشمن سے

ملتے ہی بے باک تھی وہ آنکھ شرمائی ہوئی　　پھر گئی پچھتا کے پلکوں تک حیا آئی ہوئی

انتخاب
گلزارداغ

صبر لے زاہد نا فہم نہ مے خواروں کا　　بخشنے والا بھی دیکھا ہے گنہگاروں کا
ڈر گئے نام شفا سن کے زہے خواہش مرگ　　منہ ذرا سا نکل آیا ترے بیماروں کا
اہل الفت کے لیے چاہیے شہرت اے دل　　نام بکتا ہے محبت کے خریداروں کا
چوس لیتے ہیں مرے زخم زباں پیکاں　　چھوڑ دیتے ہیں یہ منہ چوم کے وفاداروں کا

آج راہی جہاں سے داغ ہوا　　خانہ عشق بے چراغ ہوا

آخر کو عشق کفر سے ایمان ہوگیا　　میں بت پرستوں سے مسلمان ہوگیا
رندان بے ریا کی ہے صحبت کسے نصیب　　زاہد بھی ہم میں بیٹھ کے انسان ہوگیا
لو اے بتو سنو کہ وہ داغ صنم پرست　　مسجد میں جاکے آج مسلمان ہوگیا

یوں وہ پیغام سے تو آئے گا　　غیر کے نام سے تو آئے گا
شب ہجراں سے موت بہتر ہے　　خواب آرام سے تو آئے گا

لے ہی تو آئیں گے اے ہمدم　　میرے ہی نام سے تو آئے گا
دل کا آنا ہے کام سے جانا　　جائے گا کام سے تو آئے گا
کبھی اپنا بھی روز خوش اے داغ　　دور ایام سے تو آئے گا

ہوا ہے جب سے شہرہ اس عدوئے دین وایماں کا　　کوئی دل چیر کے دیکھے عقیدہ ہر مسلماں کا
نہیں معلوم اک مدت سے قاصد حال کچھ واں کا　　مزاج اچھا تو ہے یا دش بخیر اس آفت جاں کا
اُگا ہے سبزہ کیسا حوضِ مے کے گرد اے ساقی　　خضر آئے نہ ہوں چشمہ سمجھ کر آب حیواں کا
بنا کر اپنا دیوانہ الگ بچ کر چلے جانا　　ترے دامن سے لینا ہے ہمیں بدلہ گریباں کا
کیا ہے ایک دستِ آرزو نے وار دو جانب　　زلیخا کے جگر تک چاک ہے یوسف کے داماں کا
سر محفل مجھ ہی سے تجھ کو ظالم پردہ کرنا تھا　　پھر اس پر یہ قیامت غیر کے دامن سے منہ ڈھاں کا
رہی ان کے ہمارے دل ہی دل میں گفتگو جب تک　　مزا آتا رہا کیا کیا شکایت ہائے پنہاں کا
ہمارے داغِ عصیاں داغ کیا کیا رنگ لائیں گے　　گماں گزرے گا دوزخ پر بھی جنت کے گلستاں کا

محبت میں کرے کیا کچھ کسی سے ہو نہیں سکتا　　مرا مرنا بھی تو میری خوشی سے ہو نہیں سکتا
کیا ہے وعدۂ فردا انھوں نے دیکھیے کیا ہو　　یہاں صبر و تحمل آج ہی سے ہو نہیں سکتا
یہ مشتاق شہادت کس جگہ جائیں کسے ڈھونڈیں　　کہ تیرا کام جب قاتل تجھی سے ہو نہیں سکتا
نہیں گر تجھ پہ قابو دل ہی پر کچھ زور ہو اپنا　　کروں کیا یہ بھی تو ناطاقتی سے ہو نہیں سکتا
نہ رونا ہے طریقے کا نہ ہنسنا ہے سلیقہ کا　　پریشانی میں کوئی کام جی سے ہو نہیں سکتا
ہوا ہوں اس قدر محجوب عرض مدعا کر کے　　کہ اب تو عذر بھی شرمندگی سے ہو نہیں سکتا
خدا جب دوست ہے اے داغ کیا دشمن سے اندیشہ　　ہمارا کچھ کسی کی دشمنی سے ہو نہیں سکتا

زندہ عیسیٰ کا نام کرنا تھا　　اس طرف بھی خرام کرنا تھا
نہ میسر ہوئی کہیں خلوت　　کچھ ہمیں بھی کلام کرنا تھا

کیوں کسی کی نگاہ نے تیری　　کام میرا تمام کرنا تھا
تھی نہ تاب ستم تو حضرت دل　　عاشق کو سلام کرنا تھا
داغ مہمان سرائے دنیا میں　　اور چندے قیام کرنا تھا

غضب کیا ترے وعدہ پر اعتبار کیا　　تمام رات قیامت کا انتظار کیا
کسی طرح جو نہ اُس بت نے اعتبار کیا　　مری وفا نے مجھے خوب شرمسار کیا
تڑپ پھر اے دلِ ناداں کہ غیر کہتے ہیں　　اخیر کچھ نہ بنی صبر اختیار کیا
کچھ آگے داورِ محشر سے ہے امید مجھے　　کچھ آپ نے مرے کہنے کا اعتبار کیا
بنے گا مہر قیامت بھی اک خال سیاہ　　جو چہرہ داغ سیہ رو نے اختیار کیا

جوڑ کے شہباز نظر پر گرا　　ٹوٹ کے ہر خستہ جگر پر گرا
چرخ سے جب کی ہوسِ سروری　　سنگ مصیبت مرے سر پر گرا
سایہ مرے بخت سیہ کا ضرور　　اے شب غم تیری سحر پر گرا
شوق نے آوارہ کیا تھا مجھے　　خیر ہوئی میں تیرے در پر گرا
بزم سے گلدستے سب اٹھوا دیے　　داغ کا نزلہ گُل تر پر گرا
دل سنبھالا پر نہ سنبھلا پاؤں اٹھا سر گرا　　ان کے آگے آج میں اکثر اٹھا اکثر گرا
کم نصیبی اس کو کہتے ہیں کہ میرے وار پر　　دست ساقی سے ادھر شیشہ اُدھر ساغر گرا
پہلے کیوں اے داغ اتنی پی گئے فرمایئے　　سر پکڑ کر اب جو ہے فریاد میرا سر گرا

تری الفت کی چنگاری نے ظالم ایک جہاں پھونکا　　ادھر چمکی اُدھر سلگی یہاں پھونکا وہاں پھونکا
مرے حال زبوں پر ہائے کس کس کو نہ رحم آیا　　اجل نے بھی تو کچھ پڑھ پڑھ کے بہرِ حفظ جاں پھونکا
تری دزدِ حنا نے مایہ صبر و خرد لوٹے　　تری برق نگہ نے خرمنِ تاب و تواں پھونکا
سنا جاتا نہیں اے داغ تیرا سوزِ دل ہم سے　　تری آتش زبانی نے تو اے آتش زباں پھونکا

وہ کچھ سنائیں کہ صیاد دردمند ہوا
قفس میں بند ہوئے پر بھی میں نہ بند ہوا

وفورِ عجز پہ سو سو غرور مجھ کو ہوئے
بڑا ہی ناز ہوا جب نیاز مند ہوا

علاج نشۂ الفت کا داغ ہو نہ سکا
گھڑی گھڑی میں دوبالا ہوا دو چند ہوا

شانہ جب زلفِ معتبر سے الجھ کر نکالا
ہم یہ سمجھے کہ ہمارا دل مضطر نکلا

کند ہوتی ہے تو چل چل کے مری گردن پر
یہ نیا آپ کی تلوار کا جوہر نکلا

خاک سینہ میں محبت نے اڑائی کیا کیا
اشک بھی آنکھ سے نکلا تو مکدر نکلا

ہم تو بے نام ونشاں آپ کی الفت میں ہوئے
آپ کا نام نکلنا تھا ستم گر نکلا

آفریں داغ تجھے خوب نباہی تو نے
مرحبا کوچۂ دلدار سے مرکر نکلا

دلگیر ہو کے غنچہ بہار چمن ہوا
دل تنگ بھی ہوا تو نہ اس کا دہن ہوا

جب وہ کلام کرتے ہیں منہ دیکھتی ہے خلق
اٹھتی ہیں انگلیاں کہ وہ پیدا دہن ہوا

جس لب کو حرف وعدہ نزاکت سے بار تھا
سنتا ہوں آج میں کہ وہ پیماں شکن ہوا

ہاتھوں سے جو بچے تری باتوں سے مر گئے
چٹکی میں جو تھا تیر وہ لب پر سخن ہوا

ایمان کچھ وضو تو نہیں ہے کہ ٹوٹ جائے
اے شیخ کیا ہوا جو میں توبہ شکن ہوا

چھیڑا جو اے جنوں اسے تو نے جان لے
تیرے گلے کا ہار مرا پیرہن ہوا

لکھا ہوا ہے پیر مغاں کی کتاب میں
لاکھوں میں داغ ایک ہی توبہ شکن ہوا

ہمیں چو کے غم دل قابل اظہار نہ تھا
بات میں یار یہ بگڑا کہ کبھی یار نہ تھا

یا نہ آتے تھے حسینوں کو یہ انداز جفا
یا کوئی اگلے زمانہ میں خطاوار نہ تھا

بات کیا چاہیے جب مفت کی حجت ٹھہری
اس گنہ پر مجھے مارا کہ گنہ گار نہ تھا

سحر تھی چشم فسوں ساز کہ ملتے ہی نظر
میں نے پہلو میں جو دیکھا تو دل زار نہ تھا

دل کا سودا اور اس اغماز سے اور ایسی جگہ
داغ وہ انجمن ناز تھی بازار نہ تھا

یہ داغ رند سب آلودۂ شراب نہ تھا
خراب آج ہوا آج تک خراب نہ تھا
نہ پوچھیے مرے روز سیاہ کی ظلمت
چراغ لے کے بھی ڈھونڈا تو آفتاب نہ تھا
کہاں انھوں نے شب غم کا ماجرا سن کر
ترے مزاج کی شوخی تھی اضطراب نہ تھا
لگی نہ آگ مری چشم پاسباں کی قسم
شب فراق کہیں دیکھنے کو خواب نہ تھا
پیامبر کی زباں بات بات پر جو رکی
شریک حال میرے دل کا اضطراب نہ تھا
ہمارے حال کو جس سے سنا کہا سب جھوٹ
کوئی زبان نہ تھی جس پہ یہ جواب نہ تھا
اگرچہ بادہ کشی تھی گناہ اے زاہد
جو تجھ سے چھین کے پیتا تو کچھ عذاب نہ تھا
بغیر داغ کے جنت تمہاری بزم رہی
ہزار شکر کہ وہ خانماں خراب نہ تھا

کیوں کر اب اس نگہ ناز سے جینا ہوگا
زہر دے اس پہ یہ تاکید کہ پینا ہوگا
خاک کر دے گی اسے برق تجلی اک دن
طور سینا ترے مشتاق کا سینا ہوگا
چین دیتے نہیں وہ داغ کسی طرح مجھے
میں جو مرتا ہوں تو کہتے ہیں کہ جینا ہوگا

ہم نے ان کے سامنے اول تو خنجر رکھ دیا
پھر کلیجہ رکھ دیا دل رکھ دیا سر رکھ دیا
قطرۂ خونِ جگر سے کی تواضع عشق کی
سامنے مہماں کے جو تھا میسر رکھ دیا
کہتے ہیں بوئے وفا آتی ہے ان پھولوں میں آج
دل جو ہم نے لالہ وگل میں ملا کر رکھ دیا
زندگی میں پاس سے دم بھر نہ ہوتے تھے جدا
قبر میں تنہا مجھے یاروں نے کیونکر رکھ دیا
دیکھیے اب ٹھوکریں کھاتی ہے کس کس کی نگاہ
روزنِ دیوار میں ظالم نے پتھر رکھ دیا
داغ کی شامت جو آئی اضطراب شوق میں
حالِ دل کمبخت نے سب ان کے منہ پر رکھ دیا

جہاں میں کیا نہ ڈھونڈا ، کیا نہ پایا
مزاج ان کا دماغ ان کا نہ پایا
تری جانب ہی پھر جاتی خدائی
مگر کافر تجھے اتنا نہ پایا
ترے دست حنائی میں بھی ہے چور
کسی کو ہاتھ کا سچا نہ پایا

خزاں ہی خوب تھی بہر نشیمن — چمن میں ایک بھی تنکا نہ پایا
سفارش ہم تری کرتے پر اے داغ — کچھ ان کا تجھ سے رخ اچھا نہ پایا

عجب اپنا حال ہوتا جو وصال یار ہوتا — کبھی جان صدقے ہوتی کبھی دل نثار ہوتا
جو تمھاری طرح تم سے کوئی جھوٹے وعدے کرتا — تمھیں منصفی سے کہہ دو تمھیں اعتبار ہوتا
یہ مزہ تھا دل لگی کا کہ برابر آگ لگتی — نہ تجھے قرار ہوتا نہ مجھے قرار ہوتا
ترے وعدہ پر ستمگر ابھی اور صبر کرتے — اگر اپنی زندگی کا ہمیں اعتبار ہوتا
تمھیں ناز ہو نہ کیونکر کہ لیا ہے داغ کا دل — یہ رقم نہ ہاتھ لگتی نہ یہ افتخار ہوتا

جلوہ دیکھا تری رعنائی کا — کیا کلیجہ ہے تماشائی کا
یاد آتا ہے وہ رسوا کرکے — رنج کرنا مری رسوائی کا
اے لب یار جلا دے دل کو — واسطہ اپنی مسیحائی کا
منہ سے بولے تو کہا آئینہ — کھیل کھیلے تو خود آرائی کا
ضعف نے دل کو تڑپنے نہ دیا — ہو گیا نام شکیبائی کا
ان کی شہرت بھی مٹی جاتی ہے — کیا ٹھکانا مری رسوائی کا
داغ کی قبر مٹا کر بولے — یہ نشاں تھا اسی سودائی کا

خاطر سے یا لحاظ سے میں مان تو گیا — جھوٹی قسم سے آپ کا ایمان تو گیا
افشائے راز عشق میں گو ذلتیں ہوئیں — لیکن اسے جتا تو دیا جان تو گیا
ہوش و حواس و تاب و تواں داغ جا چکے — اب ہم بھی جانے والے ہیں سامان تو گیا

راز دل کوئی کہے لاکھ میں کیونکر اپنا — داور حشر جدا چاہیے محشر اپنا
عشق کا لطف تو جب ہے کہ مجھے دے ڈالیں — زندگی اپنی خضر بخت سکندر اپنا

گو مری شکل سے نفرت ہے مگر بہر خبر   آدی بھیجتے رہتے ہیں وہ اکثر اپنا
دھوم ہے کوچہ قاتل میں قیامت آئی   فیصلہ ہم بھی کیے لیتے ہیں چل کر اپنا
ہم فقیروں کو کہاں چین کہ وہ کہتے ہیں   میرے در پر سے اٹھا لیجیے بستر اپنا
کم نہ تھی شوخی رفتار سے بیتابیٔ شوق   راہ میں پاؤں پڑا ان کے برابر اپنا
وہ زمانہ بھی تمھیں یاد ہے تم کہتے تھے   دوست دنیا میں نہیں داغ سے بہتر اپنا

کیا ہو سکے مقابلہ مژگانِ یار کا   دل ایک ہاتھ کا ہے جگر ایک وار کا
پوچھے کوئی مزاج تو اللہ رے غرور   کہتے نہیں وہ شکر ہے پروردگار کا
ہوگا نشان مہر ومحبت یہیں کہیں   ڈھونڈھو چراغ لے کے ہمارے مزار کا
رہتی تھی اس کی یاد وہ راتیں کدھر گئیں   اب مجھ کو انتظار ہے اس انتظار کا
اے چشم یار دیکھ تغافل سے باز آ   دل ٹوٹ جائے گا کسی امیدوار کا
غش کھا کے داغ یار کے قدموں پہ گر پڑا   بے ہوش نے بھی کام کیا ہوشیار کا

یاں امتحانِ برق تجلی ضرور تھا   بکیا میں نہ تھا اس آگ میں جلنے کو طور تھا
ہم بوسہ لے کے ان سے عجب چال کر گئے   یوں بخشوا لیا کہ یہ پہلا قصور تھا
کیوں تو نے چشم لطف سے دیکھا غضب کیا   قربان اس نگاہ کے جس میں غرور تھا
کرنی پڑیں فراق میں تیمار داریاں   ہاتھوں میں ساری رات دل ناصبور تھا
اے داغ صدمہ غم ہجراں بجا درست   یہ سب سہی مگر تمھیں جینا ضرور تھا

ہمیں زمانے میں بدنام تیری خو نے کیا   دلِ فریفتہ جو کچھ کیا سو تو نے کیا
حنا کو رنگ نے مشہور گل کو بو نے کیا   جہاں میں شہرہ تمھارا رخ نکو نے کیا
رقیب اس کے بھی قابل نہیں خدا کی قسم   اگر ستم بھی کیا تو بھی لطف تو نے کیا
غرور کیوں نہ ہو جب دل سی چیز ہاتھ لگے   بڑا دماغ تری زلف مشک بو نے کیا
کھلا میں ان سے تو وہ اور داغ مجھ سے رکے   خفا تو ان کو مری شرح آرزو نے کیا

عیش بھی اندوہ فزا ہوگیا   ہائے طبیعت تجھے کیا ہوگیا
یاد ہے کہنا وہ کسی وقت کا   ہوش میں آؤ تمھیں کیا ہوگیا
ایسے اقرار کے سچے کہاں   وعدہ کیا اور وفا ہوگیا
یہ تو نہ تھی کوئی بگڑنے کی بات   حرف خوشامد بھی گلا ہوگیا
سب مجھے دیوانہ بتانے لگے   لو وہ تمھارا ہی کہا ہوگیا
داغ قیامت میں یہ مژدہ سنے   جا تجھے فردوس عطا ہوگیا

یہ قول کسی کا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا   وہ کچھ نہیں کہتا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا
بن آئی ہے جو چاہیں کہیں حضرت واعظ   اندیشۂ عقبیٰ ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا
ان کا یہی سننا ہے کہ وہ کچھ نہیں سنتے   میرا یہی کہنا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا
خط میں مجھے اوّل تو سنائی ہیں ہزاروں   آخر یہی لکھا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

بن کے تیغِ غضب ملیں گے آپ   یوں گلے مجھ سے کب ملیں گے آپ
ہجر کا شکوہ حشر میں کرتا   واں تو ہے یہ غضب ملیں گے آپ
آپ کیوں خاک میں ملاتے ہیں   ہم مصیبت طلب ملیں گے آپ
کارواں کی تلاش کیا اے دل   آ کے منزل پہ سب ملیں گے آپ
داغ اک آدمی ہے گرما گرم   خوش بہت ہوں گے جب ملیں گے آپ

ہے طرفہ تماشا سربازار محبت   سر بیچتے پھرتے ہیں خریدار محبت
ابرو سے چلے تیغ تو مژگاں سے چلے تیر   تعزیر کے بھوکے ہیں خطاوار محبت
دل بھول نہ جائے کسی مژگاں کی کھٹک کو   کچھ چھیڑ رہے اے خلش خار محبت
واعظ کی زباں پر تو وہ کلمے ہیں کہ گویا   بخشے ہی نہ جائیں گے گنہگار محبت

شوخی سے ٹھہرتی نہیں قاتل کی نظر آج	یہ برق بلا دیکھیے گرتی ہے کدھر آج
مہمان ہے وہ غیرت خورشید و قمر آج	دن آج ہے رات آج ہے شام آج سحر آج
روکا ہی کیا رشک بٹھاتا ہی رہا ضعف	بیتابیٔ دل لے ہی گئی غیر کے گھر آج
وعدے پہ مرے ان کی قیامت کی ہے تکرار	اور بات ہے اتنی کہ ادھر کل ہے ادھر آج
تھی کل سے تلاش ان کی مرے قتل پہ اے داغ	نکلے وہ عنبردار بنے غیر کے گھر آج

پکارتی ہے خموشی مری فغاں کی طرح	نگاہیں کہتی ہیں سب راز دل زباں کی طرح
جلا کے داغ محبت نے دل کو خاک کیا	بہار آئی مرے باغ میں خزاں کی طرح
حیا نے روک لیا جذب دل نے کھینچ لیا	چلے وہ تیر کی صورت کھنچے کماں کی طرح
جھکی ہی جاتی ہے کچھ خود بخود حیا سے وہ آنکھ	گری ہی پڑتی ہے بیمار ناتواں کی طرح
خدا قبول کرے داغ تم جو سوئے عدم	چلے ہو عشق بتاں لے کے ارمغاں کی طرح

دل نہ رہا سینے میں دم کی طرح	ٹوٹ گیا تیری قسم کی طرح
عہد کسی طرح گوارا نہ تھا	اس نے قسم کھائی ہے سم کی طرح
داغ در یار ہے کعبہ اگر	بچ نہ گئے صید حرم کی طرح

چھپتی ہے کب چھپانے سے اے خوبرو پسند	آنکھیں یہ کہہ رہی ہیں کہ آیا ہے تو پسند
زاہد بڑی کریم ہے پیر مغاں کی ذات	واں سب عبادتیں ہیں وضو بے وضو پسند
دینے لگے اخیر وہ باتوں میں گالیاں	جانا ہے کہ اس کو آئی مری گفتگو پسند
رگ رگ سے دم نکال لیا ڈھونڈ ڈھونڈ کر	درد فراق کی ہے مجھے جستجو پسند
اے داغ ہچکچاتے ہو ذلت سے عشق کی	دنیا میں ہو تمہیں تو بڑے آبرو پسند

کوئی آئے اس بزم سے کیا نکل کر　　　کہ رہ گیا ہے مرا ذکر چل کر
نہ اٹھنے دیا دل نے اس انجمن سے　　　کیا قصد سو بار زانو بدل کر
ہوئی بے اثر سرد مہری بتوں کی　　　نہ ٹھنڈے ہوئے حضرت داغ جل کر

ڈالتے ہو کیوں دوپٹے کا تم آنچل دوش پر　　　بار تھے پہلے ہی گیسو مسلسل دوش پر

یاں دل میں خیال اور ہے واں مدنظر اور　　　اک دم میں مزاج اور ہے اک پل میں نظر اور

بزم اغیار کا ظاہر ہے اثر آنکھوں پر　　　مہربان آپ کی خفت مرے سر آنکھوں پر
دوستی کا ہو زمانے میں بھروسا کس پر　　　تو مجھے چھوڑ چلا اے دل شیدا کس پر
امتحان تاب دل کا تو دکھادوں لیکن　　　یہ تو سمجھو کہ فلک ٹوٹ پڑے گا کس پر
یوں تو معشوق گل و شمع ہی کہلاتے ہیں　　　دیکھنا یہ ہے کہ مرتا ہے زمانہ کس پر
فتنہ پرداز و دغاباز فسوں گر عیار　　　ہائے افسوس دل آیا بھی تو آیا کس پر
منہ سے کہتے ہیں نکالیں گے ہمیں کچھ تدبیر　　　صاف کہہ دو کہ دل آیا جو تمہارا کس پر
لے کے دل بھی نہ دیا بوسہ جو مانگا تو کہا　　　کوئی سنتا بھی ہے کرتے ہو تقاضا کس پر
داغ جاتے تو ہیں مقتل میں پر اول سب سے　　　دیکھیے وار کرے وہ ستم آرا کس پر

آئے وہ بے وفا یہاں اس کی بلا کو کیا غرض　　　جائے در قبول تک میری دعا کو کیا غرض
اس کی گلی سے آئے کیوں نکہت زلف لائے کیوں　　　مجھ کو صبا سے ہے امید مجھ سے صبا کو کیا غرض

قول و قسم کی شرط ملاقات کا لحاظ　　　انسان کو ضرور ہے ہر بات کا لحاظ
دامن جھٹک جھٹک کے چھڑایا ہزار بار　　　تم کو ہوا نہ خاک مری بات کا لحاظ
کل غیر کے بھی سامنے جھپکے گی تیری آنکھ　　　دن کو مزا دکھائے گا اس رات کا لحاظ

اقرار بھی ہے وصل پر انکار بھی اُنھیں   اس بات کا لحاظ نہ اُس بات کا لحاظ
اے داغ میکدے میں گئے ہیں جناب شیخ   ٹوٹا ہے آج قبلہ حاجات کا لحاظ

دیکھا نہ ہم نے رشک سے اغیار کی طرف   منہ پھیر بیٹھے بزم میں دیوار کی طرف
بیٹھے بٹھائے آئے جو شامت تو کیا علاج   دل نے کہا کہ آؤ چلیں یار کی طرف
بیکس رہیں گے حشر میں کب مجرمان عشق   رحمت کہے گی ہم ہیں گنہگار کی طرف
تقصیر مے فروش کی اے محتسب نہیں   یہ چیز اڑ کے جاتی ہے میخوار کی طرف
چلتے نہیں وہ شرم سے نیچی نظر کیے   آنکھیں لگی ہیں شوخئ رفتار کی طرف

بیکسی صدمۂ ہجراں کی مجھے تاب نہیں   کاش دشمن ہی چلے آئیں جو احباب نہیں
تجھ کو اے بخت سیہ آگ لگا کر دیکھوں   شب ہجراں میں اگر جلوۂ مہتاب نہیں
واں یہ ٹھہری ہے کہ اس کو بھی نظر میں رکھیے   اب جو ٹھہرے تو ہمارا دل بے تاب نہیں

کیا کیا فریب دل کو دیے اضطراب میں   ان کے حرف سے آپ لکھے خط جواب میں
جی چاہتا ہے چھیڑ کے ہوں اس سے ہم کلام   کچھ تو لگے گی دیر سوال و جواب میں
دنیا کی باز پرس سے اب تک نہیں نجات   الجھا ہوا ہوں حشر کے دن بھی حساب میں
اے داغ کوئی مجھ سا نہ ہوگا گنہگار   ہے معصیت سے میرے جہنم عذاب میں

جفا پہ جان دیتے ہیں ستم پہ تیرے مرتے ہیں   یہ ناکام محبت سچ تو یہ ہے کام کرتے ہیں
کہیں کیا ہم پہ جو صدمے گذرتے ہیں گذرتے ہیں   لگا یا جس گھڑی دل اس گھڑی کو یاد کرتے ہیں
نہ کرنا منفعل اے ناخن غم تیغ قاتل سے   کہ رنگ گریہ کہتا ہے جگر کے زخم بھرتے ہیں
ادا بے ساختہ اُن گیسوؤں کی کچھ نرالی ہے   بنائے سے بگڑتے ہیں سنوارے سے بکھرتے ہیں
نہ پوچھ داغ ہم سے انتظار یار کی صورت   یہ آنکھیں جانتی ہیں خوب جو نقشے گذرتے ہیں

مرا چرچا ہوا نہ کس کس میں — میں بنا چور ان کی مجلس میں
ہائے کس طور سے بنے وہ کام — ہو قدم دل کا درمیان جس میں
دلِ بیتاب کے تڑپنے سے — آ گئی جان جسمِ بے حس میں
مجھ کو دشمن سے کیا گلہ اے داغ — انس پاتا نہیں ہوں مونس میں

ساز یہ کینہ ساز کیا جانیں — ناز والے نیاز کیا جانیں
جب کسی در کی جبہ سائی کی — شیخ صاحب نماز کیا جانیں
جن کو اپنی خبر نہیں اب تک — وہ مرے دل کا راز کیا جانیں

دل میں گھر یار کے پیکان کیے بیٹھے ہیں — مجھ پہ قبضہ مرے مہمان کیے بیٹھے ہیں
اللہ اللہ رے اُنھیں میری نظر سے پرہیز — کہ رقیبوں کو نگہبان کیے بیٹھے ہیں
اس طرح بیٹھے ہیں سرکاٹ کے میرا سرِ بزم — مجھ پہ گویا کہ وہ احسان کیے بیٹھے ہیں
مہندی ملنے کے بہانے ہیں عبث یوں کہیے — آج اغیار سے پیمان کیے بیٹھے ہیں
دیکھیے کون گرفتارِ بلا ہوتا ہے — آج وہ زلف پریشان کیے بیٹھے ہیں
اب ہے کیا ہم میں جو لے گی نگہ ناز تری — پہلے ہی جان کا نقصان کیے بیٹھے ہیں
حضرت داغ کو پھر کیا کہیں وحشت اچھلی — آج گھر کو جو بیابان کیے بیٹھے ہیں

جلوے مری نگاہ میں کون و مکاں کے ہیں — مجھ سے کہاں چھپیں گے وہ ایسے کہاں کے ہیں
کرتے ہیں قتل وہ طلبِ مغفرت کے بعد — جو تھے دعا کے ہاتھ وہی امتحاں کے ہیں
جس دن سے کچھ شریک ہوئی میری مشت خاک — اس روز سے زمیں پہ ستم آسماں کے ہیں
کیا اضطرابِ شوق نے مجھ کو خجل کیا — وہ پوچھتے ہیں کیسے ارادے کہاں کے ہیں
ہر چند داغ ایک ہی عیار ہے مگر — دشمن بھی تو چھٹے ہوئے سارے جہاں کے ہیں

بات میری کبھی سنی ہی نہیں جانتے وہ بری بھلی ہی نہیں
لطف مے تجھ سے کیا کہوں زاہد ہائے کمبخت تونے پی ہی نہیں
ہم تری آرزو پہ جیتے ہیں یہ نہیں ہے تو زندگی ہی نہیں
داغ کیوں تم کو بے وفا کہتا وہ شکایت کا آدمی ہی نہیں

کبھی فلک کو پڑا دل جلوں سے کام نہیں اگر نہ آگ لگادوں تو داغ نام نہیں
وہ کاش وصل کے انکار ہی پہ قائم ہوں مگر انھیں تو کسی بات پر قیام نہیں
سنائے جاتے ہیں درپردہ گالیاں مجھ کو جو میں کہوں تو کہیں آپ سے کلام نہیں

فغاں میں آہ میں نالے میں شیون میں سناؤں دردِ دل طاقت اگر ہو سننے والے میں

رہے گا کوئی تو تیغ ستم کے یادگاروں میں مرے لاشے کے ٹکڑے دفن کرنا سو مزاروں میں
وہ شرمائی ہوئی آنکھیں وہ گھبرائی ہوئی باتیں نکل کر گھر سے وہ گھر ناترا امیدواروں میں
اجل کا نام لیں تقدیر کو روئیں مجھے کوسیں مرے قاتل کا چرچا کیوں ہے میرے سوگواروں میں
وہ کترا کر چلے ہیں میکدے سے حضرت زاہد بڑے مرشد ہیں ہاتھوں ہاتھ لانا ان کو یاروں میں

دنیا میں وضعدار حسین اور بھی تو ہیں معشوق اک تمھیں تو نہیں اور بھی تو ہیں
تم خواب میں بھی آئے تو منہ کو چھپالیا دیکھو جہاں میں پردہ نشیں اور بھی تو ہیں

فلک دیتا ہے جن کو عیش ان کو غم بھی ہوتے ہیں جہاں بجتے ہیں نقارے وہاں ماتم بھی ہوتے ہیں
گلے شکوے کہاں تک ہوں گے آدھی رات تو گذری پریشاں تم بھی ہوتے ہو پریشاں ہم بھی ہوتے ہیں

یہ سن سن کے مرنا پڑا ہر کسی کو   نہیں مرتے دیکھا کسی پر کسی کو
زہے منصفی قتل تونے کیا ہے   دفا پر کسی کو دعا پر کسی کو
بہت چھیڑ کر ہم کو پچھتایئے گا   ستاتے نہیں بندہ پرور کسی کو
یہ کہتی ہے اے داغ چتون تمھاری   کہ تم چاہتے ہو مقرر کسی کو
اے فلک چاہیے جی بھر کے نظارہ ہم کو   جاکے آنا نہیں دنیا میں دوبارا ہم کو
روز تکرار کرے کون خریداروں سے   دل کی اس گرمیٔ بازار نے مارا ہم کو

عرصۂ حشر میں اللہ کرے گم مجھ کو   اور پھر ڈھونڈھتے گھبرائے ہوئے تم مجھ کو
اپنے رونے پہ کچھ آیا جو تبسم مجھ کو   یاد نے اس کی کہا بھول گئے تم مجھ کو
دیکھنا چھیڑ سر حشر مرے پاس آکر   کہتے ہیں کون ہوں میں جانتے ہو تم مجھ کو
دیکھنا پیر مغاں حضرت زاہد تو نہیں   کوئی بیٹھا نظر آتا ہے پس خم مجھ کو
مسکرائے میری میت پہ وہ منہ پھیر کے داغ   حشر تک یاد رہے گا یہ تبسم مجھ کو

اللہ رے تلون ابھی کیا تھے ابھی کیا ہو   شوخی ہو تو شوخی ہو حیا ہو تو حیا ہو
فریاد جگر نغمۂ نے نالۂ بلبل   دلکش ہو کسی طرح کی ہو کوئی صدا ہو
نیرنگیٔ خون شہدا دیکھ تو قاتل   پانی ہو بہائے سے لگائے سے حنا ہو
مے عید کے اقرار پر لی ہے رمضاں میں   یہ قرض ادا ہو تو بڑا فرض ادا ہو
کیوں داغ کا نام آتے ہی نفرت ہوئی تم کو   اک شخص ہے وہ تم اسے سمجھے ہوئے کیا ہو

لڑ گئی یار گلعذار سے آنکھ   اب نہیں چھپتی ہزار سے آنکھ
دیدکا بھی ہے کیا بڑا لپکا   نہیں رہتی ذرا قرار سے آنکھ
دو بدو یوں ہے میکشی کا مزہ   جام سے لب ملے تو یار سے آنکھ

اشک خونیں نے گل کھلائے ہیں　　آج آئی ہے کس بہار سے آنکھ
نشہ تیرا اترا کیا اے داغ　　کھل گئی غفلتِ خمار سے آنکھ

تدبیر سے قسمت کی برائی نہیں جاتی　　بگڑی ہوئی تقدیر بنائی نہیں جاتی
مے پی تو سہی توبہ بھی ہو جائے گی زاہد　　کمبخت قیامت ابھی آئی نہیں جاتی
آنسو نہ پیے جائیں گے اے ناصح ناداں　　ہیرے کی کنی جان کے کھائی نہیں جاتی
ہر چند ہے افشائے محبت میں خرابی　　یاروں سے مگر آنکھ چرائی نہیں جاتی
اے داغ کہا حالِ دل اس دشمن جاں سے　　ناداں تیرے دل کی صفائی نہیں جاتی

اشک خون رنگ لائے جاتا ہے　　داغ اپنے جمائے جاتا ہے
کتنا باوضع ہے خیال اس کا　　بے کسی میں بھی آئے جاتا ہے
ناامیدی مٹائے جاتی ہے　　شوق نقشہ جمائے جاتا ہے
ہمت اے خاک ہاں مدد اے ضعف　　کوئی دامن بچائے جاتا ہے
اس کا آنا تو درکنار اے داغ　　دل ہی قابو سے ہائے جاتا ہے

داغ ہر چند جہاں گرد ہے سودائی ہے　　آپ کے سر کی قسم آپ کا شیدائی ہے

بے وجہ اجتناب نے رسوا کیا مجھے　　ظالم ترے حجاب نے رسوا کیا مجھے
میں نے جو آہ کی تو کہا اس نے غیر سے　　اس خانماں خراب نے رسوا کیا مجھے

طبیعت کوئی دن میں بھر جائے گی　　چڑھی ہے یہ آندھی اتر جائے گی
رہیں گی دم مرگ تک خواہشیں　　یہ نیت کوئی آج بھر جائے گی
رہے گا ترا جلوہ مدنظر　　جہاں تک ہماری نظر جائے گی

نہ چھوڑے گی کبھی دامن کبھی مشتِ خاک   صبا ہم سے اُڑ کر کدھر جائے گی
دیا دل تو اے داغ اندیشہ کیا   گذرنی جو ہوگی گذر جائے گی

جفا کرتا ہے تو بدلے وفا کے   خدا کو مان اے بندے خدا کے

بے مثل کیا اس بت کافر کو خدا نے   سمجھے کہ نہ سمجھے کوئی مانے کہ نہ مانے

ہوں تو دیوانہ مگر خالی نہیں تدبیر سے   میں نے باندھا ہے جنوں کو حلقۂ زنجیر سے
ظلم ہے آزاد پر پابندی مقصود بھی   کتنا بچ بچ کر گیا نالہ میرا زنجیر سے
داغ جلنے کے لیے کافی ہے اس کی بزم میں   کاٹ ڈالے کوئی سر پروانے کا گل گیر سے

لگ چلی باد صبا کیا کسی مستانے سے   جھومتی آج چلی آتی ہے میخانے سے
روح کس مست کی پیاسی گئی میخانے سے   مے اُڑی جاتی ہے ساقی ترے پیمانے سے
ایک چلو میں بہت داغ بہک اٹھے تھے   آج سنتے ہیں نکالے گئے میخانے سے

گالیوں میں ادا نکالی ہے   بات میں بات کیا نکالی ہے
دردمندوں کو قتل کرتے ہو   واہ اچھی دوا نکالی ہے
دل جو واپس طلب کیا تو کہا   یہ نئی التجا نکالی ہے

تجھ سے جو عرض حال کرتا ہے   سچ تو یہ ہے کمال کرتا ہے
دل کو اس عاجزی سے دیتا ہوں   کوئی جانے سوال کرتا ہے

نگہ ناز جو غصے سے کبھی بھرتی ہے　　دل پہ تلوار کلیجے پر چھری پھرتی ہے
موت آتی ہے قیامت کو یہاں تک آتے　　پیچھے پیچھے کسی دامن کے لگی پھرتی ہے
ہے مرے قتل سے قاتل کی خوشی کو بھی خوشی　　موجیں کرتی ہوئی ہونٹوں میں ہنسی پھرتی ہے
جی دھڑ کتا ہے کہ میں تجھ سے کہوں یا نہ کہوں　　بات ایک دل میں مرے رشک پری پھرتی ہے
داغ آوارہ کا تابوت میں لاشہ نہ رہا　　ڈھونڈھتی خلق بیابان میں پڑی پھرتی ہے

قول تیرا شوق میرا چاہیے　　جھوٹ سچ کے واسطے کیا چاہیے
تیرے جلوے کا تو کیا کہنا مگر　　دیکھنے والے کو دیکھا چاہیے

یار کا پاس نزاکت دل ناشاد رہے　　نالہ رکتا ہوا تھمتی ہوئی فریاد رہے

منا لیتے ہیں ہر مظلوم کو وہ عذر خواہی سے　　گنہگاروں کو نفرت ہوگئی ہے بے گناہی سے

بھلا ہو پیر مغاں کا ادھر نگاہ ملے　　فقیر ہیں کوئی چلو خدا کی راہ ملے
کہاں تھے رات کو ہم سے ذرا نگاہ ملے　　تلاش میں ہو کہ جھوٹا کوئی گواہ ملے
تمھارے کوچے میں ہر روز وہ قیامت ہے　　کہ سایہ ڈھونڈھ رہا ہے کہیں پناہ ملے
مثل سنی ہے کہ ملنے سے کوئی ملتا ہے　　ملو تو آنکھ ملے دل ملے نگاہ ملے
نوید بخششِ عصیاں اسے سنا دینا　　جو شرمسار کہیں داغ روسیاہ ملے

شوق میں ایک فتنہ قیامت کے　　ہم گلے مل گئے قیامت کے
بتکدہ ٹوٹ کر بنے کعبہ　　کارخانے ہیں اس کی قدرت کے
باور ہو جائے گی جفا تیری　　دن گذر جائیں گے مصیبت کے

رشک ہے دیکھیے ستم تیرے بعد میرے ہوں کس کی قسمت کے
داغ سا دوسرا نہ دیکھو گے گل ہزاروں ہیں ایک صورت کے

کیا تھا جرم وفا لذت سزا کے لیے ستم کے لطف اٹھائے مزے جفا کے لیے
بڑا مزا ہو جو محشر میں ہم کریں شکوہ وہ منتوں سے کہیں چپ رہو خدا کے لیے
ملے تو حشر میں لے لوں زبان ناصح کی عجیب چیز ہے یہ طول مدعا کے لیے

گر ایک بھی ہزار میں وہ مان جائیں گے ہم اے پیامبر ترے قربان جائیں گے
روز جزا کا خوف دلایا تو یہ کہا ان دھمکیوں کو آپ کی ہم مان جائیں گے
اے داغ ابتدائے محبت میں کیا گلا وہ جانتے نہیں ہیں تمھیں جان جائیں گے

مرحبا اے دل و دیں لے کے مکرنے والے ہاتھ کانوں پہ مرے نام سے دھرنے والے
منزل عیش نہیں ہے یہ سرائے فانی رات کی رات ٹھہر جائیں ٹھہرنے والے
یہی اقرار یہی قول یہی وعدہ تھا او دغاباز فسوں ساز مکرنے والے
گالیاں غیر کو دیتا ہوں سنو تم خاموش میں بھی دیکھوں تو بڑی بات نہ کرنے والے
قتل ہوں گے تیرے ہاتھوں سے خوشی اس کی ہے آج اترائے ہوئے پھرتے ہیں مرنے والے
خوشنوائی نے رکھا ہم کو اسیر اے صیاد ہم سے اچھے رہے صدقے میں اترنے والے
حضرت داغ جہاں بیٹھ گئے بیٹھ گئے اور ہوں گے تری محفل سے ابھرنے والے

دل دے تو اس مزاج کا پروردگار دے جو رنج کی گھڑی بھی خوشی سے گذار دے
کس طرح چین مجھ کو دل بے قرار دے تم اختیار دو نہ خدا اختیار دے
سنتے ہو داستان مری جانتے ہو جھوٹ ہو بات کا مزہ تو خدا اعتبار دے
دل چاہتا ہے مفت ملے نقد داغ عشق اس بدچلن کو کوئی نہ کوڑی اُدھار دے

شرکت غم بھی نہیں چاہتی غیرت میری — غیر کی ہو کے رہے یا شب فرقت میری
دھوم ہے زیر زمیں کشتۂ ناز آیا ہے — ہوگئی عید شہیدوں کو زیارت میری
سر سے پہلے وہ زباں کاٹ لیا کرتے ہیں — تا خدا سے نہ کرے کوئی شکایت میری
شوق کہتا ہے کہ الٰہی عرض تمنا کیجیے — دل یہ کہتا ہے کہ پڑتی نہیں ہمت میری
جب کوئی فتنہ زمانے میں نیا اٹھتا ہے — وہ اشارے سے بتا دیتے ہیں تربت میری
یوں تو برسوں نہ پلاؤ نہ پیوں اے زاہد — توبہ کرتے ہی بدل جاتی ہے نیت میری
دور بیٹھا ہوں چھپائے ہوئے بوتل خاموش — مجلس وعظ میں دیکھے کوئی خلوت میری
وہ دبے پاؤں چلیں حشر کے ڈر سے توبہ — فکر ہے چال اوڑائے نہ قیامت میری

میرے مرنے کی خبر سن کر کیا مشکل سے ضبط — ان کے ہونٹوں پر ہنسی بے اختیار آنے کو تھی
آسمان پھرتا رہا ہے مضطرب وعدہ کی رات — کون سی مجھ تک خوشی پروردگار آنے کو تھی
لوگ سمجھانے لگے یہ دن نہیں تکرار کا — گفتگو ان سے مری روز شمار آنے کو تھی
ہے گراں جنس وفا ہی داغ کیا ہر ایک شے — اب روپے کو بھی نہیں ملتی جو چار آنے کو تھی

وہ آئے خندہ پیشانی کہیں سے — تبسم ہے عیاں چین جبیں سے
اسے افسانۂ غم ڈرتے ڈرتے — سنایا کچھ کہیں سے کچھ کہیں سے
تمھیں بیداد گر اللہ کی شان — جفا کی داد میں چاہوں تمھیں سے
مری بربادیوں کی مشورت کو — فلک چھپ چھپ کے ملتا ہے زمیں سے
کبھی دیکھا ہے اتنا داغ کو خوش — چلے آتے ہیں یہ حضرت وہیں سے

قبر میں گر مرے ارمان سمانے پائے — تو یہ جانوں گا غریبوں نے ٹھکانے پائے
ہم نے اپنا دل گم گشتہ نہ پایا کھوکر — ورنہ یاں ڈھونڈھنے والوں نے خزانے پائے

یہ مرے واسطے تاکید ہے دربانوں پر
کہ اُسے میں بھی بلاؤں تو نہ آنے پائے
حور کے واسطے زاہد نے عبادت کی ہے
سیر تو جب ہے کہ جنت میں نہ جانے پائے
داغ کی لاش سرراہ گذر ہے پامال
مرتبے خوب تمھارے شہدا نے پائے

رشک کس کو ہے نہ دومفت کا الزام مجھے
تم سے جب کام نہیں غیر سے کیا کام مجھے
لوگ جانیں گے قصوران کا نہیں اس کا ہے
حشر میں آپ دیے جایئے دشنام مجھے
داغ یہ بات وہ سن لے تو غضب ٹوٹ پڑے
کہتے پھرتے ہو بلایا ہے سرشام مجھے

اے داغ گلہ غیر سے کیا بزم میں تم کو
جب دوست کہے آپ کے دشمن کدھر آئے

اول تو رہے دور وہ نالوں سے ہمارے
پاس آئے تو گھبرائے سوالوں سے ہمارے
اتنا تو رہے پاس کہ محشر میں کہو تم
بولے نہ کوئی چاہنے والوں سے ہمارے
اے داغ فلک دشمن ارباب ہنر ہے
ظالم کو خبر جو نہ کمالوں سے ہمارے

سبق ایسا پڑھا دیا تو نے
دل سے سب کچھ بھلا دیا تونے
لاکھ دینے کا ایک دینا ہے
دل بے مدعا دیا تونے
داغ کو کون دینے والا تھا
جو دیا اے خدا دیا تونے

کعبہ کی ہے ہوس کبھی کوئے بتاں کی ہے
مجھ کو خبر نہیں مری مٹی کہاں کی ہے
کچھ تازگی ہو لذت آزار کے لیے
ہر دم مجھے تلاش نئے آسماں کی ہے
وقتِ خرام ناز دکھا دو جدا جدا
یہ چال حشر کی یہ روش آسماں کی ہے
سن کر مرا فسانۂ غم اس نے یہ کہا
ہوجائے جھوٹ سچ بھی خوبی بیاں کی ہے

اردو ہے جس کا نام ہمیں جانتے ہیں داغ
ہندوستاں میں دھوم ہماری زباں کی ہے

انتخاب
مہتاب داغ

اچھی صورت پہ غضب ٹوٹ کے آنا دل کا
یاد آتا ہے ہمیں ہائے زمانا دل کا

غنچۂ دل کو وہ مٹھی میں لیے آتے تھے
میں نے پوچھا تو کیا مجھ سے بہانا دل کا

ان حسینوں کا لڑکپن ہی رہے یا اللہ
ہوش آتا ہے تو آتا ہے ستانا دل کا

نگہہ شرم کو بیتاب کیا کام کیا
رنگ لایا تری آنکھوں میں سمانا دل کا

بعد مدت کے یہ اے داغ سمجھ میں آیا
وہی دانا ہے کہا جس نے نہ مانا دل کا

سبب کھلا یہ ہمیں ان کے منہ چھپانے کا
اُڑا نہ لے کوئی انداز مسکرانے کا

وہ عذر جرم کو بدتر گناہ سے سمجھے
کوئی محل نہ رہا اب قسم کے کھانے کا

یہ تنگ آ کے جو کی میں نے ترک رسم وفا
ہر اک سے کہتے ہیں یہ حال ہے زمانے کا

تمھیں رقیب نے بھیجا کھلا ہوا پرچہ
نہ تھا نصیب لفافہ بھی آدھ آنے کا

خطا معاف تم اے داغ اور خواہش وصل
قصور ہے یہ فقط ان کے منہ لگانے کا

دو دن بھی کسی سے وہ برابر نہیں ملتا
یہ اور قیامت ہے کہ مل کر نہیں ملتا

کیا پوچھتے ہوئے بزم میں کیا ڈھونڈ رہے ہو
لو صاف بتادوں دل مضطر نہیں ملتا

تصویر تو پیدا ہے مصور نہیں پیدا
آئینہ تو ملتا ہے سکندر نہیں ملتا

کیونکر نہ مریں موت پہ بیمار محبت
ایسا یہ مزا ہے کہ مکرر نہیں ملتا

ہر وقت پڑھے جاتے ہیں کیوں داغ کے اشعار
کیا تم کو کوئی اور سخنور نہیں ملتا

نہیں آتا ہمیں برباد کرنا
یہ پھر کہنا یہ پھر ارشاد کرنا

میں راز دل بیان کروں انجمن میں کیا
تکیہ کلام آپ کا ہے ہر سخن میں کیا

ہے ساتھ ساتھ شام غریبی کے کچھ دھواں
یاروں نے گھر کو آگ لگادی وطن میں کیا

فتنہ فساد رشک تغافل غرور ناز
اس کے سوا ہے اور تری انجمن میں کیا

قاصد کے فیصلے سے مرے ہوش اڑ گئے
کیا جانے کہہ دیا اسے دیوانہ پن میں کیا

مٹھی میں دل نہ تھا جو اٹھے ہاتھ جھاڑ کے
الجھا ہوا ہے زلف شکن در شکن میں کیا

تجھ کو بھی ہے خبر ترے ملنے کے ڈھنگ ہیں
خلوت میں کیا خیال میں کیا انجمن میں کیا

اے داغ قدردان سخن اب وہیں تو ہیں
تعریف اس غزل کی نہ ہوگی دکن میں کیا

پارسا کوئی اگر تاکنے والا ہوتا
دختر رز نے بڑا نام اچھالا ہوتا

ہم سے یوسف کا بیاں ہی نہ کیا واعظ نے
ورنہ ہر بات میں تیرا ہی حوالہ ہوتا

ہم سناتے جو کوئی درد ہمارا سنتا
دل دکھاتے جو کوئی دیکھنے والا ہوتا

خیر گذری کہ رہی حلق میں گھٹ کر فریاد
دل بے تاب نے محشر سے نکالا ہوتا

درد فرقت کی کھٹک وصل میں کیا مٹ جاتی
آہ تھمتی اگر اے داغ تو نالا ہوتا

تو ہی اپنے ہاتھ سے جب دل ربا جاتا رہا　　دل کی بھی پروا نہیں جاتا رہا جاتا رہا
جس توقع پر تھی اپنی زندگی وہ مٹ گئی　　جو بھروسا تھا ہمیں وہ آسرا جاتا رہا
میں نے دیکھا ان کی زلفوں کو تو فرمانے لگے　　آپ کا دل کھل پڑا گم ہوگیا جاتا رہا
دل چرا کر آپ تو بیٹھے ہوئے ہیں چین سے　　ڈھونڈنے والے سے پوچھے کوئی کیا جاتا رہا
مرگ دشمن کا زیادہ تم سے ہے مجھ کو ملال　　دشمنی کا لطف شکوے کا مزا جاتا رہا
کس قدر ان کو فراق یار کا افسوس ہے　　ہاتھ ملتے ملتے سب رنگ حنا جاتا رہا
داغ کچھ درہم نہ تھا جس کا انھیں ہوتا ملال　　ہوگیا گم ہوگیا جاتا رہا جاتا رہا

بلا سے جو دشمن ہوا ہے کسی کا　　وہ کافر صنم کیا خدا ہے کسی کا
دعا مانگ لو تم بھی اپنی زباں سے　　کہ پورا ہو جو مدّعا ہے کسی کا
ذرا ڈال دو اپنی زلفوں کا سایہ　　مقدر بہت نارسا ہے کسی کا
مری بزم میں آکے وہ پوچھتے ہیں　　برا حال ہم نے سنا ہے کسی کا
تمھیں فکر کیوں رنج کیوں لاگ کیوں ہے　　کسی سے اگر واسطہ ہے کسی کا
بچے جان کس طرح تیری ادا سے　　قضا پر کہیں بس چلا ہے کسی کا
مری التجا پر بگڑ کر وہ کہنا　　نہیں مانتے اس میں کیا ہے کسی کا
وہ کرنے لگے ہیں قیامت کی باتیں　　یہ سچ ہے تو بس فیصلہ ہے کسی کا
بظاہر نہ جانے نہ جانے نہ جانے　　تجھے داغ دل جانتا ہے کسی کا

نہ کیا وعدہ رات کا پورا　　تو نہیں اپنی بات کا پورا
نیم جاں رہ نہ جاؤں اے قاتل　　وار کر اپنے ہاتھ کا پورا
داغ تو اس شفیع امت سے　　کر بھروسہ نجات کا پورا

غیر کو منہ لگاکے دیکھ لیا — جھوٹ سچ آزماکے دیکھ لیا
کیجیے بزم سے ہمیں رخصت — جو سنا تھا وہ آکے دیکھ لیا
حسن کمیاب نغمہ ہے نایاب — شہر در شہر جاکے دیکھ لیا
ادھر آئینہ ہے ادھر دل ہے — جس کو چاہا اٹھاکے دیکھ لیا
نہ لیا اس نے خط شرارت سے — نامہ بر کو بلاکے دیکھ لیا
اس نے صبح شب وصال مجھے — جاتے جاتے بھی آکے دیکھ لیا
داغ نے خوب عاشقی کا مزا — جل کے دیکھا جلاکے دیکھ لیا

جاتا رہا ملاپ تو دونوں کو غم ہوا — اتنا ہوا کہ مجھ کو سوا اس کو کم ہوا
جب یہ سنا کہ داغ کا آزار کم ہوا — زانو پہ ہاتھ مارکے بولے ستم ہوا
افسوس ہے رقیب نے کی آپ سے دغا — مجھ کو بھی رنج آپ کے سر کی قسم ہوا
مسجد میں اذن عام تو ہے میکدہ میں روک — دنیا کا کام دین سے بڑھ کر اہم ہوا
اے داغ شکر کر نہ رہی ان سے رسم وراہ — تجھ پر خدا کا فضل خدا کا کرم ہوا

روئے انور نہیں دیکھا جاتا — دیکھیں کیونکر نہیں دیکھا جاتا
رشک دشمن بھی گوارا لیکن — تجھ کو مضطر نہیں دیکھا جاتا
توبہ کے بعد بھی خالی خالی — کوئی ساغر نہیں دیکھا جاتا
خط میرا پھینک دیا یہ کہہ کر — ہم سے دفتر نہیں دیکھا جاتا

کچھ ہمیں بھی خیال ہو ہی گیا — آخر ان سے ملال ہو ہی گیا
یاد انجام کار ہو ہی گیا — شوق خواب و خیال ہو ہی گیا
ایسے وعدے کیے کوئی جانے — آج پورا سوال ہو ہی گیا

لے کے دل یہ سمجھ لیا تم نے   اب ہمارا یہ مال ہو ہی گیا
کمرِ یار کے مضامین سے   داغ نازک خیال ہو ہی گیا

پھر دیکھتے عیش آدمی کا   بنتا جو فلک مری خوشی کا
گلشن میں تیرے لبوں نے گویا   رس چوس لیا کلی کلی کا
لیتے نہیں بزم میں مرا نام   کہتے ہیں خیال ہے کسی کا
اتنی ہی تو بس کسر ہے تم میں   کہنا نہیں مانتے کسی کا
بالیں پہ مرے رہا شب غم   اک معرکہ مرگ و زندگی کا
کہتے ہیں اسے زبانِ اردو   جس میں نہ ہو رنگ فارسی کا
ایسے سے جو داغ نے نباہی   سچ ہے کہ یہ کام تھا اسی کا

جواب اس طرف سے بھی فی الفور ہوگا   دبے آپ سے وہ کوئی اور ہوگا
تغافل سے بڑھ کر بھی کیا جور ہوگا   ستم ہو چکا یا ابھی اور ہوگا
لیے جاؤں جنت میں دنیا کی چیزیں   پرانا وہ سامان بے غور ہوگا

غم اس پر آشکار کیا ہم نے کیا کیا   غافل کو ہوشیار کیا ہم نے کیا کیا
وعدے پہ انتظار کیا ہم نے کیا کیا   جھوٹے کا اعتبار کیا ہم نے کیا کیا
ہاں ہاں تڑپ تڑپ کے گذاری تمھیں نے رات   تم نے ہی انتظار کیا ہم نے کیا کیا
ناصح بھی ہے رقیب یہ معلوم ہی نہ تھا   کس کو صلاح کار کیا ہم نے کیا کیا
کہہ دیں گے ہم تو داورِ محشر سے صاف صاف   اچھوں کو دل نے پیار کیا ہم نے کیا کیا
تڑپا دل اور کھائے جگر نے بھی داغ ہجر   آنکھوں نے انتظار کیا ہم نے کیا کیا
رسوا کیا جو دل نے تو اب کہہ رہے ہیں داغ   دشمن کو رازدار کیا ہم نے کیا کیا

یہ میں ہزار جگہ حشر میں پکار آیا — کہ اور بھی کوئی مجھ سا گنہگار آیا
خدا کے واسطے جھوٹی نہ کھایئے قسمیں — مجھے یقین ہوا مجھ کو اعتبار آیا
ہزار فتنے جلو میں ہیں لاکھ ہنگامے — تمھارے ساتھ تو سامانِ روزگار آیا
تمہاری شوخ مزاجی سے چھا گئی حیرت — تمھیں قرار نہ آیا مجھے قرار آیا
وہ کیوں ہوئے مرے مشتاق خیر ہو یارب — طلب میں کل ہی خط آیا تھا آج تار آیا
ڈرے جو حشر میں وہ مجھ کو دیکھتے ہی کہا — مرا رفیق مرا داغ جاں نثار آیا

بھولا مجھے تو بھول گیا اپنا گھر بھی کیا — جنگل میں جاکے کھیت رہا نامہ بر بھی کیا
للہ مجھ سے آنکھ چرایا نہ کیجیے — ملتی نہیں ہے دل کی طرح سے نظر بھی کیا
ملتے نہیں وہاں تو یہاں ڈھونڈھ لیں گے ہم — وہ چھوڑ دیں گے گھر کی طرح رہ گذر بھی کیا
فرہاد جوئے شیر سے مشہور ہوگیا — آتا ہے کام وقت پہ ادنیٰ ہنر بھی کیا
کیوں داغ کے سوال سے چپ لگ گئی تمھیں — آتا نہیں جواب سمجھ سوچ کر بھی کیا

تمھارے خط میں نیا اک سلام کس کا تھا — نہ تھا رقیب تو آخر وہ نام کس کا تھا
وفا کریں گے نباہیں گے بات مانیں گے — تمھیں بھی یاد ہے کچھ یہ کلام کس کا تھا
تمام بزم جسے سن کے رہ گئی مشتاق — کہو وہ تذکرۂ ناتمام کس کا تھا
گذر گیا وہ زمانہ کہوں تو کس سے کہوں — خیال دل کو مرے صبح و شام کس کا تھا
ہر اک سے کہتے ہیں کیا داغ بے وفا نکلا — یہ پوچھے ان سے کوئی وہ غلام کس کا تھا

دل عاشق اسیر اُن گیسوؤں کے جال میں دیکھا — طلسمِ عشق تو دیکھو کہ شیشہ بال میں دیکھا
لگائیں ٹھوکریں اس فتنہ گر نے اور جھنجھلا کر — اگر تھوڑا سا دم باقی کسی پامال میں دیکھا
نہ اندر کا اکھاڑا ہے نہ ایسی قاف کی پریاں — حسینوں کا تماشا خوب نینی تال میں دیکھا

متاع حسن کی کب تک رہے گی گرم بازاری
کمی پر بیچ ڈالا جس نے گھاٹا مال میں دیکھا
ہوئے ہیں داغ کے مذہب سے حیراں کافر و مومن
کبھی اس حال میں دیکھا کبھی اس حال میں دیکھا

توبہ ہے حسینوں کو گو پاس وفا ہوتا
کیا جانیے کیا کرتے کیا جانیے کیا ہوتا
ساقی تری محفل میں چرچا ہی نہیں مے کا
اس سے تو یہ بہتر تھا کچھ ذکر خدا ہوتا
غیروں کی شکایت پر فرقت کی حکایت پر
گرتم نہ خفا ہوتے تو کون خفا ہوتا
فریاد و فغاں تم سے اے داغ بری ٹھہری
کچھ بھی نہ کیا ہوتا کچھ بھی نہ ہوا ہوتا

نامۂ عاشق ناشاد نہ دیکھا نہ سنا
آپ نے شکوۂ بیداد نہ دیکھا نہ سنا
آسماں دور سے کرتا ہے تجھے جھک کے سلام
کوئی تجھ سا ستم ایجاد نہ دیکھا نہ سنا
پوچھتا ہے جو کوئی خط کا ہمارے مضمون
تو وہ کہتے ہیں کسے یاد نہ دیکھا نہ سنا
در پہ خود بیٹھے ہیں وہ فتنہ اٹھانے کے لیے
پاسبانی کا یہ ایجاد نہ دیکھا نہ سنا
آپ اپنے کو جو شاگرد کا شاگرد گنے
داغ سا ہم نے تو اُستاد نہ دیکھا نہ سنا

جو مے فروش سے سودا بنے تو کرلینا
کمی ہو حضرت زاہد تو ہم سے بھر لینا
ہمارے سر ہی پڑا اب تو عشق کا سودا
برا ہو یہ کہ بھلا ہو ہمیں مگر لینا
کبھی کبھی نکل آتی ہے جنس دل بھی خراب
بری نہ نکلے یہ پکی ضرور کرلینا
ہمیں تو شوق ہے بے پردہ تم کو دیکھیں گے
تمھیں ہے شرم تو آنکھوں پہ ہاتھ دھر لینا
غرض تمھیں جو سنو ان سے غیر کا شکوہ
یہ قصہ مول نہ اے داغ اپنے سر لینا

سب نے تو دیدار خدا کا کیا
مجھ کو بھی دیکھا تجھے دیکھا کیا
شکوے سے اس کے ہوئے بدنام اب
سو میں اگر ایک نے ایسا کیا
دیکھتے ہی مجھ کو کہا روز حشر
تو نے یہاں بھی ہمیں رسوا کیا

چھوڑیے ان باتوں میں رکھا ہے کیا — آپ نے پھر ذکر عدو کا کیا
داغ نے دیکھے ہیں ہزاروں حسین — آپ نے کس شخص سے دعویٰ کیا

اس دل لگی میں حال جو دل کا ہوا ہوا — کیا پوچھتے ہیں آپ تجاہل سے کیا ہوا
ماتم ہمارے مرنے کا ان کی بلا کرے — اتنا ہی کہہ کے چھوٹ گئے وہ برا ہوا
وہ چھٹتی دیکھتے ہیں ہوائی جو چرخ پر — کہتے ہیں مجھ سے آپ کا نالۂ رسا ہوا
آباد کس قدر ہے الٰہی عدم کی راہ — ہر دم مسافروں کا ہے تانتا لگا ہوا
کس کس طرح سے اس کو جلاتے ہیں رات دن — وہ جانتے ہیں داغ ہے ہم پر مٹا ہوا

عشق میں دل نے بہت کام نکالا اپنا — سچ ہے ملتا ہے کہاں چاہنے والا اپنا
میں اٹھاتا ہوں سہارے کے لیے دست دعا — رہ گیا ہو نہ کہیں راہ میں نالہ اپنا
دل شکن اس نے تو دو حرف ہی لکھے تھے ہمیں — دفتر شوق ہوا سب تہہ و بالا اپنا
غیر سے ملنے کی لکھی ہے نہایت تاکید — اور لکھا ہے مجھے خط میں حوالہ اپنا
ہیں برے حال کے سب دیکھنے والے اے داغ — کوئی دنیا میں نہیں پوچھنے والا اپنا

شوق ہے اس کو خودنمائی کا — اب خدا حافظ اس خدائی کا
کہتے ہیں وہ قیامت آنے دو — ابھی موقع نہیں صفائی کا
آج وہ امتحان کرتے ہیں — وقت ہے قسمت آزمائی کا
گرچہ پہنچا ہوں میں کہیں سے کہیں — مرحلہ دور ہے رسائی کا
نہ رہا لطف اس زمانے میں — میرزا داغ میرزائی کا

آستاں تو ہے اپنے مطلب کا — فیصلہ ہو چکا ہے یہ کب کا
غنچہ و گل کو سونگھیے بچ کر — بوسہ لے لے نہ آپ کے لب کا
شکر ہے داغ کامیاب ہوا — حق تعالیٰ بھلا کرے سب کا

دل ناکام کے ہیں کام خراب   کرلیا عاشقی میں نام خراب
زلف ہے جور چشم یار شریر   حسن کا سب ہے انتظام خراب
دیکھ کر جنس دل وہ کہتے ہیں   کیوں کرے کوئی اپنے دام خراب
کیا ملا ہم کو زندگی کے سوا   وہ بھی دشوار ناتمام خراب
داغ ہے بدچلن تو ہونے دو   سو میں ہوتا ہے اک غلام خراب

کیجیے قتل کا ابرو سے اشارہ جھٹ پٹ   یہی تلوار کرے کام ہمارا جھٹ پٹ
سچ یہ ہے کہ مرے قاصد نے بڑی چالاکی سے   کرکے تسلیم خط شوق گذارا جھٹ پٹ
پھر نہ کہیے گا کہ ہم سے نہ کہا داغ کا حال   لیجیے اس کی خبر آپ خدارا جھٹ پٹ

اے وعدہ فراموش رہی تجھ کو جفا یاد   یہ بھول بھی کیا بھول ہے یہ یاد بھی کیا یاد
افسانۂ غم سن کے کہا طعن سے اس نے   کیا ہوش ہے کیا ذہن ہے کیا حافظہ کیا یاد
تم خواہ عداوت اسے سمجھو کہ محبت   رہتی ہے رقیبوں کی مجھے تم سے سوا یاد
وہ سنتے ہیں کب دل سے مری رام کہانی   فرماتے ہیں کچھ اور بھی ہے اس کے سوا یاد
معشوق سے اے داغ تغافل کا گلہ کیا   کیوں یاد کرے تجھ کو کرے اس کی بلا یاد

خلوت میں جب کسی کو نہ پایا ادھر ادھر   گھبرا کے دیکھتے تھے وہ کیا کیا ادھر ادھر
دیکھ اے صبا اڑے نہ اسیروں کا آشیاں   ہونے نہ پائے ایک بھی تنکا ادھر ادھر
تم رات کو کہاں تھے تمھاری تلاش میں   پھرتا تھا کوئی ڈھونڈنے والا ادھر ادھر
کیا کیا شب وصال سوال و جواب میں   رہتا ہے ہار جیت کا نقشہ ادھر ادھر
اس فتنہ گر سے پھر بھی تو پالا پڑے گا داغ   ہے تاک جھانک آپ کی بیجا ادھر ادھر

سو گھر وہ پھرا کرتے ہیں اس گھر سے نکل کر
کیا پانوں نکالے دلِ مضطر سے نکل کر

میں داورِ محشر سے بہت داد طلب تھا
وہ ڈانٹ گئے مجھ کو برابر سے نکل کر

پہچان لیا سب نے یہ آتے ہیں وہیں سے
ہم چھپ نہ سکے محفلِ دلبر سے نکل کر

محفل میں بٹھایا انھیں پھر کھینچ کے دامن
وہ چھپ کے چلے تھے مرے سر پر سے نکل کر

دلّی سے چلو داغ کرو سیرِ دکن کی
گوہر کی ہوئی قدر سمندر سے نکل کر

کہتے ہیں وہ یہ وصف گُلِ نو بہار پر
طرہ ہے اپنی ایک جوانی ہزار پر

اس کو مٹائے دیتی ہے بیداد آپ کی
اب کیجیے کرم ستمِ روزگار پر

تڑپائیں تابہ حشر اگر ان کا بس چلے
لوٹے ہوئے ہیں میرے دلِ بے قرار پر

پیغامبر رقیب بنے یہ خبر نہ تھی
دنیا کے کام ہوتے ہیں سب اعتبار پر

ملتے ہیں کچھ کچھ اُس بتِ کافر کے رنگ ڈھنگ
آتا ہے پیار اس دلِ ناکردہ کار پر

حسرت بھی اس میں بند تمنا بھی اس میں بند
مہریں لگی ہوئی ہیں دلِ داغدار پر

امید اس کی ذات سے اے داغ چاہیے
سب منحصر ہے رحمتِ پروردگار پر

جانچ لو ہاتھ میں پہلے دلِ شیدا لے کر
نہیں پھرنے کا مری جان یہ سودا لے کر

رکھ دیا ہاتھ مرے منہ پہ بتِ کافر نے
صبح اٹھنے نہ دیا نام خدا کا لے کر

سن کے وہ حال مرا غیر سے فرماتے ہیں
آئے ہیں آپ محبت کا سندیسا لے کر

اپنی آنکھوں سے تو دیکھی نہیں دل کی چوری
کیوں گنہگار ہوں میں نام کسی کا لے کر

نہیں انصاف ہے یہ داغ کا دعویٰ ہے بجا
آدمی عشق کرے نام ہمارا لے کر

میرے دل کو دیکھ کر میری وفا کو دیکھ کر
بندہ پرور منصفی کرنا خدا کو دیکھ کر

اب تو دیکھا تم نے اپنے دادخواہوں کا ہجوم
اب تو آنکھیں کھل گئیں روزِ جزا کو دیکھ کر

گردشِ گردوں کا باعث اور کچھ کھلتا نہیں
بھاگتا پھرتا ہے یہ تیری جفا کو دیکھ کر

اس نے حیرت سے کہا دیکھی جو لیلیٰ کی شبیہ　　قیس دیوانہ ہوا تھا اس بلا کو دیکھ کر
غیر نے مہندی لگائی اس کے ہاتھوں میں جو داغ　　خون آنکھوں میں اتر آیا حنا کو دیکھ کر

چھپتا ہے میرے دل میں ترے ناز کا انداز　　آزار کا آزار ہے انداز کا انداز
کیا جان کسی کی ہے نظر بھر کے جو دیکھے　　انداز پھر اس دلبر طناز کا انداز
نقش قدم یار بھی کرتا ہے سحر　　رفتار میں ہے چشم فسوں ساز کا انداز
خط پھینک کے سہا ہوا آتا ہے کبوتر　　اگلا سا نہیں ہے پر پرواز کا انداز
اے داغ مقلد ہیں اسی طرز کے ہم بھی　　ہر شعر میں ہو بلبل شیراز کا انداز

یہ سب جھگڑے ہیں جان ناتواں تک　　رہے گا دم کہاں تک غم کہاں تک
ہمیں باد خزاں سے بھی ہے اک فیض　　کہ تنکے اڑ کے آئے آشیاں تک
کنارا کر گیا دامن بھی تیرا　　نہ آیا میری چشم خون فشاں تک
رہے کیا مصطفےٰ آباد میں داغ　　وہ سارے لطف تھے خلد آشیاں تک

عذر آنے میں بھی ہے اور بلاتے بھی نہیں　　باعثِ ترک ملاقات بتاتے بھی نہیں
منتظر ہیں دم رخصت کہ یہ مرجائے تو جائیں　　پھر یہ احسان کہ ہم چھوڑ کے جاتے بھی نہیں
کیا کہا پھر تو کہو ہم نہیں سنتے تیری　　نہیں سنتے تو ہم ایسوں کو سناتے بھی نہیں
خوب پردہ ہے کہ چلمن سے لگے بیٹھے ہیں　　صاف چھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں
دیکھتے ہی مجھے محفل میں یہ ارشاد ہوا　　کون بیٹھا ہے اسے لوگ اٹھاتے بھی نہیں
زیست سے تنگ ہو اے داغ تو کیوں جیتے ہو　　جان پیاری بھی نہیں جان سے جاتے بھی نہیں

ہم دل کی بات داور محشر سے کیا کہیں　　یہ راز کہہ کے اس بت کافر سے کیا کہیں
ہے میکدہ میں قلقلِ مینا کی یہ صدا　　ساقی کے توڑ جوڑ کو ساغر سے کیا کہیں

دلبر اشارہ فہم ہے دشمن نگاہ باز   ہم چپکے چپکے بھی دلِ مضطر سے کیا کہیں
تم اور کان رکھ کے سنو بات غیر کی   مجبور ہوگئے ہیں مقدر سے کیا کہیں
سنتا ہے وقت ذبح یہ کب اپنی بے کسی   قاتل سے کہہ بھی سکتے ہیں خنجر سے کیا کہیں
کہتے ہیں وہ کہو تو سہی دل کا حال کچھ   حیران ہم کھڑے ہیں گھڑی بھر سے کیا کہیں
بے وجہ ان بتوں کی خموشی نہیں ہے داغ   کیا جانے کل یہ داورِ محشر سے کیا کہیں

دور ہی دور سے اقرار ہوا کرتے ہیں   کچھ اشارے سرِ دیوار ہوا کرتے ہیں
آپ کی بزمِ محبت کی عدالت ٹھہری   روز دو چار کے اظہار ہوا کرتے ہیں
میں برا اور طبیعت مری اچھی کیا خوب   منتخب کیوں مرے اشعار ہوا کرتے ہیں
تیغ بھاری ہے وہ نازک ہیں مری عمر دراز   مشورے قتل کے ہر بار ہوا کرتے ہیں
داغ نے خطِ غلامی جو دیا فرمایا   ایسے ہی لوگ وفادار ہوا کرتے ہیں

چھین کر دل بت خود کام لیے جاتے ہیں   لوٹ کر راحت و آرام لیے جاتے ہیں
شکوۂ مہر و وفا کس نے کہا کس سے سنا   پھر وہی آپ مرا نام لیے جاتے ہیں

دل گیا تم نے لیا ہم کیا کریں   جانے والی چیز کا غم کیا کریں
معرکہ ہے آج حسن و عشق کا   دیکھیے وہ کیا کریں ہم کیا کریں
کہتے اہل سفارش مجھ سے داغ   تیری قسمت ہے بری ہم کیا کریں

تماشائے دیر و حرم دیکھتے ہیں   تجھے ہر بہانے سے ہم دیکھتے ہیں
پھرے بت کدے سے تو اے اہل کعبہ   پھر آکر تمہارے قدم دیکھتے ہیں
نہ ایمائے خواہش نہ اظہار مطلب   مرے منہ کو اہل کرم دیکھتے ہیں
ادھر شرم حائل ادھر خوف مانع   نہ وہ دیکھتے ہیں نہ ہم دیکھتے ہیں

جواب خط شوق لکھنا ہے مشکل	وہ گھڑیوں شگاف قلم دیکھتے ہیں
ہمیں داغ کیا کم ہے یہ سرفرازی	کہ شاہ دکن کے قدم دیکھتے ہیں

جل کے ٹھنڈے ہوئے ترے غم میں	ہم کو جنت ملی جہنم میں
کچھ ترا شوق کچھ تری حسرت	اور رکھا ہی کیا ہے اب ہم میں
چل گئی چال آپ کی ہم پر	سیدھے سادھے تھے آ گئے دم میں
رو سیاہی گئی نہ اے زاہد	ڈوب مرنا تھا چاہ زمزم میں
داغ کو وہ جلا کے کہتے ہیں	ہم نے روشن کیا ہے عالم میں

یا تو ایسی مہربانی مجھ پہ یا کچھ بھی نہیں	ابتدا ہی ابتدا تھی انتہا کچھ بھی نہیں
دیکھ کر تصویر یوسف کہہ دیا کچھ بھی نہیں	آپ ہی سب کچھ ہیں گویا دوسرا کچھ بھی نہیں
ان کو خط لکھا ہے سو پہلو بچا کر خوف سے	ہے عبارت ہی عبارت مدعا کچھ بھی نہیں
سن کے حال دل مرا رکھتے ہیں وہ کانوں پہ ہاتھ	ہائے اس انداز سے گویا سنا کچھ بھی نہیں
تو نے قسام ازل غیروں کو کیا کیا کچھ دیا	داغ ہے محروم اس کے نام کا کچھ بھی نہیں

تسلی میرے دل کو کیا دے رہے ہیں	کلیجے میں وہ چٹکیاں لے رہے ہیں
عدم کو چلے جائیں گے ہجر میں ہم	اکیلے رہیں گے اکیلے رہے ہیں

خط میں لکھے ہوئے رنجش کے کلام آتے ہیں	کس قیامت کے یہ نامے مرے نام آتے ہیں
رہبر و راہِ محبت کا خدا حافظ ہے	اس میں دو چار بہت سخت مقام آتے ہیں
رسم تحریر بھی مٹ جائے یہی مطلب ہے	ان کے خط میں مجھے غیروں کے سلام آتے ہیں

دم نہیں دل نہیں دماغ نہیں کوئی دیکھے تو اب وہ داغ نہیں

صبح تک دل کو ولاسے شب غم دیتے ہیں جس کو تم دے نہیں سکتے اسے ہم دیتے ہیں
مجھ سے وہ کہتے ہیں پروانے کو دیکھا تو نے دیکھ یوں جلتے ہیں اس طرح سے دم دیتے ہیں
طعنۂ الفت دشمن پہ کہا ظالم نے ایک سے لیتے ہیں دل ایک کو ہم دیتے ہیں

سب لوگ جدھر وہ ہیں اودھر دیکھ رہے ہیں ہم دیکھنے والوں کی نظر دیکھ رہے ہیں
ہر چند کہ ہر روز کی رنجش ہے قیامت ہم کوئی دن اس کو بھی مگر دیکھ رہے ہیں
کچھ دیکھ رہے ہیں دل بسمل کا تڑپنا کچھ غور سے قاتل کا ہنر دیکھ رہے ہیں
خط غیر کا پڑھتے تھے جو ٹوکا تو وہ بولے اخبار کا پرچہ ہے خبر دیکھ رہے ہیں
میں داغ ہوں مرتا ہوں ادھر دیکھیے مجھ کو منہ پھیر کے یہ آپ کدھر دیکھ رہے ہیں

اس نہیں کا کوئی علاج نہیں روز کہتے ہیں آپ آج نہیں
کل جو تھا آج وہ مزاج نہیں اس تلون کا کچھ علاج نہیں

تو مجھ پہ شیفتہ ہو مجھے اجتناب ہو یہ انقلاب ہو تو بڑا انقلاب ہو
نکلے جدھر سے وہ یہی چرچا ہوا کیا اس طرح کا جمال ہو ایسا شباب ہو
ایسا لگا ہوا ہے مئے ناب کا مزہ پانی بھی میں پیوں تو مرا منہ خراب ہو
میں بوالہوس نہیں جو سزا وار لطف ہوں میرے زہے نصیب جو مجھ پر عتاب ہو
در پردہ تم جلاؤ جلاؤں نہ میں چہ خوش میرا بھی نام داغ ہے گر تم حجاب ہو

انھیں یہ جستجو ہے مرنے والا کوئی پیدا ہو مگر بہتر سے بہتر ہو مگر اچھے سے اچھا ہو
کلیجہ سے لگا لیتا ہوں برگ لالہ و گل کو عجب کیا ہے اگر یہ بھی کسی کے دل کا ٹکڑا ہو

تری زلفیں بھی ہیں صیاد آنکھیں بھی شکاری ہیں   تماشا دیکھنے کا ہے جو مرے دل پہ جھگڑا ہو
نہ عاشق ہو کسی کا کوئی دنیا میں وہ کہتے ہیں   ہمارا چاہنے والا ہی پیدا ہو جو پیدا ہو
ابھی نفرت ہے تم کو داغ سے وہ دن بھی آتے ہیں   خدا چاہے تو اس کمبخت کو دل سے تمھیں چاہو

عشق تاثیر کرے اور وہ تسخیر بھی ہو   یہ تو سب کچھ ہو مگر خواہش تقدیر بھی ہو
جعلسازوں نے بنایا ہے شکایت نامہ   کیوں خفا آپ ہوئے یہ میری تحریر بھی ہو
تم نمک خوار ہوئے شاہ دکن کے اے داغ   اب خدا چاہے تو منصب بھی ہو جاگیر بھی ہو

تم آئینہ ہی نہ ہر بار دیکھتے جاؤ   مری طرف بھی تو سرکار دیکھتے جاؤ
قسم بھی کھائی تھی قرآن بھی اٹھایا تھا   پھر آج ہے وہی انکار دیکھتے جاؤ
تمھاری آنکھ مرے دل سے بے سبب بے وجہ   ہوئی ہے لڑنے کو تیار دیکھتے جاؤ

ہر چند شوخیوں کی حیا پردہ دار ہے   آنکھوں میں تیری فتنہ بہت بے قرار ہے
سب کچھ تو ہو چکا یہ فقط انتظار ہے   کہہ دیں بگڑ کے آپ تجھے اختیار ہے
یہ آپ جانیں داغ میں جو ہیں برائیاں   اتنا تو ہم کہیں گے بڑا وضعدار ہے

جو بے آگ جل جائے وہ دل یہی ہے   جو بے زخم تڑپے وہ بسمل یہی ہے
چھپاتے ہو مٹھی میں کیوں دیکھ پایا   یہی ہے یہی ہے مرا دل یہی ہے
نہ آئے گا کوئی نہ بیٹھے گا کوئی   اگر آپ کا رنگ محفل یہی ہے
ترا جلوہ ٹھہرا ہے مقصودِ عالم   کہ ساری خدائی کا حاصل یہی ہے
وفا وہ کریں داغ یہ کس نے مانا   مگر آپ کا زعم باطل یہی ہے

خیر ہو ناشاد کیوں کیسی کہی   چاہتا ہوں داد کیوں کیسی کہی
پہلے گالی دی سوال وصل پر   پھر ہوا ارشاد کیوں کیسی کہی

تم نے دل کی بات کیوں کیسی سنی
ہم نے یہ روداد کیوں کیسی کہی
تو بھی اے ناصح کسی پر جان دے
ہاتھ لا استاد کیوں کیسی کہی
داغ تجھ کو باغ جنت ہو نصیب
خانماں برباد کیوں کیسی کہی

تاثیر محبت نے کیوں دیر لگائی ہے
یارب مری قسمت نے کیوں دیر لگائی ہے
مظلوم جفا آخر کب داد کو پہونچیں گے
کیا جانے قیامت نے کیوں دیر لگائی ہے
میخانہ پہ آجائے گھنگھور گھٹا گھر کر
اللہ کی رحمت نے کیوں دیر لگائی ہے
وہ سنگدل آتا ہے کب میرے جنازے پر
لیجانے میں خلقت نے کیوں دیر لگائی ہے
تم کہہ نہ سکے جلدی اشعار بہت اچھے
اے داغ طبیعت نے کیوں دیر لگائی ہے

ہم اپنے ہی سر لیں گے مصیبت ہو کسی کی
آئے گی اسی جاں پہ آفت ہو کسی کی
پیغام دیا تھا کوئی مرتا ہے خبر لو
قاصد سے کہا گر یہی عادت ہو کسی کی
تم ظلم کیے جاؤ یہ ذمہ ہے ہمارا
پرسش بھی جو فردائے قیامت ہو کسی کی
کیوں وصل کی شب ہاتھ لگانے نہیں دیتے
معشوق ہو یا کوئی امانت ہو کسی کی
یہ داغ ہماری نہیں سنتا نہیں سنتا
ایسی بھی الٰہی نہ طبیعت ہو کسی کی

فراق یار میں تسکین دلِ بے تاب کو ہوتی
جو اپنے عیش سے فرصت مرے احباب کو ہوتی
بنایا ان حسینوں کو تباہی کے لیے ورنہ
ترقی سے ترقی عالم اسباب کو ہوتی
پڑی تھی مخمصے میں جان مجھ میکش کی مرجاتا
اگر کچھ دیر اے زاہد شراب ناب کو ہوتی

یہ چرچے ہیں ہمیں دونوں کے دم سے
نہ تم سے پھر زمانے میں نہ ہم سے
اگر مرجائیں تو چھٹ جائیں غم سے
مگر یہ ہو نہیں سکتا ہے ہم سے
کہا یہ شکوۂ روز جزا پر
تجھے پالا پڑے گا پھر بھی ہم سے

پوچھتے ہیں وہ مزاج اچھا تو ہے   مار رکھنے کا علاج اچھا تو ہے
آشیاں زیبِ سرِ مجنوں ہوا   اے جنوں تنکوں کا تاج اچھا تو ہے
داغ کو دی ہے تسلی آپ نے   واقعی وہ کل سے آج اچھا تو ہے

لطف وہ عشق میں پائے ہیں کہ جی جانتا ہے   رنج بھی ایسے اٹھائے ہیں کہ جی جانتا ہے
مسکراتے ہوئے وہ مجمعِ اغیار کے ساتھ   آج یوں بزم میں آئے ہیں کہ جی جانتا ہے
انھیں قدموں نے تمھارے انھیں قدموں کی قسم   خاک میں کتنے ملائے ہیں کہ جی جانتا ہے
دوستی میں تری درپردہ ہمارے دشمن   اس قدر اپنے پرائے ہیں کہ جی جانتا ہے
داغ وارفتہ کو ہم آج ترے کوچہ سے   اس طرح کھینچ کے لائے ہیں کہ جی جانتا ہے

دل سے دشمن کا اعتبار کسے   ہم بنائیں صلاح کار کسے
یاد بھی ہے کہ آج بھول گئے   کل کیا تھا امیدوار کسے
ذکرِ دشمن تو خوب تھا کہیے   اب گذرتا ہے ناگوار کسے
میرے مرنے کے بعد رو کے کہا   اب کہیں گے وفا شعار کسے
داغ کو دو ہی دن میں بھول گئے   آپ کہتے تھے جان نثار کسے

کام رکنے کا نہیں اے دلِ ناداں کوئی   خود بخود غیب سے ہو جائے گا ساماں کوئی
ان اچٹتی ہوئی باتوں کے نہیں ہم قائل   کرے انکار با اندازۂ پیماں کوئی
دیر ہو جائے بلا سے انھیں آرائش میں   رہ نہ جائے کسی کمبخت کا ارماں کوئی
شکوہ رنجش و بیداد بھی کرنا قاصد   مگر اتنا کہ نہ ہو جائے پشیماں کوئی
ٹپکے ہے خلشِ دل مگر اب بھی اے داغ   پھانس کی طرح کھٹک جاتا ہے ارماں کوئی

تری محفل میں یہ کثرت کبھی تھی
ہمارے رنگ کی صحبت کبھی تھی
ہمارا دل ہمارا دل کبھی تھا
تری صورت تری صورت کبھی تھی
ذرا انصاف کیجیے کون ہوں میں
نہ تھی یا کچھ مری عزت کبھی تھی
شکایت سن کے یہ ہوتا ہے ارشاد
تری تقدیر میں راحت کبھی تھی
تم اترائے کہ بس مرنے لگا داغ
بناوٹ تھی جو وہ حالت کبھی تھی

تصویر یار اپنی جبیں پر بنائیں گے
بگڑا ہوا ہم اپنا مقدر بنائیں گے
خالی نہ ہوگی لطف سے بیداد محتسب
ہم شیشۂ شکستہ کو ساغر بنائیں گے
کہتے ہیں وہ جلائیں گے ہم تجھ کو حشر تک
دشمن کی قبر تیرے برابر بنائیں گے
منہ دیکھتے ہیں دیر سے نیچی نظر کیے
پلکوں سے آئینے میں وہ جوہر بنائیں گے
ہر وقت داغ کا یہی تکیہ کلام ہے
میرے حضور مجھ کو تو گھر بنائیں گے

گر میرے اشک سرخ سے رنگ حنا ملے
جو چور کی سزا ہو وہ مجھ کو سزا ملے
جنت سے عار حور کی صحبت سے اجتناب
کیا جانے بندگی کا صلہ مجھ کو کیا ملے
اللہ دے تو فقر کی دولت ہے سلطنت
جتنے فقیر مجھ کو ملے بادشاہ ملے
جو اپنے دل سے آپ کرے بدمزاجیاں
ایسے اکل کھرے سے بھلا کوئی کیا ملے
اے داغ اپنی وضع ہمیشہ یہی رہی
کوئی کھچا کھچے کوئی ہم سے ملا ملے

تم نے بدلے ہم سے گن گن کے لیے
ہم نے کیا چاہا تھا اس دن کے لیے
چاہنے والوں سے گر مطلب نہیں
آپ پھر پیدا ہوئے کن کے لیے
فیصلہ ہو آج میرا آپ کا
یہ اٹھا رکھا ہے کس دن کے لیے
دے مئے بے درد اے پیر مغاں
چاہیے ٹھیک پاک باطن کے لیے
آج کل میں داغ ہوگے کامیاب
کیوں مرے جاتے ہو دو دن کے لیے

آئے بھی تو وہ منہ کو چھپائے مرے آگے
اس طرح سے آئے کہ نہ آئے مرے آگے

کچھ تذکرۂ رنجش معشوق جو آیا
دشمن کے بھی آنسو نکل آئے مرے آگے

مانگی ہے دعا وصل کی کچھ اور نہ سمجھو
کو سا ہو اگر میں نے تو آئے مرے آگے

تیور یہی کہتے تھے کہ یہ نام ہے میرا ..
لکھ کر کئی حرف اس نے مٹائے مرے آگے

کچھ داغ کا مذکور جو آیا تو وہ بولے
آئے تھے برا حال بنائے مرے آگے

یہ جو ہے حکم مرے پاس نہ آئے کوئی
اس لیے روٹھ رہے ہیں کہ منائے کوئی

یہ نہ پوچھو کہ غم ہجر میں کیسی گذری
دل دکھانے کا اگر ہو تو دکھائے کوئی

ہو چکا عیش کا جلسہ تو مجھے خط بھیجا
آپ کی طرح سے مہمان بلائے کوئی

حال افلاک و زمیں کا جو بتایا بھی تو کیا
بات وہ ہے جو ترے دل کی بتائے کوئی

آپ نے داغ کو منہ بھی نہ لگایا افسوس
اس کو رکھنا تھا کلیجے سے لگائے کوئی

ہم سے برگشتہ کسی کی نظر ایسی تو نہ تھی
گرچہ تھی چشم تغافل مگر ایسی تو نہ تھی

شب کو جو حال رہا ہے وہ خدا پر روشن
تجھ سے امید مجھے بے خبر ایسی تو نہ تھی

شکل یوسف کی جو تعریف سنی فرمایا
منصفی شرط ہے دیکھو ادھر ایسی تو نہ تھی

شکست عہد سے ہوتا ہی کیا ہے
انھیں اس بات کی پرواہی کیا ہے

ہمارے دل میں ہے ساری خدائی
خدا کے گھر میں اب رکھا ہی کیا ہے

ہمیشہ دیکھتی ہیں دل کی آنکھیں
ہمارا آپ کا پردہ ہی کیا ہے

ادا ہے ابتدا مشق جفا کی
بہت ہوگا ستم اتنا ہی کیا ہے

اگر سن لیں وہ حال زار اے داغ
ترے کہنے کا پھر کہنا ہی کیا ہے

کبھی ہم سے نہ کہنا تیرا کہنا ہم نہ مانیں گے
جو ضد آئی تو بے منوائے اصلاً ہم نہ مانیں گے

خیال غیر ہوگا دل ہمارا پاسباں ہوگا
رہیں خلوت سرا میں آپ تنہا ہم نہ مانیں گے

تمھارا ثانی کہاں پیدا فقط کہنے کی باتیں ہیں
اگر سارا زمانہ مان لے گا ہم نہ مانیں گے

خیال ان کا یہ ہے دنیا میں کرلو فیصلہ ہم سے
اٹھاؤ گے اگر عقبیٰ میں جھگڑا ہم نہ مانیں گے

تمھیں خط غلامی داغ لکھ دے کیا سند اس کی
کہ ایسا شخص ہو بندہ کسی کا ہم نہ مانیں گے

سب سے تم اچھے ہو تم سے مری قسمت اچھی
یہی کمبخت دکھادیتی ہے صورت اچھی

حسن معشوق سے بھی حسن سخن ہے کمیاب
ایک ہوتی ہے ہزاروں میں طبیعت اچھی

مری شامت کہ دکھائی اسے دشمن کی شبیہ
مسکرا کر یہ کہا اس نے نہایت اچھی

ہے سر ناز فروشی تو خریدار بہت
بیچ ڈالو اسے مل جائے گی قیمت اچھی

زور وزر سے بھی کہیں داغ حسیں ملتے ہیں
اپنے نزدیک تو ہے سب سے اطاعت اچھی

ہجر کی یہ رات کیسی رات ہے
ایک میں ہوں یا خدا کی ذات ہے

تم کو صحبت غیر سے دن رات ہے
دیکھو اپنی بات اپنی بات ہے

یہ ملا اظہار الفت پر جواب
آپ ایسے ہی تو ہیں کیا بات ہے

اس نے باتوں کا مری دے کر جواب
کہہ دیا خاموش یہ شہ مات ہے

جب کہا میں نے کہ لو مرتا ہوں میں
بولے بسم اللہ اچھی بات ہے

کہتے ہیں دشنام دے کر لیں گے دل
مفت کیوں دیتے ہو کیا خیرات ہے

بات کرنی بھی نہ آتی تھی تمھیں
یہ ہمارے سامنے کی بات ہے

داغ سے جا کر ملے تھے ہم بھی آج
آدمی خوش وضع خوش اوقات ہے

اب وہ یہ کہہ رہے ہیں مری جان جائیے
اللہ تیری شان کے قربان جائیے

اللہ جانتا ہے اگر جان جائیے
اس دل کے شوق کو تو ابھی مان جائیے

محفل میں کس نے آپ کو دل میں چھپالیا
اتنوں میں کون چور ہے پہچان جائیے

دو مشکلیں ہیں ایک جتانے میں شوق کے
پہلے تو جان جائیے پھر مان جائیے
اچھی کہی کہ غیر کے گھر تک ذرا چلو
میں آپ کا نہیں ہوں نگہبان جائیے
آئے ہیں آپ غیر کے گھر سے کھڑے کھڑے
یہ اور کو جتائیے احسان جائیے
وہ آزمودہ کار تو ہے گر دلی نہیں
جو کچھ بتائے داغ اسے مان جائیے

اس لیے وصل سے انکار ہے ہم جان گئے
یہ نہ سمجھے کوئی کیا جلد کہا مان گئے
تو وہ ہے سب بت کافر ترے قربان گئے
جو خدا کو بھی نہ مانیں وہ تجھے مان گئے
کیا کرے دیکھیے ہر روز کا آنا جانا
کہ جہاں شام ہوئی اور وہ مہمان گئے
دیکھ کہتے ہیں اسے آئے گئے کا سودا
ہم ترے آتے ہی سو جان سے قربان گئے
کہتے ہیں شکوۂ بیداد کرے گا پھر بھی
ہم اگر روز جزا تیرا کہا مان گئے
آزمائش ہی پہ ٹھہرا تھا محبت کا ثبوت
اب تو پہچان گئے جان گئے مان گئے
بندۂ عشق ہو ایسے کہ الٰہی توبہ
تم تو معشوق کو اے داغ خدا جان گئے

پھرے راہ سے وہ یہاں آتے آتے
اجل مر رہی تو کہاں آتے آتے
نہ جانا کہ دنیا سے جاتا ہے کوئی
بہت دیر کی مہرباں آتے آتے
سنانے کے قابل جو تھی بات ان کو
وہی رہ گئی درمیاں آتے آتے
مجھے یاد کرنے سے یہ مدعا تھا
نکل جائے دم ہچکیاں آتے آتے
ابھی سن ہی کیا ہے جو بیباکیاں ہوں
انھیں آئیں گی شوخیاں آتے آتے
نہیں کھیل اے داغ یاروں سے کہہ دو
کہ آتی ہے اردو زباں آتے آتے

ہر دل میں نئے درد سے ہے یاد کسی کی
ملتی نہیں فریاد سے فریاد کسی کی
آرام طلب ہوں کرم جام کے طالب
یوں مفت میں لٹتی نہیں بیداد کسی کی
دل تھامے ہوئے پھرتے ہیں سب گبر و مسلماں
کیا یاد ہے کیا یاد ہے کیا یاد کسی کی

نکلی تو سہی جان اگر سہل نہ نکلی اٹکی نہیں رہتی مرے جلاد کسی کی
کمبخت وہی داغ نہ ہو دیکھو تو جاکر بے چین کیے دیتی ہے فریاد کسی کی

پرسش جو ان سے ظلم کی روز جزا ہوئی اتنا ہی کہہ کے چھوٹ گئے وہ خطا ہوئی
دل لے کے پوچھتے ہو تری چیز کیا ہوئی اچھی کہی یہ ایک ہی اے دل ربا ہوئی
پوری ابھی سنی بھی نہیں تم نے داستان اک بات میں بگڑ گئے یہ بات کیا ہوئی
خنجر میں تیرے خون کی بو آرہی ہے آج کیا جانے کس غریب کی حاجت روا ہوئی
واعظ مئے طہور کی قیمت گراں سہی میں دام پھیر لونگا اگر بدمزا ہوئی
اے داغ کس کو دیکھ لیا تو نے خیر ہے اب تک تو ہوش میں تھا تجھے کیا بلا ہوئی

اطاعت میں اغیار خامی کریں گے ہمیں بندہ پرور غلامی کریں گے
رہے گا نہ دشمن تو مجھ کو خوشی کیا وہ خود اس کی قائم مقامی کریں گے
مرے قتل کے روز میلا لگے گا یہ جلسہ وہ اک دھوم دھامی کریں گے

دل پریشان ہوا جاتا ہے اور سامان ہوا جاتا ہے
چھائی جاتی ہے یہ وحشت کیسی گھر بیابان ہوا جاتا ہے
شکوہ سن آنکھ ملاکر ظالم کیوں پشیمان ہوا جاتا ہے
عذر جانے میں نہ کر اے قاصد تو بھی نادان ہوا جاتا ہے
داغ خاموش نہ لگ جائے نظر شعر دیوان ہوا جاتا ہے

جنس دل آپ کو کیا مہنگی ہے کیا سستی ہے ہم نہیں بیچتے کچھ زور زبردستی ہے
اے فلک چین سے دم بھر تو پڑا رہنے دے ہم بھی بستے ہیں جہاں خلق خدا بستی ہے
دل کے سو ٹکڑے اڑے تن کو خبر تک نہ ہوئی چشم بددور یہ قاتل کی سبکدستی ہے

بہرِ گلگشت جو آ جاتا ہے نازک اندام — شاخِ گل تارِ رگِ گل سے کمر کستی ہے
مصطفیٰ آباد رہے تابہ قیامت قائم — یہی اب داغ مسلمانوں کی اک بستی ہے

دیکھیے عشق میں اب جان رہے یا نہ رہے — جان کیا چیز ہے ایمان رہے یا نہ رہے
کیا مصیبت ہے کہ تم وعدہ کرو اور نہ آؤ — کوئی کمبخت پریشان رہے یا نہ رہے
تیری تصویر نے دیکھی تھی کب ایسی صورت — دیکھ کر داغ کو حیران رہے یا نہ رہے

عرض احوال کو گلا سمجھے — کیا کہا میں نے آپ کیا سمجھے
ان اشاروں کو کوئی کیا سمجھے — نگہِ ناز سے خدا سمجھے
وعدہ کرنا پھر اس حیا کے ساتھ — ہم تو اس کو بھی اک ادا سمجھے
پردے پردے میں گالیاں دے کر — مجھ سے وہ پوچھتے ہیں کیا سمجھے
ان کنایوں کو اپنے تم سمجھو — بات وہ ہے جو دوسرا سمجھے
سچ تو یہ ہے کہ وہ بتِ مغرور — اپنے آگے کسی کو کیا سمجھے
آدمیت کی شرط ہے اے داغ — خوب اپنا برا بھلا سمجھے

سیکڑوں ملتے ہیں الزام کے دینے والے — ایک دو بھی نہیں آرام کے دینے والے
میرے قاصد کو دیا اس نے جھنجھلا کے جواب — کون ہوتے ہیں وہ پیغام کے دینے والے
جان نثاروں کو ملا کرتے ہیں اکثر دشنام — تم سلامت رہو انعام کے دینے والے
ناتوانی پہ نہ جاؤ کہ ہمیں باقی ہیں — سو دعائیں تجھے دل تھام کے دینے والے
وہی تو وعدۂ دیدار کریں گے پورا — مجھ کو دھوکے سحر و شام کے دینے والے
آپ ہی جان کے ایمان کے لینے والے — آپ ہیں درد کے آلام کے دینے والے
داغِ عاصی کو ملے نعمتِ فردوس و نعیم — یا نبی دولتِ اسلام کے دینے والے

ٹپکتا ہے یہ صاف اس کی نظر سے
بہت باتیں ہوئیں ہیں نامہ بر سے
انھیں فرصت کہ اس کا سر اتارا
ہمیں فرصت کہ چھوٹے دردِ سر سے
ہم اپنی جان پر کھیلے ہوئے ہیں
لڑائی ہو پڑی ہے چارہ گر سے
وفا ہم سے کروگے آخرکار
یہ ہم سمجھے ہوئے تھے پیشتر سے
رقیب روسیہ کیوں سر چڑھا ہے
اُسے صدقے کرو تم داغ پر سے

لذت سیر و گر چشم تمنا لے گی
ایک بار اور بھی دنیا ابھی پلٹا لے گی
شکوہ دہر نہ بیداد فلک کی فریاد
حشر میں خلق خدا نام تمھارا لے گی
نہ کریں میرے لیے حضرت ناصح تکلیف
خود طبیعت دل بیتاب کو سمجھا لے گی
ایک مدت سے ہے برباد ہماری مٹی
دیکھیے کب ترے دامن کا سہارا لے گی
کام بگڑا نہ بنائے سے بنے گا ہرگز
میری تدبیر نہ تقدیر سے بدلا لے گی
درد و غم رنج و الم مول لیے کیا کیا کچھ
اور کیا کیا نہ مری خواہش بیجا لے گی
شاہ دیندار کا وہ فیض ہے جاری اے داغ
حشر تک جس سے مزے دین کے دنیا لے گی

وعدہ پہ ان کے بات بنائی ہوئی سی ہے
کھائی ہے وہ قسم کہ جو کھائی ہوئی سی ہے
چھایا ہوا ہے بزم عدو کا خمار سا
آنکھوں میں تیری نیند سمائی ہوئی سی ہے
دھویا ہے تم نے تیغ کو باقی ہے نم ابھی
یہ خون میں کس کے نہائی ہوئی سی ہے
ہے چشم نیم باز پہ دھوکا خمار کا
یہ تو لڑی ہوئی سی لڑائی ہوئی سی ہے
رنگت اڑی ہوئی سی ہے کیا آج داغ کی
چہرہ پہ مردنی بھی تو چھائی ہوئی سی ہے

ہر دم اسی کی دھن ہے اسی کا خیال ہے
چھوٹے چھٹائے ربط پہ اب تک یہ حال ہے
لو دو ہی دن کے بعد یہ ان کا خیال ہے
چھوڑو بھی رسم و راہ کہاں کا دبال ہے

جب ہو نہ اعتبار تو کہنے سے فائدہ
اللہ جانتا ہے جو اس دل کا حال ہے
قسمت سے نبھ گئی ہے چلو فیصلہ ہوا
میرا کمال ہے نہ تمھارا کمال ہے
لیل و نہار اپنے گذرتے ہیں ایک شکل
جو شب کو خواب تھا وہی دن کو خیال ہے
وہ کہہ رہے تھے بزم میں خنجر نکال کر
اس دل کو لاؤ جس میں امیدِ وصال ہے
اے داغ ان کی رنجش بیجا کا کیا علاج
اپنے قصور پر بھی تو مجھ سے ملال ہے

دل لے ہی چکے ناز سے شوخی سے مستی سے
اب ان کی بلا آنکھ ملاتی ہے کسی سے
ارشاد ہوا ہے کہ تجھے قتل کریں گے
پھر یہ بھی ہے تاکید کہ کہنا نہ کسی سے
معشوق کو عشاق نے بیدرد بنایا
انصاف تو یہ ہے کہ ہوئی چوک سبھی سے
مہمان کہیں جانے کو ہیں آپ بھی تیار
بس لیجیے سلام اپنا بھی وعدہ ہے کسی سے
پہچانو تو کس نقش کف پا کی ہے
اکسیر اٹھا لائے ہیں دشمن کی گلی سے
وہ شام شب وصل سے برہم ہیں الٰہی
آثار قیامت ہیں نمودار ابھی سے
اے داغ کریں وہ ستم ایجاد کہاں تک
کیا ناک میں دم ہے تری ایذا طلبی سے

اس چشم فسوں گر کی حیا کو کوئی دیکھے
اس ظالم مظلوم نما کو کوئی دیکھے
میرے نفس سرد پہ ہیں طعنہ زن احباب
اس وقت زمانے کی ہوا کو کوئی دیکھے
کہتا ہے کہ مر جاؤ تو کچھ ہم کو یقین ہو
بے درد کی اس شرط وفا کو کوئی دیکھے

اس واسطے لے جاتے ہیں غیر ان کو اڑا کر
ایسا نہ ہو نقش کفِ پا کو کوئی دیکھے
اے داغ سنے ہیں بہت اگلے تو فسانے
کیا حال ہے اب اہل وفا کو کوئی دیکھے

نگاہ شوخ جب اس سے لڑی ہے
تو بجلی تھر تھرا کر گر پڑی ہے
قیامت میں قیامت کر گیا کون
کہ دل تھامے صف محشر کھڑی ہے
کریں کیا رند توبہ مے سے زاہد
کہ یہ تو ان کی گھٹی میں پڑی ہے

عدو بھی تنگ ہے ان کے ستم سے
اسے اپنی مجھے اپنی پڑی ہے

گل بستر ستارے بن گئے ہیں
ترے ماتھے سے جب افشاں جھڑی ہے

یہ کہتا ہے کہ مرا شوق شہادت
تری تلوار پھولوں کی چھڑی ہے

غزل اک اور بھی اے داغ لکھو
طبیعت اس زمین میں کچھ لڑی ہے

نظر کعبے میں اس بت پر پڑی ہے
کہاں جاکر مری قسمت لڑی ہے

مجھے انجام الفت کی پڑی ہے
یہ غم آٹھوں پہر چونسٹھ گھڑی ہے

مروت بھی ہو تیری آنکھ میں کاش
نشیلی ہے رسیلی ہے بڑی ہے

حسینوں کو برا کہتا ہے ناصح
انھیں باتوں پہ مجھ سے ہو پڑی ہے

ہمارا دم ہے خنجر میں دم ذبح
ہماری جان قاتل میں پڑی ہے

ملازم شاہ آصف جاہ کے ہیں
جناب داغ کی قسمت بڑی ہے

ناوک لگا جگر پہ تو دل پرستاں لگی
کاری لگی نظر تری کافر جہاں لگی

پوچھا جو عشق غیر کی تم کو لگی ہے چوٹ
آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے بولے وہ وہاں لگی

اچھا کہا جو حور کو کیا قہر ہوگیا
ایسی تمھارے دل کو بڑی مہرباں لگی

رورو کے کہہ رہے ہیں وہ مردے پہ غیر کے
کس کی بری نظر تجھے اے نوجواں لگی

بے تاب مجھ کو دیکھ کے وہ پوچھتے ہیں داغ
کمبخت تیرے چوٹ بتا تو کہاں لگی

وصل کا وعدہ کسی سے ہو وہ گویا ہم سے ہے
کیا یقین ہے جانتے ہیں ہم یہ ایما ہم سے ہے

لیلیٰ و مجنوں کا قصہ کوئی سنتا ہی نہیں
بحث عالم کو فقط یا تم سے ہے یا ہم سے ہے

دل میں بھی آئے تصور میں بھی آئے بے حجاب
ان کو ظاہر میں فقط آنکھوں کا پردا ہم سے ہے

دل میں وہ گھبرا رہے ہیں اور مجھ سے حشر میں
کہتے ہیں کہہ ڈال جو کچھ تجھ کو کہنا ہم سے ہے

کوئی کافر ہی کرے اے داغ ان کی آرزو
اے تری شان اب تمنا کی تمنا ہم سے ہے

جمع ہیں پاک اک زمانے کے
ہائے جلسے شراب خانے کے
دل سے کہتا ہے یہ اب سوفار
تیر قرباں اس نشانے کے
ہے مری داستان بھی کیا مرغوب
حرف بکتے ہیں اس فسانے کے
شب فرقت ترے تصور سے
مشورے ہوتے ہیں زمانے کے
اہل جنت کے بھی دلوں پر داغ
نقش ہیں اس نگارخانے کے

دل میں عاشق کے تصور سے کھٹک ہوتی ہے
ان حسینوں کی غضب نوک پلک ہوتی ہے
اس بہانے سے بہائے سر محفل آنسو
کہہ دیا ان سے کہ آنکھوں میں کھٹک ہوتی ہے
جس سے سونگھی ہے وہ خوشبو کوئی اس سے پوچھے
باسی ہاروں کے جو پھولوں میں مہک ہوتی ہے
اس نزاکت پہ سنے کیا وہ ہماری فریاد
غنچہ چٹکے تو کہے سر میں دھمک ہوتی ہے
دل اندھا دھند ہی آتا ہے ہمیشہ اے داغ
چھان بین اس میں نہ کچھ چھان پھٹک ہوتی ہے

اچھی کہی ہے کہ عشق میں بیمار کیوں ہوئے
اچھوں کے آپ در پئے آزار کیوں ہوئے
کیا یہ شریر آنکھ لڑائی کا گھر نہیں
تم اس کے بدلے لڑنے کو تیار کیوں ہوئے
یہ کیا کہا فلک کو جلانا نہ آہ سے
اپنی تو کہیے آپ ستمگار کیوں ہوئے
کہتا ہے عاشقوں کو وہ کافر یہ طنز سے
بندے خدا کے میرے طلب گار کیوں ہوئے
اے داغ اک زمانے کے دل میں ہے گھر تیرا
وہ نام سن کے نام سے بے زار کیوں ہوئے

ہوتے ہیں ادا عشق کے انداز ہمیں سے
یہ سحر ہمیں سے ہیں یہ اعجاز ہمیں سے
ہر چند کچھ ایسی بھی ہیں باتیں کہ نہ سنیے
کیا کیجیے کہتے ہیں وہ سب راز ہمیں سے
ہنگامۂ محشر میں بھی اللہ کرے داغ
راضی ہو تو ہو وہ بت طناز ہمیں سے

آئینے سے وہ کہتے ہیں تیری نظر ہوئی
اے چشم شوق اس کی تجھے بھی خبر ہوئی
میری بلا سے ٹوٹ کے پیکاں جو رہ گیا
حاصل مجھے تو لذت زخم جگر ہوئی

رکھا نگاہ میں جو دلِ بے قرار کو — اس دن سے اور شوخ تمھاری نظر ہوئی
بچتی تھی دختِ رز کی نہ حرمت کسی طرح — یہ نیک بخت ہار کے قاضی کے سر ہوئی
ہمسائے میں یہ شور ہے لو داغ کی خبر — کمبخت کو تڑپتے ہوئے رات بھر ہوئی

زاہد کو روزِ حشر پڑی امتحان کی — پیرِ مغاں نے خلد میں جا کر دکان کی
قاصد بھی اس کو دیکھ کے دیوانہ ہوگیا — پوچھی زمین کی تو کہی آسمان کی
یہ شکوۂ رقیب پہ مجھ کو ملا جواب — لوگوں سے تو نے کیوں مری خوبی بیان کی
کب تک بنابنا کے کہوں ماجرائے دل — فرمائشیں ہیں روز نئی داستان کی
کیا پھر بھی دل کے دینے میں اے داغ عذر ہو — گر وہ قسم دلائے تمھیں اپنی جان کی

جلا تھا دل جب کیا تھا نالہ ملیں گے لب جب دعا کریں گے — جو وہ کہا تھا تو کیا کہا تھا جو یہ کریں گے تو کیا کریں گے
عجب طرح کا معاملہ ہے وہ سوچتے ہیں یہ بات پہروں — کبھی طمع ہے کہ لیجیے دل کبھی ہے یہ فکر کیا کریں گے
ہزار ہیں رنگ عاشقی کے جوان کو برتے وہ ان کو جانے — تمھیں کو ہم بے وفا کہیں گے تمھیں سے ہم التجا کریں گے
ہوئے ہیں وہ خوگرِ جفا ہم یہ کہتے پھرتے ہیں جابجا ہم — جو کوئی ہم پر ستم کرے گا ہم اس کے حق میں دعا کریں گے
کوئی سہے رنج و غم کہاں تک اٹھائے ظلم و ستم کہاں تک — وہ حضرتِ داغ ہی نہیں اب جو تم سے مہر و وفا کریں گے

کیوں چاٹ نہ لوں خاکِ در یار ذرا سی — اکسیر ہے اکسیر کی مقدار ذرا سی
اندیشہ ہے اک صاحبِ تقویٰ کی نظر کا — مے چھوڑ دیا کرتے ہیں میخوار ذرا سی
اس فتنۂ عالم سے یہ کہتی ہے قیامت — دے ڈال مجھے شوخیِ رفتار ذرا سی
اکثر تو رقیبوں سے مرے ہوتے ہیں شکوے — تعریف بھی ہو جاتی ہے اک بار ذرا سی
ساقی مجھے ترسا کے پلاتا ہے مے ناب — اک بار بہت سی نہیں ہر بار ذرا سی

انتخاب

یادگارداغ

ان آنکھوں نے کیا کیا تماشہ نہ دیکھا — حقیقت میں جو دیکھنا تھا نہ دیکھا
نہ ہمت نہ قسمت نہ دل ہے نہ آنکھیں — نہ ڈھونڈا نہ پایا نہ سمجھا نہ دیکھا
مریضانِ الفت کی کیا بے کسی ہے — مسیحا کو بھی چارہ فرما نہ دیکھا
کہاں نقش اول کہا نقش ثانی — خدا کی خدائی میں تجھ سا نہ دیکھا
تری یاد ہے یا ہے تیرا تصور — کبھی داغ کو ہم نے تنہا نہ دیکھا

وہ جلوہ تو ایسا ہے کہ دیکھا نہیں جاتا — آنکھوں کو مگر دید کا لپکا نہیں جاتا
کیا خاک کروں ان سے تغافل کی شکایت — یہ حال ہی ایسا ہے کہ دیکھا نہیں جاتا
کہتا ہوں تو رُکتی ہے زبان سامنے اس کے — لکھتا ہوں اگر حال تو لکھا نہیں جاتا
کیا قاصد نافہم کو میں باندھ کے بھیجوں — وہ تو نہیں جاتا نہیں جاتا نہیں جاتا
وہ کہتے ہیں کیا جور اٹھاؤ گے تم اے داغ — تم سے مرا ناز اٹھایا نہیں جاتا

سر سبز کبھی برگِ خزاں ہو نہیں سکتا
جو پیر ہوا پھر وہ جواں ہو نہیں سکتا

اب لطفِ شبِ وصل کہاں اے دلِ ناداں
ہر روز وہ ساماں وہ سماں ہو نہیں سکتا

دل مائل و شیدا ہے بس اب اور نہ پوچھو
کس پر ہے کہاں ہے یہ بیاں ہو نہیں سکتا

فتنے تری چتون سے کہاں اٹھ نہیں سکتے
جادو تری آنکھوں سے کہاں ہو نہیں سکتا

رگ رگ میں چھپاتا ہوں ترا دردِ محبت
پھر بھی تو یہ کمبخت نہاں ہو نہیں سکتا

کہنے کے لیے آپ ہیں سننے کے لیے ہم
جو ہم نے سنا ہے وہ بیاں ہو نہیں سکتا

دل مانگ کے شرمندہ عبث کرتے ہو مجھ کو
کیا اس کے نہ ہونے کا گماں ہو نہیں سکتا

اے داغ تمھیں وصل کی تدبیر بتادی
تقدیر کا ذمہ تو یہاں ہو نہیں سکتا

کیا دوں اسے کچھ پاس دکھائی نہیں دیتا
کیوں مجھ کو خدا ساری خدائی نہیں دیتا

میں پاؤں پر ان کے جو گرا ڈر کے وہ بولے
اندھا ہے ارے تجھ کو دکھائی نہیں دیتا

کس طرح سنوں عذرِ ستم اس کی زباں سے
کچھ شورِ قیامت میں سنائی نہیں دیتا

قسمت ہی میں زاہد کے ہیں دن رات کے فاقے
کیا پیرِ مغاں روزہ کشائی نہیں دیتا

گر آج قیامت ہے تو میں دادطلب ہوں
دھوکا تو مجھے روزِ جدائی نہیں دیتا

چبھتی ہوئی کہتا ہوں تو ہو جاتے ہو خاموش
معلوم ہوا تم کو سنائی نہیں دیتا

تم اس سے طلب کرتے ہو اے داغ دل اپنا
جو لے کے کبھی چیز پرائی نہیں دیتا

محفل سے تیری خوش نہ گیا آ کے جو گیا
ہر نامراد اپنے نصیبوں کو رو گیا

کی گفتگوئے یار بڑی آب و تاب سے
قاصد تو بات بات میں موتی پرو گیا

آتا تھا کوئی نشۂ صہبا میں ڈوب کر
ملتے ہی آنکھ رنگ میں اپنے ڈبو گیا

یہ بھی نزولِ رحمتِ باری کی شان ہے
وہ دشمنِ وفا مری میت پہ رو گیا

جب یہ سنا کہ ہو گیا اچھا مریضِ عشق
بولے وہ ہاتھ مار کر زانو پہ ہو گیا

سودا و میر و ذوق ہوں یا سوز و درد ہوں — اس کا کہاں جواب ہے ان میں سے جو گیا
اے داغ عشق آفت جان ہے ذرا سنبھل — دو دن میں کیا سے کیا یہ ترا حال ہو گیا

یہ طور دل چرا کے ہوا اس نگاہ کا — جیسے قسم کے وقت ہو چھوٹے گواہ کا

ہمارا دل ہے جیسا ناصبور ایسا نہیں ہوتا — کوئی نزدیک ایسا ہو کے دور ایسا نہیں ہوتا
حسینوں میں وہ اپنے حسن پر دعوے سے کہتے ہیں — نہیں ہوتا نہیں ہوتا ضرور ایسا نہیں ہوتا
کیا شکر جفا پر قتل مجھ کو اس ستم گر نے — سزا ایسی نہیں ہوتی قصور ایسا نہیں ہوتا
تجلی جلوہ گر لاکھوں حجابوں میں بھی ہوتی ہے — چھپائے سے چھپے رنگ ظہور ایسا نہیں ہوتا
بشر وہ کام کرتا ہے فرشتے کر نہیں سکتے — کہ جو ہوتا ہے اس سے دور دور ایسا نہیں ہوتا
تری آنکھیں ہیں مست ناز ورنہ نشۂ مئے کا — خمار ایسا نہیں ہوتا سرور ایسا نہیں ہوتا
وہ دل میں داغ سے جلتے بھی ہیں پھر یہ بھی کہتے ہیں — کوئی انسان پیدا دور دور ایسا نہیں ہوتا

خار حسرت بیان سے نکلا — دل کا کانٹا زبان سے نکلا
دل میں رہنے نہ دوں ترا شکوہ — دل میں آیا زبان سے نکلا
تم برستے رہے سر محفل — کچھ بھی میری زبان سے نکلا
بزم سے تم کو لے کے جائیں گے — کام کب پھول پان سے نکلا
وہ ہلے لب تمھارے وعدے پر — وہ تمھاری زبان سے نکلا
ذکر اہل وفا کا جب آیا — داغ ان کی زبان سے نکلا

بے گنہ تو نے قتل عام کیا — واہ شاباش خوب کام کیا
پھر وہی ذکر غیر ہوتا ہے — پھر وہی آپ نے کلام کیا
رات دن تیری پردہ داری نے — تجھ کو رسوائے خاص و عام کیا

پائمالوں کے دل سے پوچھ ذرا　　تو نے کیا کیا دم خرام کیا
میکدے میں وظیفہ پڑھ پڑھ کر　　ختم ہم نے مہ صیام کیا
حق تعالیٰ کی یہ عنایت ہے　　داغ کو خادم نظام کیا

اگر یہاں بندھا ہے تمھیں یہ خیال کیا　　ہوگا غم فراق میں دشمن کا حال کیا
بعد فنا بھی چین مجھے دو گے یا نہیں　　تم نے بنا لیا مرے ماتم میں حال کیا

اشارہ اس نگہ کا روح افزا ہو نہیں سکتا　　کہ جادو گر سے اعجاز مسیحا ہو نہیں سکتا
وہ دنیا تھی کہ ہم کو دیکھ کر تم منہ چھپاتے تھے　　یہ محشر ہے یہاں عاشق سے پردا ہو نہیں سکتا
عوض دل کے وہی دینا پڑے گا ان سے جو مانگوں　　وہ جھگڑا کر نہیں سکتے یہ جھگڑا ہو نہیں سکتا
شکایت دوست کر سکتے ہیں تیری کر نہیں سکتے　　کہیں ایسا بھی ہو سکتا ہے ایسا ہو نہیں سکتا
الٰہی کیا قیامت میں بنے گی داد خواہوں پر　　وہ فرماتے ہیں کیا دعویٰ پہ دعویٰ ہو نہیں سکتا
جوانی کے ہیں دن کر لو وفا لے لو دعا ہم سے　　موافق ہر زمانے میں زمانہ ہو نہیں سکتا
زہے قسمت کہ اس نے وصل کی شب مہرباں ہو کر　　کیا احسان ایسا جس کا بدلا ہو نہیں سکتا
گئے وہ اٹھ کے پہلو سے تو یہ کہتے گئے مجھ سے　　ذرا سا صبر کر لو تم سے اتنا ہو نہیں سکتا
محبت آدمی سے آدمی کو ہو ہی جاتی ہے　　جو کر رکھے تو کیا کوئی کسی کا ہو نہیں سکتا
لیا تھا دیکھنے کو دل انھوں نے اب نہیں دیتے　　مرا یہ حال ہے مجھ سے تقاضا ہو نہیں سکتا
مرے پاس دفا کی کاش تم مقدار ٹھہرالو　　کہ اتنا مجھ سے ہو سکتا ہے اتنا ہو نہیں سکتا
ہوئے نا آشنا ایسے کہ تم سے اب مرے حق میں　　برا بھی ہو نہیں سکتا جو اچھا ہو نہیں سکتا
سوال وصل پر اے داغ دل کی رہ گئی دل میں　　کہا منہ پھیر کے ظالم نے ایسا ہو نہیں سکتا

وصل میں جھوٹی تسلی کے سوا کیا ہوگا　　بہت اچھا بہت اچھا بہت اچھا ہوگا

دل افسردہ کا جب حال بیان ان سے کیا　　پھول کو مل کے کہا ہاتھ میں ایسا ہوگا
نگہ شوق کی خواہش کر سمجھ کر دل میں　　ورنہ دو چار گھڑی بعد تقاضا ہوگا
تم کسی کے نہ ہوئے ہو نہ کسی کے ہوگے　　دل کسی کا نہ ہوا ہے نہ کسی کا ہوگا
خوبیاں داغ کی جب اس نے سنیں سن کے کہا　　کیا غرض ہم کو وہ اپنے لیے اچھا ہوگا

چلے گی داورِ محشر کے آگے دو بدو کیا کیا　　کہوں گا تجھ کو میں کیا کیا کہے گا مجھ کو تو کیا کیا
وہ میکش ہوں چلا جب پی پلا کر بزم ساقی سے　　مرا دامن پکڑنے کو بڑھا دستِ سبو کیا کیا
دمِ رخصت جگایا مجھ کو دامن کی ہوا دیکر　　بجھا ہے صبح ہوتے ہی چراغ آرزو کیا کیا
جفا بھی کرتے جاتے ہیں وہ ڈر کر پوچھتے بھی ہیں　　مرے شکوے کرے گا داورِ محشر سے تو کیا کیا
الٰہی عاشقی میں ہم بڑے تقدیر والے ہیں　　سُنے ہیں خوش گلو کیا کیا چنے ہیں خوبرو کیا کیا
رہی ہے داغ پر کیسی عنایت جاہ آصف کی　　نکالی آرزو کیا کیا بڑھائی آبرو کیا کیا

مضطرب ہوں کبھی گھر میں کبھی مضطر باہر　　اندر اندر کبھی پھرنا کبھی باہر باہر
بھر گیا ان کا مکاں روز کی تحریروں سے　　بے پڑھے پھینک دیا شوق کا دفتر باہر
اہل جنت پہ کرے عشق قیامت برپا　　آئے دوزخ سے جو اک دن کو وہ کافر باہر
دیکھتے ہی مجھے محفل میں انھیں تاب کہاں　　خود کھڑے ہوگئے کہتے ہوئے باہر باہر
دل لگی ہو تو کہیں داغ کا دل بھی بہلے　　اس کو یکساں ہے جدائی میں تیری گھر باہر

تو نے کی غیر سے کی میری بڑائی کیوں کر　　گر نہ تھی دل میں تو لب پر ترے آئی کیوں کر
دادخواہوں سے وہ کہتے ہیں کہ ہم بھی تو سنیں　　دو گے تم حشر میں سب مل کے دہائی کیوں کر
تم دل آزار و ستمگر نہیں ہم نے مانا　　مان جائے گی اسے ساری خدائی کیوں کر
مجلس وعظ کو دیکھا تو کہا رندوں نے　　ہوگی اس بھیڑ کی جنت میں سمائی کیوں کر
داغ کل تک تو دعا آپ کی مقبول نہ تھی　　آج منہ مانگی مراد آپ نے پائی کیوں کر

ایک دل اس میں کھٹکتے ہوئے ارماں دو چار
لاکھوں تیروں کے برابر ہیں یہ پیکاں دو چار

عشق کھلتے ہی لگا دیکھیے کیا ہوتا ہے
اشک آتے ہی لگے تا سر مژگاں دو چار

دشت وحشت میں ہے اک معرکہ ہونے والا
باندھ لوں گوشۂ دامن میں گریباں دو چار

چشم کو ناز ہوا گل یہ کھلائے میں نے
اشک پرخوں جو ہوئے زیب گریباں دو چار

ان کو اندیشہ ہے پھر جی نہ اٹھیں مرے شہید
پھیرے کر لیتے ہیں تا گور غریباں دو چار

لڑ ہی جاتی ہے کہیں آنکھ بڑا لپکا ہے
ساتھ میرے بھی رہیں ان کے نگہباں دو چار

حضرت داغ سے چھٹتا ہی نہیں بت خانہ
چل کے سمجھائیں انھیں آج مسلماں دو چار

یاس ہوتی ہے تو مرجاتا ہے دل
میں سمجھتا ہوں ٹھہر جاتا ہے دل

راہ میں کعبہ بھی ہے بت خانہ بھی
دیکھیے لے کر کدھر جاتا ہے دل

غیر پر پڑنے لگی آنکھ آپ کی
لیجیے جلدی خبر جاتا ہے دل

برچھیاں کھاکر اداؤ ناز کی
سیکڑوں میں نام کر جاتا ہے دل

کس کی نبھتی ہے ہمیشہ رسم و راہ
چار دن میں داغ پھر جاتا ہے دل

وہ خوش ہوئے جو کانوں میں اپنے پہن کے پھول
اترا رہے ہیں یاسمن و نسترن کے پھول

جھڑتے ہیں پھول منہ سے تیری بات بات میں
ان کو سخن کے پھول کہوں یا چمن کے پھول

حوروں کو میں سنگھاؤں گا باغ بہشت میں
رکھنا مرے کفن میں کچھ اس انجمن کے پھول

میرے رشکِ خون کی نہ کیونکر بہار ہو
یہ دل کی لاگ کے ہیں یہ دل کی لگن کے پھول

وہ رند پاک مشرب و صافی نہاد ہوں
آتی ہے درد ہی مرے ساغر میں بن کے پھول

مسجد میں آ رہی ہے یہ خوشبو جو دل فریب
لایا ہے کوئی بتکدۂ برہمن کے پھول

اے داغ روشنی ہے خدا داد طبع میں
بجھتے نہیں ہیں میرے چراغ سخن کے پھول

پڑا ہے برق تجلی سے اضطراب میں دل
قصور آنکھ کا تھا آ گیا عذاب میں دل

یکا یک آتے ہی آتے جو رک گئے آنسو
نہ آ گیا ہو کہیں دیدۂ پر آب میں دل

ستم اٹھائے مصیبت اٹھائی غم کھائے
خراب حال رہا ہستی خراب میں دل

خدا کے واسطے پہلو میں مرے آ بیٹھو
نکل نہ جائے کہیں جوش اضطراب میں دل

وہ بزم ناز ہے جانا وہاں سنبھل کر داغ
وگرنہ ہاتھ سے جائے گا اضطراب میں دل

غم سے کہیں نجات ملے چین پائیں ہم
دل خون میں نہائے تو گنگا نہائیں ہم

ممکن ہے یہ کہ وعدے پر اپنے وہ آ بھی جائے
مشکل یہ ہے کہ آپ میں اس وقت آئیں ہم

یہ اور کوئے یار کا چکر زہے نصیب
لیتے ہیں اپنے پانوں کی اکثر بلائیں ہم

سونپا تمھیں خدا کو چلے ہم تو نامراد
کچھ پڑھ کے بخشنا جو کبھی یاد آئیں ہم

یہ جان تم نہ لوگے اگر آپ جائے گی
اس بے وفا کی خیر کہاں تک منائیں ہم

تو بھولنے کی چیز نہیں خوب یاد رکھ
اے داغ کس طرح تجھے دل سے بھلائیں ہم

جس وقت آئے ہوش میں کچھ بے خودی سے ہم
کرتے رہے خیال میں باتیں اُسی سے ہم

نقش قدم پہ آنکھیں ملیں مل کے چل دیے
کیا اور خاک لے گئے تیری گلی سے ہم

یوسف کہا جو ان کو تو ناراض ہوگئے
تشبیہ اب نہ دیں گے کسی کو کسی سے ہم

کئی دن ہوئے ہیں ہاتھ میں ساغر لیے ہوئے
کس طرح توبہ کرلیں الٰہی ابھی سے ہم

غیروں سے التفات پہ ٹوکا تو یہ کہا
دنیا میں بات بھی نہ کریں کیا کسی سے ہم

مانوس ہو نشاط و سرور و خوشی سے تم
حیرت سے ہم ملال سے ہم بے کسی سے ہم

کمبخت دل نے داغ کیا ہے ہمیں تباہ
عاشق مزاج ہوگئے آخر اسی سے ہم

ملے شباب میں ہر ایک گلعذار سے ہم
لٹے بہار کے موسم میں کس بہار سے ہم

وہ بات ہے کہ نہ ہو جس میں کوئی مجبوری
وہ کام ہے جو کریں اپنے اختیار سے ہم

کیے جو ضبط بھی آنسو بجھی نہ دل کی لگی
جلے ہوئے ہیں بہت چشم اشک بار سے ہم

رقیب اور وفادار پھر یقین اس کا
مٹے ہوئے ہیں ترے رنگ اعتبار سے ہم

کچھ اور وجہ نہیں ترک عشق کی اے داغ
کریں گے تو یہ مگر شرم روزگار سے ہم

لب سے دشنام تو وہ دل سے دعا دیتے ہیں
گھول کر زہر مجھے آب بقا دیتے ہیں

مجھ سیہ کار کو لے جاتے ہیں کیوں دوزخ میں
کس خطا پر یہ جہنم کو سزا دیتے ہیں

دم چراتے ہیں کہیں جان کے دینے والے
آنکھ لڑتے ہی یہاں جان لڑا دیتے ہیں

آکے بازار محبت میں ذرا سیر کرو
لوگ کیا کرتے ہیں کیا لیتے ہیں کیا دیتے ہیں

اس کو کہتے ہیں یہی باد ہوائی ہے جواب
خط کے پرزے مری جانب وہ اڑا دیتے ہیں

کعبے والوں نے تو اے داغ دیا صاف جواب
اہل بت خانہ ہمیں دیکھیے کیا دیتے ہیں

تم شہرت جمال سے کس جا کہاں نہیں
میں اضطراب دل سے جہاں ہوں وہاں نہیں

اے موت تو نے دیر لگائی ہے کس لیے
عاشق کا امتحان ہے ترا امتحاں نہیں

ایسا خط ان کو راہ میں ملتا ہے روز ایک
جس میں کسی کا نام کسی کا نشاں نہیں

غیروں کا اختراع و تصرف غلط ہے داغ
اردو ہی وہ نہیں جو ہماری زباں نہیں

لوگ دکھ درد بھرتے جاتے ہیں
اپنی کرنی وہ کرتے جاتے ہیں

وہم ان کو گزرتے جاتے ہیں
ہٹتے جاتے ہیں ڈرتے جاتے ہیں

کام بگڑے ہوئے تھے سب اپنے
بارے اب کچھ سنورتے جاتے ہیں

مجھ سے ہے بزم میں تغافل بھی
کچھ اشارے بھی کرتے جاتے ہیں

کرتے جاتے ہیں مے کشی بھی داغ
پھر خدا سے بھی ڈرتے جاتے ہیں

دلربا جانتے دل لینے کے فن لاکھوں ہیں
ان کے انداز ہزاروں میں چلن لاکھوں ہیں

چار آنسو مری میت پر کسی کے نہ گرے
مسکرانے کے لیے غنچہ دہن لاکھوں ہیں
بات وہ ہے جو دل میں اثر کر جائے
یوں تو کہنے کے لیے اہل سخن لاکھوں ہیں
سرخ رو دیکھیے کس کس کو کرے گا قاتل
سر سے باندھے ہوئے مقتل میں کفن لاکھوں ہیں
داغ دلّی سے نکل کر رہے سب کے دل میں
اس غریب الوطنی میں بھی وطن لاکھوں ہیں

گذریں نظروں سے ہزاروں گوری کالی صورتیں
اس مرقع کی ہیں اکثر دیکھی بھالی صورتیں
دیکھنا دیکھے مری آنکھوں سے کوئی حسن کا
اچھی اچھی دیکھ ڈالیں حسن والی صورتیں
ہم نے پھر کر سیر دیکھی خوب رویوں کی بہت
وہ جنوبی ہیں کہاں جو ہیں شمالی صورتیں
دیکھتے ہی دیکھتے گزرا طلسماتِ جہاں
دیکھیے ہیں اور کیا پیش آنے والی صورتیں
عشق بازی میں نئے حاصل ہوئے ہیں تجربے
داغ نے دیکھی ہیں دنیا سے نرالی صورتیں

عجب عشق دونوں کے پیارے ہوئے ہیں
کہ شہرے ہمارے تمھارے ہوئے ہیں
خبر ہے ہمیں جس سے محفل میں شب کو
نگاہیں لڑی ہیں اشارے ہوئے ہیں

اپنے ہی ہاتھ سے سر اپنا قلم کرتے ہیں
تم سے جو ہو نہیں سکتا وہ ہم کرتے ہیں

روز کرتے ہو بہانے تمھیں ہم جانتے ہیں
کوئی جانے کہ نہ جانے تمھیں ہم جانتے ہیں
عشق حصہ ہے ہمارا اسے تم جانتے ہو
حسن بخشا ہے خدا نے تمھیں ہم جانتے ہیں
داغ کا قصۂ غم سن کے یہ ظالم نے کہا
یاد ہیں جھوٹے فسانے تمھیں ہم جانتے ہیں

یہ ہوگا روز جدائی تمام بھی کہ نہیں
دکھائی دے گی کبھی اس کی شام بھی کہ نہیں
جواب ہم نہیں سنتے بتا یہ اے قاصد
ہوا قبول ہمارا سلام بھی کہ نہیں
یہ کہہ کے مجھ کو کیا قائل ان کے دربان نے
وہ اپنے گھر کا کریں انتظام بھی کہ نہیں

مرا نشان زمانہ مٹائے دیتا ہے — جہاں میں دیکھیے رہتا ہے نام بھی کہ نہیں
ہمارے صبر پہ کیوں آپ طعنہ دیتے ہیں — ہم اپنے دل کی کریں روک تھام بھی کہ نہیں

ہائے دو دل جو کبھی مل کے جدا ہوتے ہیں — نہیں معلوم وہ کیا کرتے ہیں کیا ہوتے ہیں
اس کی تصویر کی شوخی یہ کہے دیتی ہے — کبھی بے باک بھی پابند حیا ہوتے ہیں

خالی شرارتوں سے یہ طرز حیا نہیں — کیا جانے کوئی دل میں ترے کیا ہے کیا نہیں

آئے بھی ہیں بیٹھے بھی ہیں جاتے بھی نہیں ہیں — مجھ پر یہ کرم اُن کے دم باز پسیں ہیں
کیوں کیجیے تحقیق کہ وہ بر سر کیں ہیں — گر ہیں تو بلا سے نہیں ہیں تو نہیں ہیں
اچھا ہے اگر ان کی صفائی تمھیں کردو — کچھ وہم کی باتیں جو مرے ذہن نشیں ہیں
دربان کو ملا کر جو پکارا انھیں میں نے — خود کہنے لگے کون ہے وہ گھر میں نہیں ہیں
اے بے خودی شوق ہماری ہے یہ ہستی — دنیا میں ہیں اس طرح کہ دنیا میں نہیں ہیں

شرما کے ذکر غیر پہ گھبرائے جاتے ہیں — پھر آپ میرے سر کی قسم کھائے جاتے ہیں
وقت دعا یہ حال ہے خوف گناہ سے — دل کانپتا ہے ہاتھ بھی تھرائے جاتے ہیں
سنتا ہی ان کی کون بھلا شوق وصل میں — آتا ہے جو زبان پہ فرمائے جاتے ہیں
سمجھے نہ وہ بلا سے ہمیں اس پہ ناز ہے — عاشق برائے نام تو کہلائے جاتے ہیں
اے داغ تھی پسند ہمیں جن کی سادگی — زیور اب ان کے واسطے بنوائے جاتے ہیں

یہ طرفہ تماشا ہے نہیں چین سے گھر میں — بیٹھے ہوئے پھرتے ہو زمانے کی نظر میں
یہ شوخی رفتار نہیں بیٹھنے دیتی — فتنے بھی ہیں بے چین تیری راہ گذر میں
میں جلوے سے بے ہوش وہ فرماتے ہیں ڈر کر — لایا کوئی جادو کا یہ پتلا مرے گھر میں

تم جانتے ہوں داغ نظر باز ہے کیسا — کیا تاڑ لیا اس نے تمھیں ایک نظر میں

غصّے کے طور میں نگہ شرمسار میں — کیا جانے کہہ دیا انھیں کیا ہم نے پیار میں
مۓ خوار کی نگاہ نے ہنگامِ مۓ کشی — نشتر چبھو دیا رگ ابر بہار میں
میں یاد کرسکوں نہ فرشتے ہی لکھ سکیں — وہ کیوں کمی کرے ستم بے شمار میں
سفاک غمزہ جو رنگہ آنکھ راہ زن — پھر آپ بھی شریک ہیں اس لوٹ مار میں
اے داغ جبر و صبر کا دعویٰ غلط غلط — عاشق کا دل رہا ہے کہیں اختیار میں

غیر کے ساتھ مرے قتل کا ساماں کیوں ہے — جو اٹھائے نہ اٹھے مجھ سے وہ احساں کیوں ہے
کچھ تو ہے بات کسی کی تو ہے آمد آمد — ورنہ یوں گھر میں ترے عید کا ساماں کیوں ہے

ہم باوفا ہیں یہ کسی نادان سے کہو — ایمان کی جو بات ہے ایمان سے کہو
یہ کیا کہا کہ ہم نہیں کہتے تجھے بُرا — کس کس سے کہہ چکے ہو تم ایمان سے کہو
تن تن کے آئینے سے کہی ہے جو تم نے بات — مجھ سے بھی اس ادا سے اسی شان سے کہو
کیوں اس نے رکھ لیا یہ مزا دل سے پوچھ لو — کیوں دل میں رہ گیا ہے یہ پیکان سے کہو
کہتا ہوں حال دل، تو وہ کہتے ہیں بار بار — کچھ ہوش سے حواس سے ایمان سے کہو
جس آرزو سے ہم نے کیا حرف مدعا — تم بھی ذرا کرے اسے ارمان سے کہو
مشرب تمھارا عشق ہے ہم جانتے ہیں داغ — کافر سے تم کہو نہ مسلمان سے کہو

اسی کے ساتھ میں بھی ہوں یہ لے جائے جہاں مجھ کو — نہ چھوڑوں آسماں کو میں نہ چھوڑے آسماں مجھ کو
ادھر جاؤں ادھر جاؤں کدھر جاؤں یہ حالت تھی — جب اپنے در پہ اس نے دیکھ پایا ناگہاں مجھ کو
زباں پر داغ کی کس ناز سے آتا ہے یہ مصرع — ملا ہے شاہ آصف جاہ میرا قدر داں مجھ کو

کہوں کیوں کر کہ دنیا میں تمھیں بے مثل دیکھا ہو   زمانہ دیکھ ڈالا ہے مری آنکھوں نے تم کیا ہو
تمھیں ہم دوست کیا جانیں تمھیں ہم دوست کیا مانیں   زمانہ ہی نہیں اس کا کہ اب کوئی کسی کا ہو
کہا جب شعلہ رو اُن کو ملا الزام یہ مجھ کو   عجب اس کا نہیں گر تو میری صورت سے جلتا ہو
برائی غیر کی کرتے ہو تم اچھا نہیں کرتے   برا وہ مان جائیں داغ یہ سن کر تو اچھا ہو

ہماری قبر پر دو پھول ڈالتے جاؤ   کسی غریب کی حسرت نکالتے جاؤ
عجیب لطف ہے اس گفتگو کا کیا کہنا   برا عدو کو کہو مجھ پہ ڈھالتے جاؤ
وہ ان کے خط میں ہیں مضمون کہ جب کبھی دیکھو   ہزار طرح کے پہلو نکالتے جاؤ
مجھے نکالنے آئے ہو اپنے کوچے سے   نکلنے والے کو دوزخ میں ڈالتے جاؤ

نہ تھی تاب اے دل تو کیوں چاہ کی   بڑا تیرا مارا اگر آہ کی
تم آنا ہمارے جنازے کے ساتھ   یہ تکلیف کرنا خدا راہ کی

یہ کیا کہا کہ میری بلا بھی نہ آئے گی   کیا تم نہ آؤ گے تو قضا بھی نہ آئے گی

وفا پر مجھے بددعا مل رہی ہے   خطا کی تھی اس کی سزا مل رہی ہے
بدلتا نہیں حال بیمار غم کا   بدل کر دوا پر دوا مل رہی ہے
چبانے لگے ہونٹ وہ بوسہ دے کر   یہ جھوٹے کو اچھی سزا مل رہی ہے
مرے واسطے بزم دشمن میں ساقی   مئے ناب میں سنکھیا مل رہی ہے
ملو داغ سے تم بھی ہے عید کا دن   گلے آج خلق خدا مل رہی ہے

وہ مصروف ناز و ادا ہو رہا ہے   بڑی دیر سے یہ مزہ ہو رہا ہے
دھڑکتا ہے دل کانپتا ہے کلیجہ   ادا اس طرح مدعا ہو رہا ہے
مری بدگمانی کا اب کیا ٹھکانا   قسم کھا کے عہد وفا ہو رہا ہے

ستم ہو جو کم کم تو ہم سہتے جائیں — مگر وہ تو بے انتہا ہو رہا ہے
جگت آشنا داغ ملتا تھا سب سے — مگر اب تو وہ آپ کا ہو رہا ہے

گر ہو سلوک کرنا انسان کر کے بھولے — احسان کا مزا ہے احسان کر کے بھولے
وعدہ کیا پھر اس پر تم نے قسم بھی کھائی — کیا بھول ہے کہ ایسا پیمان کر کے بھولے
اپنے کیے پہ نازاں ہو آدمی نہ ہرگز — طاقت ہو یا اطاعت انسان کر کے بھولے
تم سے وفا جو کی ہے ہم سے خطا ہوئی ہے — ایسا قصور کیوں کر انسان کر کے بھولے
اے داغ اپنا احسان رکھے گا یاد قاتل — وہ اور میری مشکل آسان کر کے بھولے

کب مجھے دیکھ کے تلوار نکالی نہ گئی — جب نکالی تو نزاکت سے سنبھالی نہ گئی
وار پورا ہی پڑا اس کا دلِ عاشق پر — چوٹ تیغ نگہ یار کی خالی نہ گئی
شکر کو شکوہ بیداد سمجھ کر بگڑے — میں نے دی تم کو دعا تم سے دعا لی نہ گئی

اک وار جگر پر نگہ یار سے ہو جائے — تلوار کا جو کام ہے تلوار سے ہو جائے
رستے میں بھی تھمتا نہیں زاہد کا وظیفہ — مڈبھیڑ الٰہی کسی مئے خوار سے ہو جائے
اے داغ اُسے لطف و عنایت کا مزا کیا — جس دل کو محبت ستم یار سے ہو جائے

ہجر جاناں میں گئی جان بڑی مشکل سے — میری مشکل ہوئی آسان بڑی مشکل سے
ضعف تھا مانع آرائش وحشت کیا کیا — ہاتھ آیا ہے گریبان بڑی مشکل سے
لے گئے کھینچ کے بت خانے سے ہم مسجد میں — کل ہوا داغ مسلمان بڑی مشکل سے

یہ خاموشی تری اے دل رُبا کچھ اور کہتی ہے — نگہ کچھ اور کہتی ہے ادا کچھ اور کہتی ہے

خطا بھی اس کی کچھ کیوں قطع کرتے بدزبان میری
جو کہنے کی ہے کہتی ہے یہ کیا کچھ اور کہتی ہے

وہی تم تھے کہ چلتے تھے کہے پر دوست داروں کے
مگر ہاں اب زمانے کی ہوا کچھ اور کہتی ہے

وہ کہتے ہیں برا کیوں مانیں ہم بے مہر کہنے کا
یہی کہتی ہے دنیا ہم کو یا کچھ اور کہتی ہے

مئے معشوق سے توبہ کرے گا داغ تو توبہ
تری نیت تو اے مرد خدا کچھ اور کہتی ہے

کدورت دل کی جو فریاد کرنے سے نکالی ہے
وہ کہتے ہیں محبت پر ہماری خاک ڈالی ہے

ہماری توبہ زاہد کی جوانی دونوں بے کس ہیں
نہ کوئی اس کا وارث ہے نہ کوئی اس کا والی ہے

دل مضطر کو تھامے پھر رہا ہوں میں شب فرقت
نہ میرے پاؤں خالی ہیں نہ میرا ہاتھ خالی ہے

تیرا کینہ نہ کھلتا تھا ذرا انصاف کر ظالم
تری باتوں سے دل کی بات چن کر ہم نے کیا لی ہے

لب معجز نما سے گالیاں دی ہیں جو ہنس ہنس کر
مری تصویر میں بھی تم نے گویا جان ڈالی ہے

کبھی ہے اس کی چوکھٹ پر کبھی ہے اس کے قدموں پر
ازل سے میری پیشانی بڑی تقدیر والی ہے

تجاہل کہہ رہا ہے جانتے ہیں مجھ کو وہ عاشق
تغافل کہہ رہا ہے آنکھ مجھ سے ملنے والی ہے

نئے انداز کا خط ہم نے لکھا دیکھیے کیا ہو
بھرے ہیں سینکڑوں مضمون جگہ مطلب کی خالی ہے

نظام الملک نے اے داغ اس فن کو کیا زندہ
کہ اس کی قدر دانی نے سخن میں جان ڈالی ہے

کوئی تو محبت میں مجھے صبر ذرا دے
تیری تو مثل وہ ہے نہ میں دوں نہ خدا دے

کرتا ہے رقیب ان کی شکایت مرے آگے
ڈرتا ہوں کہ مل کر نہ کہیں مجھ کو دغا دے

اقرار کیا ہے لب شیریں سے کسی نے
جو بات مزے کی ہو وہ کیوں کر نہ مزا دے

ان جلوہ فروشوں سے تو سودا نہیں بنتا
جب مول نہ ٹھہرے کوئی کیا لے کوئی کیا دے

اللہ کی کیا شان کریمی ہے کہ اے داغ
جو اس سے طلب کیجیے وہ اس سے سوا دے

جور ہم پر یار جو چاہے کرے
دل سے ہیں ناچار جو چاہے کرے

ہم کو کیا مطلب کریں کیوں آرزو
حسرت دیدار جو چاہے کرے

پہلے شاہد باز ہو پھر آدمی
توبہ استغفار جو چاہے کرے

کوئی ہے پامال کوئی سرفراز   حسن کی سرکار جو چاہے کرے
داغ جب آزاد ٹھہرا کیا گلا   ہے وہ خود مختار جو چاہے کرے

اب داغ کے احوال سے مطلب تمھیں کیا ہے   اچھا ہے تو اچھا ہے برا ہے تو برا ہے
تو بات ذرا کھول کہ میں آنکھ سے دیکھوں   دل ہے کہ ستم گر تری مٹھی میں قضا ہے
مے خانے کو جاتا تھا چھپے چوری سے زاہد   للکار کے میں نے بھی کہا دیکھ لیا ہے
یہ مجھ سے کہا شکوہ بیداد پہ اس نے   تجھ کو کسی معشوق سے پالا بھی پڑا ہے
آرام سا آرام دیا داغ کو دن رات   آباد رہیں حضرت آصف یہ دعا ہے

یہ دل لگی بھی قیامت کی دل لگی ہوگی   خدا کے سامنے جب میری آپ کی ہوگی
وہاں بھی تجھ کو جلائیں گے تم جو کہتے ہو   خبر نہ تھی مجھے جنت میں آگ بھی ہوگی
سلیقہ چاہیے عادت ہے شرط اس کے لیے   اناڑیوں سے نہ جنت میں مے کشی ہوگی
ہمارے کان لگے ہیں تری خبر کی طرف   پہنچ ہی جائے گی جو کچھ بری بھلی ہوگی
بہت جلائے گا حوروں کو داغ جنت میں   بغل میں اس کے وہاں ہند کی پری ہوگی

اس چوٹ کو پوچھے کوئی اس خستہ جگر سے   اترا جو ترے دل سے گرا تیری نظر سے
میری نہ بجھی پیاس تو جھنجھلا کے سر بزم   ساقی نے سبو کھینچ کے مارا مرے سر سے
جانا کہ جلائے گا رقیبوں سے یہ مل کر   وہ بزم میں جا بیٹھے الگ داغ کے ڈر سے

عاشق متحمل نہ ہوئے قہر و غضب کے   بیٹھے رہو اب صبر سمیٹے ہوئے سب کے

کچھ لاگ کچھ لگاؤ محبت میں چاہیے   دونوں طرح کا رنگ طبیعت میں چاہیے

ہم تو نالے بھی کیا کرتے آہوں کے سوا   آپ کے پاس نہیں تیر نگاہوں کے سوا

نگہ دوست کا جب ہم نے اشارہ پایا　　بزم دشمن میں ٹھہرنے کا سہارا پایا

مست مے حسن ہوگئے ہم　　زانوں پہ کسی کے سو گئے ہم

گیلے ہیں بال آئے کہیں سے نہا کے تم　　آنکھوں میں خاک ڈالتے ہو خاک اُڑا کے تم

لکۂ ابر گھر بار چلے آتے ہیں　　بھیگتے بھاگتے میخوار چلے آتے ہیں

کیے وعدے وفا کس دن یہ دھوکے ہیں یہ گھاتیں ہیں　　جو تم کہتے ہو وہ کرتے نہیں باتیں ہی باتیں ہیں

میخوار مفلسی میں مناتے ہیں خواہشیں　　ٹوٹے ہوئے پیالے سے جھوٹی شراب سے
کافی ہو آئینے میں جو دیکھے وہ چشم مست　　اس نازنیں کو شوق ہے ہلکی شراب سے

ہمارے پاس جو بیٹھے تو کسمسا کے اٹھے　　چرا کے آنکھ وہ اپنا بدن چرا کے اٹھے

بعد حجت کے وہ آئے تو ملاقات ہوئی　　مختصر قصہ ہوا آج بڑی بات ہوئی

توبہ کے بعد اپنا کیا دل ترس رہا ہے　　بادل گرج رہا ہے پانی برس رہا ہے

آئے تھے کیا رقیب کے گھر سے لڑے ہوئے　　تم میرے پاس بیٹھتے ہی اٹھ کھڑے ہوئے

انتخاب
ضمیمۂ یادگار داغ

ہم تو نالے بھی کیا کرتے ہیں آہوں کے سوا
آپ کے پاس ہیں کیا تیر نگاہوں کے سوا

میں نہیں کاتب اعمال کا قائل یارب
اور بھی ہے کوئی ان دونوں گواہوں کے سوا

خانہ عشق ہے منزل انھیں مہمالوں کی
اور اس گھر میں دھرا کیا ہے بتاہوں کے سوا

ظلمت بخت مری تیرگئی زلف تری
کوئی بڑھ کر نہیں ان دونوں سیاہوں کے سوا

نہ سنے داورِ محشر تو کروں کیا اے داغ
سب سے اظہار ہوئے میرے گواہوں کے سوا

اس دل کو کیا اس نے یہ خوشحال نہ نکلا
ہم جس کے خریدار تھے وہ مال نہ نکلا

آئے تھے عیادت کے لیے غیر کو لے کر
پچھتائے وہ میرا جو برا حال نہ نکلا

ہم اختر تاباں سے شب وصل ملاتے
اس روئے منور پہ کوئی خال نہ نکلا

میں داورِ محشر سے یہ پوچھوں گا الٰہی
کیا کچھ بھی غلط نامۂ اعمال نہ نکلا

وہ اس لیے آئے تھے کہ ہم داغ کو لوٹیں
ہر چند ٹٹولا کیے کچھ مال نہ نکلا

اٹھتے ہیں آج صبح کو منہ کس کا دیکھ کر
توڑا ہے آئینے کو وہ بیزار سب سے ہیں

دیکھیے ان سے ملاتا ہے خدا کون سے دن — کون سی رات ہو مقبول دعا کون سے دن
اے نجومی تجھے دعویٰ ہے تو یہ حکم لگا — کون سے وقت ملیں گے وہ بتا کون سے دن
تمھیں منصف ہو کوئی راہ کہاں تک دیکھے — وعدہ وصل کیا یہ نہ کھلا کون سے دن
ان کا برتاؤ نرالا ہے یہ کھلتا ہی نہیں — مہرباں کون سے دن ہیں وہ خفا کون سے دن
داغ سے عید کے دن بھی نہ ملے وہ آ کر — یہ گیا وقت پھر آئے گا بھلا کون سے دن

طور بے طور ہوئے جاتے ہیں — وہ تو کچھ اور ہوئے جاتے ہیں
یہ عنایت پہ عنایت ہے ستم — لطف بھی جور ہوئے جاتے ہیں
اب تو بیمار محبت تیرے — قابل غور ہوئے جاتے ہیں
دیر ہے حکم کی ہم تم پہ فدا — ابھی فی الفور ہوئے جاتے ہیں
التجا بھی ہے شکایت گویا — وہ خفا اور ہوئے جاتے ہیں

فتنہ گر آنکھ تھی وہ زلف دوتا اور ہوئی — یہ وبال دل و جان ایک بلا اور ہوئی
عاشقوں کا بھی وہ اندازِ طبیعت نہ رہا — پہلے کچھ اور تھی اب رسم وفا اور ہوئی

نہ تھی تاب اے دل تو کیوں چاہ کی — بڑا تیرا مارا اگر آہ کی
تم آنا ہمارے جنازے کے ساتھ — یہ تکلیف کرنا خدا راہ کی
نہیں بے سبب ان بتوں کو غرور — کچھ اس میں بھی حکمت ہے اللہ کی
مرے دل میں برچھی چبھو کر کہا — خبردار تو نے اگر آہ کی
یہ سمجھائے دیتے ہیں اے داغ ہم — اطاعت کیے جاؤ تم شاہ کی

یہ جرم وفا پر مجھے ارشاد ہوا ہے بخشے جو تجھے بخشنے والے کی خطا ہے
اب داغ کے احوال سے مطلب تمھیں کیا ہے اچھا ہے تو اچھا ہے برا ہے تو برا ہے
تو ہاتھ ذرا کھول کہ میں آنکھ سے دیکھوں دل ہے کہ ستمگر تری مٹھی میں قضا ہے
میخانے میں فتویٰ ہے یہی پیر مغاں کا سب عہد جوانی میں جوانوں کو روا ہے
آرام سا آرام دیا داغ کو دن رات آباد رہیں حضرت آصف یہ دعا ہے

چلے آتے ہی ایسے بیقرار آئے تو کیا آئے کہ گھوڑے پر ہوا کے تم سوار آئے تو کیا آئے
بہت تکلیف پائی ہے بہت صدمے اٹھائے ہیں طبیعت اب کہیں بے اختیار آئے تو کیا آئے
ہماری بات کیا سمجھے گا تو اے ناصح ناداں سمجھ میں تیری اے ناکردہ کار آئے تو کیا آئے
لگا رکھنا تمھیں آتا نہیں بس ہے کسر اتنی تمھارے دم میں کوئی بار بار آئے تو کیا آئے
سوال عشق کرنا تھا کہ عاشق کو مزا آتا فرشتے پوچھنے زیر مزار آئے تو کیا آئے
نہیں اٹھتیں نگاہیں شرم سے کیا تیر مارو گے تمھارے ہاتھ اب دل کا شکار آئے تو کیا آئے
تمھاری بزم میں دیکھا نہ ہم نے داغ سا کوئی جو سو آئے تو کیا آئے ہزار آئے تو کیا آئے

خاک اُس سے عشق نے چھنوائی تھی دشت میں مجنوں کی مٹی لائی تھی

آئینہ رکھ کے یہی بات ہوا کرتی ہے آمنے سامنے دن رات ہوا کرتی ہے
غم کھلاتے ہیں وہ مہمان بلا کر مجھ کو یہ ضیافت یہ مدارات ہوا کرتی ہے
داغ صاحب سے کبھی گرم تھی صحبت دن رات اب تو برسوں میں ملاقات ہوا کرتی ہے

یہ بات بات میں کیا نازکی نکلتی ہے دبی دبی تیرے لب سے ہنسی نکلتی ہے
بجائے شکوہ بھی دیتا ہوں میں دعا اس کو مری زبان سے کروں کیا وہی نکلتی ہے

خوشی میں ہم نے یہ شوخی کبھی نہیں دیکھی — دم عتاب جو رنگت تری نکلتی ہے
جھلکتی ہے سر شاخ مژہ سے خون کی بوند — شجر میں پہلے ثمر سے کلی نکلتی ہے
شب فراق جو کھولے ہیں ہم نے زخم جگر — یہ انتظار ہے کب چاندنی نکلتی ہے
کہا جو میں نے کہ مر جاؤں گا تو کہتے ہیں — ہمارے زائچہ میں زندگی نکلتی ہے
سمجھنے والے سمجھتے ہیں پیچ کی تقریر — کہ کچھ نہ کچھ تیری باتوں میں نئی نکلتی ہے
صنم کدے میں بھی ہے حسن اک خدائی کا — کہ جو نکلتی ہے صورت پری نکلتی ہے
غم فراق میں ہو داغ اس قدر بے تاب — ذرا سے رنج میں جان آپ کی نکلتی ہے

ہمت کا ہارنا نہ مصیبت میں چاہیے — تھوڑا سا حوصلہ بھی طبیعت میں چاہیے
آ جائے راہ راست پہ کافر ترا مزاج — ایک بندۂ خدا تیری خدمت میں چاہیے
طوبیٰ ہو یا ہو سرو ترا بانکپن کہاں — انداز بھی تو کچھ قد و قامت میں چاہیے
یہ عشق کا ہے گھر کوئی دارالامان نہیں — ہر روز واردات محبت میں چاہیے
معشوق کے کہے کا برا مانتے ہو داغ — برداشت آدمی کی طبیعت میں چاہیے
جلوے کا تیرے نور بصارت میں چاہیے — ایسا چراغ راہ محبت میں چاہیے
دیوانہ میں نہیں ہوں جو دیکھوں بہار باغ — اس کو تو دیکھنا تری صورت میں چاہیے
عمر دراز خضر کو کیوں ہو گئی عطا — یہ تو مجھے کسی کی محبت میں چاہیے
اپنا بھی کام نکلے وہ ناراض بھی نہ ہوں — ایسے مزے کی بات شکایت میں چاہیے
اے داغ دیکھتے ہیں وہ عہد نظام میں — جو انتظام طرز حکومت میں چاہیے

عاشق متحمل نہ ہوئے قہر و غضب کے — بیٹھے رہو اب صبر سمیٹے ہوئے سب کے
شعلے دل پرسوز سے اٹھتے ہیں غضب کے — یہ آگ نہیں وہ جو رہے خاک میں دب کے

اللہ رے کیا پاس رقیبوں کا ہے تم کو　　محشر میں طرفدار ہوئے جاتے ہیں سب کے
بے وجہ کسی پر کوئی عاشق نہیں ہوتا　　ہم عالم اسباب میں قائل ہیں سبب کے
دربار سلاطین تو نہیں آپ کی محفل　　عاشق بھی کہیں رہتے ہیں پابند ادب کے
سن سن کے مرا حال وہ بولے تو یہ بولے　　یہ جھگڑے ہیں کس وقت کے یہ قصے ہیں کب کے
سوتے نہیں اس وہم سے وہ بستر گل پر　　ڈالیں تنِ نازک پہ نشاں پھول نہ دب کے
مجھ کو تو شب وصل میں اس وہم نے گھیرا　　تجھ سے یوں ہی ارماں نکل جائیں گے سب کے
اب عاقبت کار کی تم خیر مناؤ　　بس داغ مزے لوٹ چکے عیش طرب کے

دل جو ناکام ہوا جاتا ہے　　شوق کا کام ہوا جاتا ہے
دل بیمار میں چٹکی لے لو　　ابھی آرام ہوا جاتا ہے
آج کل کثرت عشاق سے عشق　　شیوہ عام ہوا جاتا ہے
دیکھ کر مست وہ کافر آنکھیں　　خون اسلام ہوا جاتا ہے
داغ کے پاس جو آؤ تو ابھی　　دور الزام ہوا جاتا ہے

خلشِ عاشقی نہیں جاتی　　نہیں جاتی کبھی نہیں جاتی
بددُعا سن رہی ہے کیوں شب غم　　سامنے سے چلی نہیں جاتی
اڑتی رہتی ہے گو ہماری خاک　　چھوڑ کر وہ گلی نہیں جاتی
جلوۂ یار سامنے ہے مگر　　شوق کی بے خودی نہیں جاتی
وقت آخر ہوا مگر اے داغ　　ہوسِ زندگی نہیں جاتی

میرے پیامبر سے انھیں برہمی ہوئی　　یا رب کسی کی بات نہ بگڑے بنی ہوئی
ہاں ہاں ذرا نگہ سے نگہ دل سے دل لڑے　　یا چوٹ آپ پر ہوئی یا آپ کی ہوئی
کہتا ہوں آج اور نئی اپنی داستاں　　تم کو مزا نہ دے گی کہانی سنی ہوئی
تم ذکر پر رقیب کے شرمائے جاتے ہو　　یہ بات کہہ کے خود مجھے شرمندگی ہوئی
کی چھیڑ چھاڑ داغ نے تم سے برا کیا　　اب درگذر کرو کہ خطا جو ہوئی ہوئی

شوخی سے قرار اس کو کہیں دل میں نہیں ہے　　یہ چاند وہ ہے جو کسی منزل میں نہیں ہے
رکھنے دے مجھے ہاتھ کہ میں سوزِ محبت　　دیکھوں تو سہی ہے کہ ترے دل میں نہیں ہے

انتخاب دیوان
رسا

کون سا عشق بتاں میں ہمیں صدمہ نہ ہوا　　درد فرقت نہ ہوا غم نہ ہوا کیا نہ ہوا
غیر نے بات تو کی بات تو پوچھی میری　　خیر سے تم کو تو اتنا بھی سلیقا نہ ہوا
محو حیرت ہیں تو دونو ہیں تری محفل میں　　ہم سے پردا ہوا آئینے سے پردا نہ ہوا
ان کی یہ خوبیِ اخلاق کہ وعدہ تو کیا　　میری یہ شومیِ تقدیر کہ ایفا نہ ہوا
جذبۂ عشق سے ہم ان کو بلا لیتے رسا　　یہ بھی کمبخت طبیعت کو گوارا نہ ہوا

جس طرف دیکھیے انبوہ ہے غم خواروں کا　　ناک میں دم ہے ستمگر ترے بیماروں کا
ناز سے جنبش ابرو پہ کسی کا کہنا　　وار روکے کوئی چلتی ہوئی تلواروں کا
حشر کے روز بھی اپنا نہیں کوئی افسوس　　کچھ ٹھکانا ہے رسا ان کے طرفداروں کا

ساقی جو دیے جائے یہ کہہ کر پیے جا　　تو میں بھی پیے جاؤں یہ کہہ کر کہ دیے جا
جانے کی جو ضد ہے تو مجھے زہر دیے جا　　اتنا تو کہا مان لے اتنا تو کیے جا
کچھ اور نہ کر مجھ پہ جفائیں تو کیے جا　　کچھ اور نہ لے میری دعائیں تو لیے جا

کیا لذت تعزیر نے مجبور کیا ہے — آتا ہے یہی جی میں کہ تقصیر کیے جا
کمبخت رسا تیری رسائی نہیں ان تک — تو خوب سا اس نام کو بدنام کیے جا

ان کی خلوت میں رسا بھی ہوگا — کبھی یوں حکمِ خدا بھی ہوگا
مجھ پہ جو تو نے ستم ڈھایا ہے — کہیں دنیا میں ہوا بھی ہوگا
صبر والوں کا بھی دن آئے گا — ایک دن روز جزا بھی ہوگا
آپ سا کوئی نہیں دنیا میں — آپ نے یہ تو سنا بھی ہوگا
محفل شعر میں ہو آئیں چلو — آج سنتے ہیں رسا بھی ہوگا

راس آیا ہے مجھے وحشت میں مرجانا مرا — وہ مجھے روئے یہ کہہ کر ہائے دیوانہ مرا
غیر کو ساقی نے جب بھر کر دیا جام شراب — آنسوؤں سے ہوگیا لبریز پیمانہ مرا
میرے رونے پر وہ ان کا مسکرانا بار بار — اور بلائیں لے کے وہ قدموں پہ گر جانا مرا
حضرت ناصح کی باتیں میں سمجھتا ہی نہیں — نا سمجھ ہیں دل لگی سمجھے ہیں سمجھانا مرا
اے رسا وہ بھی شریک محفل ماتم ہوئے — خضر بھی مرتے ہیں جس پر وہ ہے مرجانا مرا

ہم نے کچھ تم سے کہا تھا جو سمجھ کر اپنا — ہائے قسمت وہی افسانہ ہے گھر گھر اپنا
جب کسی کا کوئی ارمان نکلتے دیکھا — حسرت دل نے کہا ہائے مقدر اپنا
اف ری نخوت دم رفتار وہ جل جاتے ہیں — سایہ جب دیکھتے ہیں اپنے برابر اپنا
داغ فرقت ہے جدا زخم محبت ہے جدا — دل دکھایا نہیں جاتا ہے ستمگر اپنا

جی چاہا جدھر چھوڑ دیا تیر ادا کو — چٹکی میں اڑائے ہوئے پھرتے ہیں قضا کو
سجدوں کا بھی موقع نہ رہا اہل وفا کو — پھر پھر کے مٹاتے ہیں وہ نقش کف پا کو
جب پاتے ہیں سر دھنتے ہی پاتے ہیں رسا کو — سمجھائے کہاں تک کوئی اس مرد خدا کو

یوں ہم نے چھپائی ہے تیرے وصل کی حسرت　　جس طرح چھپاتا ہے خطاوار خطا کو
اب چھوڑ رسا عشق بتاں دیکھ کہا مان　　کمبخت تجھے منہ بھی دکھانا ہے خدا کو

کرتا ہوں نذر قدر دلِ زار بھی تو ہو　　کھوٹے کھرے کو چشم خریدار بھی تو ہو
بہر عیادت آئے وہ میری تو یہ کہا　　دیکھیں کسی کو کیا کوئی بیمار بھی تو ہو
تم کو کریں وہ قتل تو اچھا ہے اے رسا　　جینے سے تنگ جان سے بیزار بھی تو ہو

نیچی نظروں سے نہ دیکھو سر محشر دیکھو　　داد خواہوں کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھو
ہو کے شمشیر بکف سیر گھڑی بھر دیکھو　　مرنے والوں کی وفا تیغ کے جوہر دیکھو
آہ کیسی کبھی شکوہ بھی تمھارا نہ کیا　　ایسے ہم ضبط محبت کے ہیں خوگر دیکھو
وعدۂ حشر ہے پھر وہ بھی زمانے بھر سے　　کوئی دامن نہ پکڑے سر محشر دیکھو
ان کو دشمن سے جو الفت ہے تو پروا نہ کرد　　اے رسا تم بھی کسی اور پہ مرکر دیکھو

وہ خوش کسی کے ساتھ ہیں ناخوش کسی کے ساتھ　　ہر آدمی کی بات ہے ہر آدمی کے ساتھ
لاکھوں جفائیں سینکڑوں صدمے ہزار غم　　اک آسمان ٹوٹ پڑا زندگی کے ساتھ
ممکن نہیں کہ دل سے نکل جائے آرزو　　یہ میرے دم کے ساتھ ہے یہ میرے جی کے ساتھ
اب کیا کروں میں شکوۂ بیداد حشر میں　　منہ میرا تک رہے ہیں وہ کس بے کسی کے ساتھ

پی کے کر لیتا ہوں توبہ جب سے یہ دستور ہے　　دل بھی روشن ہے مرا منہ پر بھی میرے نور ہے
آہ کرتا ہوں تو برہم کس لیے ہوتے ہو تم　　دردمندانِ محبت کا یہی دستور ہے
غیر سے ملنے کے شکوے پر قیامت ڈھا گیا　　ان کا یہ کہنا کہ دل سے آدمی مجبور ہے
میں سوال وصل کر کے اس ادا پر مٹ گیا　　ہنس کے فرمایا کہ یہ درخواست نامنظور ہے

حشر میں اللہ سے فریاد ان کے ظلم کی　　اے رسا یہ بات تو شرط وفا سے دور ہے

دل میں کسی کو رکھو دل میں رہو کسی کے　　سیکھو ابھی سلیقے کچھ روز دلبری کے
فرقت میں اشک حسرت ہم کیا بہا رہے ہیں　　تقدیر رو رہی ہے پردے میں بے کسی کے
آئے اگر قیامت تو دھجیاں اڑا دیں　　پھرتے ہیں جستجو میں فتنے تری گلی کے
دے کر مجھے تسلی بے چین کر رہے ہو　　ہنستے ہو وعدہ کر کے قربان اس ہنسی کے
یہ حضرت رسا بھی دیوانے ہو گئے ہیں　　چکر لگا رہے ہیں ایک شوخ کی گلی کے

آئینہ خود نمائی ان کو سکھا رہا ہے　　کیا قہر کر رہا ہے کیا ظلم ڈھا رہا ہے
آنسو بہا رہا ہے وہ سوز دل پہ میرے　　خود ہی لگا کے ظالم خود ہی بجھا رہا ہے
ان کو تو ہم نے چاہا وہ یوں ستا رہے ہیں　　اے چرخ کینہ پرور تو کیوں ستا رہا ہے
آزردہ غیر سے ہیں لیتا ہوں میں بلائیں　　روٹھے ہیں وہ کسی سے کوئی منا رہا ہے
کوچے میں ان بتوں نے رہنے دیا نہ شاید　　سنتے ہی اب رسا بھی کعبے کو جا رہا ہے

دشمن کی بات جب تری محفل میں رہ گئی　　اُمید یاس بن کے مرے دل میں رہ گئی
تو ہم سے چھپ گیا تو تری شکل دلفریب　　تصویر بن کے آئینہ دل میں رہ گئی
نکلا وہاں سے میں تو مرے دل کی آرزو　　سر پیٹتی ہوئی تری محفل میں رہ گئی
دیکھا جو قتل عام تو ہر لاش پر اجل　　اک آہ بھر کے کوچہ قاتل میں رہ گئی
میں کیا کہوں رسا کہ مرے دل پہ کیا بنی　　تلوار کھنچ کے جب کفِ قاتل میں رہ گئی

عدو سے ان سے اگر کچھ ملال ہو جائے　　رسا کی پھر تو نہ پوچھو نہال ہو جائے
میں بدگمان ہوں تم سے مجال ہے میری　　مرا خیال اور ایسا خیال ہو جائے
بڑی ہی دھوم سے دعوت ہو پھر تو زاہد کی　　یہ مے جو چار گھڑی کو حلال ہو جائے

رسا بتوں سے اگر دل کو تم لگا بیٹھو　　تو اس خدائی میں رہنا محال ہو جائے

ہجوم حشر میں کیا ہم سے حالت ہو بیاں دل کی　　بھری محفل میں کیونکر کوئی کہہ دے داستاں دل کی
وہ مجھ سے ان سے ان بن ہی سہی اسکا نہیں شکوہ　　مگر شامت ہے میرے اور ان کے درمیاں دل کی
سنایا حال دل ان کو تو یوں منہ پھیر کر بولے　　کسی نے منہ لگایا چھیڑ بیٹھے داستاں دل کی

عاشق کو تیرے لاکھ کوئی رہنما ملے　　تیرا پتا ملا ہے نہ تیرا پتا ملے
تم مجھ سے آملے کبھی دشمن سے جاملے　　جب یہ مزاج ہے تو کوئی تم سے کیا ملے
بعد فنا بھی خیر سے تنہا نہیں ہیں ہم　　بندوں سے چھٹ گئے تو فرشتوں میں آملے
جب دیر میں یہ دیکھا کہ اپنا گذر نہیں　　کعبے کے جانے والوں میں مجبور جاملے
دیکھو رسا چلے تو ہو تم توبہ توڑنے　　در پر نہ میکدے کے کوئی پارسا ملے

رسا کو دل میں رکھتے ہیں رسا کے جاننے والے　　وفا کی قدر کرتے ہیں وفا کے جاننے والے
تری تیغ ادا کھنچتے ہی اپنی جان جاتی ہے　　قضا سے پہلے مرتے ہیں قضا کے جاننے والے
بھری ہیں شوخیاں لاکھوں تری نیچی نگاہوں میں　　ہمیں ہیں کچھ تری شرم و حیا کے جاننے والے
مری فریاد سن کر کچھ انھیں پروا نہیں ہوتی　　نڈر بیٹھے ہیں آہ نارسا کے جاننے والے
رسا کو سب نے سمجھایا مگر سمجھا نہ کچھ ظالم　　ہوئے مجبور اس مرد خدا کے جاننے والے

بے بات وہاں ظلم ہے بے جرم سزا ہے　　ایسے سے نبا ہے بھی تو کیا کوئی نبا ہے
ان تک تو رسائی نہیں کہنے کو رسا ہے　　کمبخت نے یہ نام بھی بدنام کیا ہے
غیروں کے بھی الزام دھرے جاتے ہیں مجھ پر　　کچھ میری خطا ہو کہ نہ ہو میری خطا ہے
آپ آئے ہیں اس پر جو زمانے کا ہے قاتل　　یہ حضرت دل آپ کی شامت نہیں کیا ہے

ہو شکوۂ بیداد رسا کی ہے یہ طاقت — یہ اس سے مری جان نہ ہوگا نہ ہوا ہے

ادھر ہے شوقِ تغافل اُدھر جواب میں ہے — ہمارے دل کی تمنا بڑے عذاب میں ہے
پرائے دل کا ستانا روا ہے کب تم کو — یہ کس حدیث میں آیا ہے کس کتاب میں ہے
مجھے کچھ اور بھی کمبخت کے سوا کہیے — کہ یہ تو لفظ ازل سے میرے خطاب میں ہے
ہمیشہ کی ہے درِ یار پر جبیں سائی — یہ بندگی بھی الٰہی کسی حساب میں ہے

نکل کر دل سے لب تک آسکے کیا تاب وطاقت ہے — بڑی پابندیوں میں آپ کا حرفِ شکایت ہے
وفا کرتے ہیں ہم پھر بھی ہمیں تم سے ندامت ہے — اسے کہتے ہیں الفت بندہ پرور یہ محبت ہے
اجل کی نذر کردیں جانِ مضطر ہو نہیں سکتا — انھیں کو ایک دن سونپیں گے جن کی یہ امانت ہے
یہیں جو فیصلہ کرنا ہے ہم سے فیصلہ کرلو — قیامت پر نہ رہنے دو قیامت پھر قیامت ہے
ہمیں ہم تھے رسا پہلے کسی کی بزمِ خلوت میں — مگر اب کچھ دنوں سے درد کی صاحب سلامت ہے

آنے کو نظر میں مری سو فتنہ گر آئے — تجھ سا نظر آیا ہے نہ تجھ سا نظر آئے
کھل جائے بھرم ضبطِ محبت کا نہ ان پر — ڈرتا ہوں کہیں آنکھ میں آنسو نہ بھر آئے
میخانے پہ کیا ابر ہے چھایا ہوا یا رب — جلوے تری رحمت کے یہاں بھی نظر آئے
کرتا ہوں دعائیں تو یہ آتی ہیں ندائیں — تو ہو کسی قابل تو دعا میں اثر آئے
کرتا ہے وہی دل میں رسا کے جو ٹھنی ہے — سمجھانے کو سمجھاتے ہیں سب اپنے پرائے

انتخاب دیوان
جگر مرادآبادی شاگرد رسا

کل بزم میں اک حسن سراپا نظر آیا — اللہ کی قدرت کا تماشا نظر آیا
یہ حسن یہ شوخی یہ کرشمے یہ ادائیں — دنیا نظر آئی مجھے تو کیا نظر آیا
ہر قلب کو دیکھا ترے جلووں سے منور — ہر بزم میں تو انجمن آرا نظر آیا

فرصت کہاں کہ بات کریں آسماں سے ہم — لپٹے پڑے ہیں لذت درد نہاں سے ہم
بے تابیوں نے کام دیا دست ناز کا — آخر لپٹ کے سوگئے درد نہاں سے ہم

نہ چھیڑ ان کے تصور میں اے بہار مجھے — کہ بوئے گل بھی ہے اس وقت ناگوار مجھے
تمھارا وعدۂ دیدار میرا جذبۂ شوق — بنا نہ دے کہیں تصویر انتظار مجھے
کہیں مرا دل گم گشتہ ہو نہ خاک بسر — کہ دور تک نظر آتا ہے اک غبار مجھے
جنوں کی خیر ہو یارب کہ ضعف کے ہاتھوں — رہا نہ جیب و گریباں پہ اختیار مجھے

پھر وہ نگاہ شوق سے مستور ہوگئے   پھر جتنے زخم دل تھے بدستور ہوگئے

پیوست دل میں جب ترا تیر نظر ہوا   کس کس ادا سے شکوہ درد جگر ہوا
سینے میں پھر بھڑکنے لگی آگ عشق کی   دامن سے پھر معاملہ چشم تر ہوا
فریاد کیسی کس کی شکایت کہاں کا حشر   دنیا ادھر کو ٹوٹ پڑی وہ جدھر ہوا
تاثیر سوز عشق کی اللہ رے تیزیاں   سر سے بلند شعلہ داغ جگر ہوا
حسرت اس ایک طائرِ بیکس پہ اے جگر   جو فصل گل کے آتے ہی بے بال و پر ہوا

تجھ کو تسلیم حسین ساری جماعت نے کیا   دیکھ کیا کام مرے درد محبت نے کیا
کس طرح دل تری محفل سے بچا کر لاتا   کہ تقاضے پہ تقاضہ تری صورت نے کیا

دل کو تھاموں کہ جگر دیکھوں میں   اک مصیبت ہے جدھر دیکھوں میں
آشیاں کے جو اٹھالوں تنکے   اپنے ٹوٹے ہوئے پر دیکھوں میں
ترے جلوؤں کے تصدق لیکن   تیرے جلوے کو کدھر دیکھوں میں

جا اے فلک نہ خوش ہو برباد کرکے مجھ کو   تیرے مزاج میں بھی آشفتگی رہے گی

تصویرِ امیدوں کی آئینہ ملالوں کا   انسان جسے کہتے ہیں محشر ہے خیالوں کا

سب خاک میں مل جائیں گے یہ عیش کے ساماں   اک آہ جو کر کے تری محفل سے اُٹھا میں
اٹھے نہ قدم جادۂ تسلیم و رضا سے   آواز یہ آتی ہے مزار شہدا سے

یہ بے دلی کا زور ہے ساقی کے ہجر میں — جی چاہتا ہے پھینک دیں ساغر اٹھا کے ہم

ذرے ذرے سے نمایاں شان قدرت دیکھ کر — کھل گئیں آنکھیں طلسم حسن فطرت دیکھ کر
یہ ہجوم غم یہ اندوہ مصیبت دیکھ کر — اپنی حالت دیکھتا ہوں ان کی صورت دیکھ کر
عمر بھر کا ساتھ رنج و غم میں دے سکتا ہے کون — شمع بھی رخصت ہوئی میری مصیبت دیکھ کر

برابر کی خلش خوں نابہ افشانی مقابل کی — محبت نے بنادی ایک حالت دیدہ دل کی
ضرورت تیرے سائے کی نہیں ہے اے فلک مجھ کو — عنایت چاہتا ہوں گوشۂ دامانِ قاتل کی
نہ توڑ اے دست گل چیں باغ میں پھولوں کی کلیوں کو — کہ ان میں کچھ شباہت پائی جاتی ہے مرے دل کی
اجل اک مرتبہ پھر ہوش میں آ جانے دے مجھ کو — ہوس رہ جائے گی دل میں نوازش ہائے قاتل کی
جگر میں نے چھپایا لاکھ دردِ عشق کو لیکن — بیاں کردیں مری صورت نے سب کیفیتیں دل کی

مجھے جو عرض تمنا پہ کچھ حجاب آیا — مرے سوال کی شرمندگی سوال ہوئی

عاشقی یاس کی محکوم ہوئی جاتی ہے — بے کسی اب مرا مفہوم ہوئی جاتی ہے
دل ہوا خاک تپ غم سے مگر دل کی جگہ — اک خلش سی مجھے معلوم ہوئی جاتی ہے
ہم تو سمجھے تھے غم عشق فنا کردے گا — اب یہ امید ہی موہوم ہوئی جاتی ہے
دل دھڑکنا بھی غنیمت ہے تری فرقت میں — کہ خبر تو مجھے معلوم ہوئی جاتی ہے
اے جگر بات یہ کیا ہے مری نظروں سے — آج جو چیز ہے معدوم ہوئی جاتی ہے

آئے زباں پہ راز کوئی کیا مجال ہے — تم سے مجھے عزیز تمھارا خیال ہے
آنکھوں سے جان جائیے فرقت کا ماجرا — اشکوں سے پوچھ لیجیے جو دل کا حال ہے
وہ کیسے ہی سہی مگر آخر تو اے جگر — کیا کم ہے یہ کہ ان کو تمھارا خیال ہے

اب دل میں نہ طاقت ہے آنکھوں میں نہ بینائی　　سب لوٹ لیا غم نے سامان شکیبائی

کہاں اب دل میں یہ طاقت کہ عرض مدعا کر دے　　مگر شاید نگاہ یاس کچھ مطلب ادا کر دے
چمن دور آشیاں برباد یہ ٹوٹے ہوئے بازو　　مرا کیا حال ہو صیاد اگر مجھ کو رہا کر دے
تری مجنوں ادائی سے جگر یہ خوف آتا ہے　　کہیں ایسا نہ ہو ان کو بھی عالم آشنا کر دے

سر سے جنون عشق کا سایا نہ جائے گا　　تم سے بھی یہ طلسم مٹایا نہ جائے گا
مجھ ناتوان عشق کو سمجھا ہے تم نے کیا　　دامن پکڑ لیا تو چھڑایا نہ جائے گا
ان کو بلا کے اور پشیماں ہوئے جگر　　یہ کیا خبر تھی ہوش میں آیا نہ جائے گا

بے حکم عشق مر کے بے درد عشق جی کے　　کرتے ہیں مفت ضائع اوقات زندگی کے
فیض بہار سے ہے عالم یہ تازگی کا　　گویا برس رہے ہیں انواز زندگی کے
ہر اک سے پوچھتے ہیں وہ میرے دل کی حالت　　قربان اس ادا کے اس بے تعلقی کے

ہم ان کے سامنے حالت یہ ہیں بنائے ہوئے　　کہ دل پہ ہاتھ ہے آنسو ہیں ڈبڈبائے ہوئے
نہ جانے دل میں وہ کیا سوچتے رہے پیہم　　مرے جنازے پہ تا دیر سر جھکائے ہوئے
مٹاتے وقت تو انجام تک نظر نہ گئی　　کھڑے ہیں اب مری تربت پہ سر جھکائے ہوئے
نہ جانے کان میں کیا کہہ دیا محبت نے　　پلٹ گئے مرے نالے لبوں تک آئے ہوئے
بیان درد جگر ہو سکے نہیں ممکن　　ہزار شکر کہ دل پر ہیں چوٹ کھائے ہوئے

ہر زخم دل میں عکس ہے رخسار یار کا　　چھایا ہے کیا بہار پہ عالم بہار کا
جس پر برس گئی کبھی برق جمال یار　　ہر ذرہ آفتاب ہے اس کے مزار کا

رشک سے مرتے ہیں تو مرنے بھی دو اغیار کو　　کوئی جاتا ہے اکیلا چھوڑ کر بیمار کو

فکر ہے زاہد کو حورو کوثر و تسنیم کی　　اور ہم جنت سمجھتے ہیں تیرے دیدار کو
مانتے ہیں تم کو اے موسیٰ کہ تم نے کھاکے غش　　خوب ہی دھوکے دیے ہیں برق جمال یار کو
ہر قدم پر ہر روش پر ہر ادا پر ہر جگہ　　دیکھنا پڑتا ہے انداز نگاہ یار کو
جن سے باہر تک نہ نکلے تھے ترے جلوے کبھی　　اب وہی آنکھیں ترستی ہیں ترے دیدار کو
لاکھ سمجھایا جگر کو ایک بھی مانی نہ بات　　دھن لگی تھی کوچۂ قاتل کی میرے یار کو

آج کیا حال ہے یا رب سر محفل میرا　　کہ نکالے لیے جاتا ہے کوئی دل میرا
سوزغم دیکھ نہ برباد ہو حاصل میرا　　دل کی تصویر ہے ہر آبلۂ دل میرا
مل گئی عشق میں ایذا طلبی سے راحت　　غم ہے اب جان مری درد ہے اب دل میرا
ہائے اس درد کی قسمت جو ہو دل کا شریک　　ہائے اس دل کا مقدر جو بنا دل میرا
کچھ کھٹکتا تو ہے پہلو میں مرے رہ رہ کر　　اب خدا جانے تری یاد ہے یا دل میرا

چلے گا کام تمھارا نہ کچھ گواہوں سے　　کہ ٹپکی پڑتی ہے شرمندگی نگاہوں سے
اثر کو بھی نہ رہا ربط دل کی آہوں سے　　خدا پناہ میں رکھے تری نگاہوں سے
کہیں تمھیں بھی نہ پڑ جائے کام آہوں سے　　بچے رہو مری حسرت بھری نگاہوں سے

شوق نے چٹکیاں سی لیں حسرت دل مچل گئی　　میری طرف بڑھا ہوا دامنِ یار دیکھ کر

لاکھوں میں انتخاب کے قابل بنادیا　　جس دل کو تم نے دیکھ لیا دل بنادیا

ہر وقت اک خمار تھا ہر دم سرور تھا　　بوتل بغل میں تھی کہ دل ناصبور تھا
کوئی تو خیر خواہ دل ناصبور تھا　　مانا کہ تم نہ تھے کوئی تم سا ضرور تھا
تکتے ہی تھیں ٹوٹ گیا ساز آرزو　　ملتے ہی آنکھ شیشۂ دل چور چور تھا

کس کو خبر ہے کیسی کٹی رات وصل کی — جب تک وہ میرے پاس تھے میں خود ہی دور تھا
اس چشمِ مے فروش سے کوئی نہ بچ سکا — سب کو بقدر حوصلۂ دل سرور تھا

جو داغ عشق میں تھا وہ تھا لذت آفریں — جو زخم ہجر میں تھا وہ راحت نواز تھا
وہ ناز آفریں تھے انھیں اس پہ تھا غرور — میں تھا نیاز مند مجھے اس پہ ناز تھا

دل کی خبر نہ ہوش کسی کو جگر کا ہے — اللہ اب یہ حال تمھاری نظر کا ہے
اس سمت دیکھتی بھی نہیں رخ جدھر کا ہے — سب سے جدا اصول تمھاری نظر کا ہے
دل رکھ دیا ہے سامنے لاکر خلوص سے — آگے اب اس کے کام تمھاری نظر کا ہے
سب رفتہ رفتہ داغ الم دے گئے مگر — محفوظ ہے وہ زخم جو پہلی نظر کا ہے
میرے دلِ حزیں میں کہاں تاب اضطراب — جو کچھ کمال ہے وہ تمھاری نظر کا ہے
کس طرح دیکھوں جلوۂ جاناں کو بے حجاب — پردہ پڑا ہوا مرے آگے نظر کا ہے
پیہم ہجوم یاس سے آتا نہیں یقین — تم میرے سامنے ہو کہ دھوکا نظر کا ہے

ہاں چلے دور میں ساقی مئے گلفام چلے — دن چلے رات چلے صبح چلے شام چلے
جھک گئے سر تری دہلیز پہ سب آپ سے آپ — کچھ کسی کی نہ چلی جب ترے احکام چلے
کعبۂ دل کی حقیقت سے تو واقف ہی نہیں — باندھ کر شیخ کہاں جامہ احرام چلے
نقد کچھ پاس نہیں فکر ہے میخواری کی — قرض مل جائے کہیں سے تو بڑا کام چلے
پانوں لٹکائے ہوئے قبر میں بیٹھے ہیں جگر — دیر چلنے میں نہیں صبح چلے شام چلے

واقف غم الفت سے نہ دل ہو نہ جگر ہو — یوں مجھ سے ملو تم کہ مجھے بھی نہ خبر ہو
یہ سر ہو اور اس شوخ ستم گار کا در ہو — اس طرح بسر ہو تو بہت خوب بسر ہو
اس قہر و غضب پر تو فدا دیدہ و دل ہیں — کیا حال ہو میرا جو عنایت کی نظر ہو

حالت دل مایوس کی دیکھی نہیں جاتی
اللہ کرے جلد شب غم کی سحر ہو
رہ رہ کے تڑپ جاتی ہے سینے میں کوئی چیز
ایسا نہ ہو بے تاب تمھاری ہی نظر ہو

برسر رحم وہ شوخ ستم ایجاد ہے آج
نالہ بھی نالہ ہے فریاد بھی فریاد ہے آج
خوب اس کوچے میں مٹی مری برباد ہے آج
کہ ہراک ذرے کے لب پر میری روداد ہے آج
حسرت قید بھی اب دل سے نکل جائے گی
مژدہ اے شوق کہ خالی کفِ صیاد ہے آج

یوں درد کے ہاتھوں میں لبریز فغاں ہوتا
ہر مرتبہ دل بنتا ہر بار زباں ہوتا
اے کاش نہ ہم اٹھتے در سے ترے جیتے جی
جینا بھی یہاں ہوتا مرنا بھی یہاں ہوتا
جس رہ سے گذر جاتی وہ صورت نورانی
ہر خاک کے ذرے میں اک عالم جاں ہوتا

کیا قیامت تھی الٰہی شکوہ بیداد بھی
لب پہ آئی ٹکڑے ہوہوکر مری فریاد بھی
یوں نہ اے بلبل تڑپ کر جان دینی تھی تجھے
چاہیے تھا کچھ تو پاس خاطر صیاد بھی
دونوں میں سے دیجیے ترجیح کس کو عشق میں
آپ ہی کا درد بھی ہے آپ ہی کی یاد بھی

لب پہ نالہ نہیں شکوہ نہیں فریاد نہیں
پھر بھی کہتے ہیں کہ تو لائق بیداد نہیں
اتنا معلوم ہے اس چہرے سے اٹھی تھی نقاب
آگے کیا گذری مرے دل پہ مجھے یاد نہیں

وہی گل ہے وہی بلبل وہی پروانہ ہے
شان ہے ایک مگر رنگ جداگانہ ہے
حشر کہتے ہیں کسے وعدہ دیدار ہے کیا
وہ بھی مرے نگہ شوق کا افسانہ ہے

کمال عشق بھی کیا کیا فریب کار ہوا
کہ اپنے پر مجھے اکثر گمانِ یار ہوا

شریک عشق اگر عقل پردہ دار نہ ہو
نظر کے سامنے کوئی سوائے یار نہ ہو
نگاہ یار کا ممکن نہیں کہ وار نہ ہو
خود اپنا عیب ہے سینہ اگر فگار نہ ہو

جگر کو چین نہ ہو درد کو قرار نہ ہو — مگر خدا نہ کرے دل پہ اختیار نہ ہو
دکھاؤں داغ محبت جو ہو قصور معاف — سناؤں قصہ فرقت جو ناگوار نہ ہو

داستان غم دل ان کو سنائی نہ گئی — بات بگڑی تھی کچھ ایسی کہ بنائی نہ گئی
پڑ گیا حسن رخ یار کا پر تو جس پر — خاک میں مل کے بھی اس دل کی صفائی نہ گئی
کیا اٹھائے گی صبا خاک میری اس در سے — یہ قیامت تو خود ان سے بھی اٹھائی نہ گئی

اس عشق کے ہاتھوں سے ہرگز نہ مفر دیکھا — اتنی ہی بڑھی حسرت جتنا ہی ادھر دیکھا
کیا جانیے حال ایسا کیا نوع دگر دیکھا — تا دیر مرا اس نے ہر زخم جگر دیکھا
جاتے رہے دم بھر میں سارے ہی گلے شکوہ — اس جان تغافل نے جب ایک نظر دیکھا
تھا باعث رسوائی گو میرا جنوں لیکن — ان کو بھی نہ چین آیا جب تک نہ ادھر دیکھا
اس چشم غزالی کو میخانہ دل پایا — اس روئے نگاریں کو فردوس نظر دیکھا
یوں دل کے تڑپنے کا کچھ تو ہے سبب آخر — یا درد نے کروٹ لی یا تم نے ادھر دیکھا
ماتھے پہ پسینہ کیوں آنکھوں میں نمی کیسی — کچھ خیر تو ہے تم نے کیا حال جگر دیکھا

دل کی کیا تاب کہ پہنچے صف مژگاں کے قریب — جلوے خود لوٹ رہی ہے رخ تاباں کے قریب
شوق نے توڑ ہی ڈالے تھے محبت کے قیود — ہوش آیا ہے پہنچ کر در جاناں کے قریب
ہو چکے حسرت و امید و الم سب رخصت — اب نہیں کوئی مریض شب ہجراں کے قریب
عشق میں میر گل ولالہ ہے تمہید جنوں — چاہیے ایک بیاباں بھی گلستاں کے قریب

اک محبت کی نظر بھی دم بیداد ہے — کیجیے ظلم و مجھ پر جو مجھے یاد رہے
ایک دل سینے میں کس کس کو جگہ دے آخر — یا ترا درد رہے یا مری فریاد رہے
کس کو معلوم ہے اس جلوہ گہہ ناز کا حال — ہوش ہی جب نہ ٹھکانے ہوں تو کیا یاد رہے

آپ تو چھپ گئے پردے سے دکھا کر صورت   اب کوئی شاد رہے یا کوئی ناشاد رہے

رات کو کیا دلکش ادائے جلوۂ جانانہ تھی   شمع جب رخ کے مقابل آئی خود پروانہ تھی
اللہ اللہ درد ہجر یار کی بے تابیاں   جو نگہ اٹھتی تھی وہ ایک مستقل افسانہ تھی

محفوظ اک جگہ بھی نہیں جسم زار میں   خود بن گیا ہوں اپنا گریباں بہار میں
محشر میں عرض شوق کی امید کیا کروں   دل ہی تو ہے رہا نہ رہا اختیار میں
دستِ جنونِ عشق کی گلکاریاں نہ پوچھ   ڈوبا ہوا ہوں سر سے قدم تک بہار میں
صورت دکھاکے پھر مجھے بیچین کردیا   اک لطف آچلا تھا غمِ انتظار میں
سمجھے تھے جس کو عشق میں سرمایۂ حیات   تھی اک لہو کی بوند دلِ بے قرار میں

ضبط غم کا متحمل دل مہجور نہیں   اب یہ جی سے بھی گذر جاتے تو کچھ دور نہیں
طلب خلد نہیں آرزوے حور نہیں   تم جو مل جاؤ تو پھر کچھ مجھے منظور نہیں
غیر کیوں میری طرح عشق میں مسرور نہیں   آنکھ سے دور سہی دل سے تو وہ دور نہیں
سخت مشکل سے پڑا آج گریباں پہ ہاتھ   میں سمجھتا تھا کہ یہ فاصلہ کچھ دور نہیں
شوق بے تاب کہ کہہ چلیے غم عشق کا راز   شرم مانع کہ محبت کا یہ دستور نہیں

کیا پوچھتے ہو حالت بیمار محبت کی   کچھ اور ابھی گھڑیاں باقی ہیں مصیبت کی
تم عرصہ محشر میں بے پردہ تو جاتے ہو   آنکھیں نہ جھپک جائیں خورشید قیامت کی
ہر زخم ہے سینہ پر نقشہ غم فرقت کا   ہر اشک ہے آنکھوں میں تصویر محبت کی
اے جوش جنون تُو نے چھالا نہ مرے دل کا   دھندلی سی نشانی ہے سوزِ غمِ فرقت کی
لاکھوں میں جگر اس نے پہنچان لیا تم کو   چھپتی ہے چھپانے سے کب آنکھ محبت کی

مجھ کو وہ لذت ملی احساس مشکل ہوگیا
رہتے رہتے دل میں تیرا درد بھی دل

اے نگاہ یاس یہ کیا رنگ محفل ہوگیا
میں نے جس دل کی طرف دیکھا مرادل

لطف یکرنگی محبت میں یہ حاصل ہوگیا
درد میرا دل بنا میں درد کا دل

جب کسی کا ناوک مژگاں مقابل ہوگیا
شوق سے ہر قطرۂ خوں جسم میں دل

ابتدا وہ تھی کہ تھا جینا محبت میں محال
انتہا یہ ہے کہ اب مرنا بھی مشکل

رہتے ہیں جو وہ آٹھ پہر میری نظر میں
عالم کی حقیقت ہے نہاں دیدۂ ت

کیا جانیے کیا سحر تھا اس شوخ نظر میں
اک آگ سی بھر دی ہے میرے قلب وجگ

اللہ ری شوخی یہ ترے تیر نظر میں
آنکھوں سے کبھی دل میں کبھی دل سے جگ

چھوڑا نہ تپ عشق نے کچھ بھی کسی گھر میں
دل سے جو لگی آگ بجھی جا کے جگ

صبح یہ راز کھلا رات کے افسانے کا
شمع خود بھیس تھی بدلے ہوئے پروا

جلوہ فرما وہ کچھ اس رنگ سے محفل میں ہوئی
خون ثابت نہ ہوا شمع پہ پروانے

وہ بھی بالیں پہ ہیں لیکن نہیں کھلتی آنکھیں
وقت تھا ہوش میں بیمار کے آجا

شام فرقت دل کی آہوں کا دھواں دیکھا کیے
ہر طرف ہم آسمان ہی آسماں دیکھا

جی بھر آیا ناتوانی پر جو راہ شوق میں
دیر تک ہم نقش پائے رہرواں دیکھا

جب چمن سے لے چلا صیاد کر کے ہم کو قید
دور تک مڑ مڑ کے سوئے گلستاں دیکھ

آیا نہ راس نالہ دل کا اثر مجھے
اب تم ملے تو کچھ نہیں اپنی خبر

دل لے کے مجھ سے دیتے ہو داغ جگر مجھے
یہ بات بھولنے کی نہیں عمر بھ

ہر سو دکھائی دیتے ہیں وہ جلوہ گر مجھے
کیا کیا فریب دیتی ہے میری نظر

ڈالا ہے بے خودی نے عجب راہ پر مجھے
آنکھیں ہیں اور کچھ نہیں آتا نظر

کرنا ہے آج حضرت ناصح سے سامنا
مل جائے دو گھڑی کو تمھاری نظر

کیسے کہوں کہ ختم ہوئی منزل فنا اتنی تو ہے خبر کہ نہیں کچھ خبر مجھے
یکساں ہے حسن عشق کی سرمستیوں کا رنگ ان کی خبر انھیں ہے نہ میری خبر مجھے
اللہ رے شوق دید کی حیرت فزائیاں یہ حال ہے کہ کچھ نہیں آتا نظر مجھے
مرتا ہے ان کے پاؤں پر رکھ کر سر نیاز کرتا ہے آج قصہ غم مختصر مجھے
سینے سے دل عزیز ہے دل سے ہو تم عزیز سب سے مگر عزیز ہے میری نظر مجھے
کیا جانیے قفس میں رہے کیا معاملہ اب تک تو ہیں عزیز مرے بال و پر مجھے
شرم گنہ پہ حشر میں کام آئی اے جگر ابر کرم بنا مرا دامان تر مجھے

اچھا ہے پاس اگر کوئی غم خوار بھی نہیں اب میرا حال لائق اظہار بھی نہیں
حسرت یہ ہے کہ پیش نظر رات دن رہیں اور ضعف یہ کہ طاقت دیدار بھی نہیں
صیاد مرے دم سے ہیں سارے یہ چہچہے جب میں نہیں تو رونق گلزار بھی نہیں
کچھ یہ کہ عرض شوق کی طاقت نہیں مجھے اور کچھ یہ ہے کہ مصلحت یار بھی نہیں
دل میں ہجوم شوق کا عالم نہ پوچھیے گنجائش خیال رخ یار بھی نہیں

حسن کی شانیں تھیں جتنی سب نمایاں ہو گئیں جو ترے رخ سے بچیں رنگِ گلستاں ہو گئیں
دھجیاں باقی ہیں جتنی اب مرے کس کام کی جو گریباں ہونے والی تھیں گریباں ہو گئیں
دل کی آہوں سے بہت کچھ تھی توقع عشق میں آج وہ بھی سب شریک درد پنہاں ہو گئیں

ہم وہ ہیں دردمند محبت جہاں رہے خاموش بھی رہے تو سراپا فغاں رہے
ہر چند وقفِ کشمکش دو جہاں رہے تم ہی ہمارے ساتھ رہے ہم جہاں رہے
باقی چمن میں کچھ تو ہمارا نشاں رہے صیاد ہم رہیں نہ رہیں آشیاں رہے
ہر شاخ پر ہے باغ میں صیاد کی نگاہ مطلب یہ ہے کہیں نہ میرا آشیاں رہے

وہ گلوں پر تازگی رونق وہ گلشن میں نہیں خاک سی اڑتی ہے میں جب سے نشیمن میں نہیں

مجھ کو وہ لذت ملی احساس مشکل ہوگیا رہتے رہتے دل میں تیرا درد بھی دل ہوگ
اے نگاہ یاس یہ کیا رنگ محفل ہوگیا میں نے جس دل کی طرف دیکھا مرا دل ہوگ
لطف یکرنگی محبت میں یہ حاصل ہوگیا درد میرا دل بنا میں درد کا دل ہوگ
جب کسی کا ناوک مژگاں مقابل ہوگیا شوق سے ہر قطرۂ خوں جسم میں دل ہوگ
ابتدا وہ تھی کہ تھا جینا محبت میں محال انتہا یہ ہے کہ اب مرنا بھی مشکل ہوگ

رہتے ہیں جو وہ آٹھ پہر میری نظر میں عالم کی حقیقت ہے نہاں دیدۂ تر م
کیا جانیے کیا سحر تھا اس شوخ نظر میں اک آگ سی بھر دی ہے مرے قلب و جگر م
اللہ ری شوخی یہ ترے تیر نظر میں آنکھوں سے کبھی دل میں کبھی دل سے جگر م
چھوڑا نہ تپ عشق نے کچھ بھی کسی گھر میں دل سے جو لگی آگ بجھی جا کے جگر م

صبح یہ راز کھلا رات کے افسانے کا شمع خود بھیس تھی بدلے ہوئے پروانے ک
جلوہ فرما وہ کچھ اس رنگ سے محفل میں ہوئی خون ثابت نہ ہوا شمع پہ پروانے ک
وہ بھی بالیں پہ ہیں لیکن نہیں کھلتی آنکھیں وقت تھا ہوش میں بیمار کے آجانے ک

شام فرقت دل کی آہوں کا دھواں دیکھا کیے ہر طرف ہم آسمان ہی آسماں دیکھا کی
جی بھر آیا ناتوانی پر جو راہ شوق میں دیر تک ہم نقش پائے رہرواں دیکھا کی
جب چمن سے لے چلا صیاد کر کے ہم کو قید دور تک مڑ مڑ کے سوئے گلستاں دیکھا کی

آیا نہ راس نالۂ دل کا اثر مجھے اب تم ملے تو کچھ نہیں اپنی خبر مج
دل لے کے مجھ سے دیتے ہو داغ جگر مجھے یہ بات بھولنے کی نہیں عمر بھر مج
ہر سو دکھائی دیتے ہیں وہ جلوہ گر مجھے کیا کیا فریب دیتی ہے میری نظر مج
ڈالا ہے بے خودی نے عجب راہ پر مجھے آنکھیں ہیں اور کچھ نہیں آتا نظر مج
کرنا ہے آج حضرت ناصح سے سامنا مل جائے دو گھڑی کو تمھاری نظر مج

کیسے کہوں کہ ختم ہوئی منزل فنا
اتنی تو ہے خبر کہ نہیں کچھ خبر مجھے
یکساں ہے حسن عشق کی سرمستیوں کا رنگ
ان کی خبر انھیں ہے نہ میری خبر مجھے
اللہ رے شوق دید کی حیرت فزائیاں
یہ حال ہے کہ کچھ نہیں آتا نظر مجھے
مرنا ہے ان کے پاؤں پر رکھ کر سر نیاز
کرنا ہے آج قصہ غم مختصر مجھے
سینے سے دل عزیز ہے دل سے ہو تم عزیز
سب سے مگر عزیز ہے میری نظر مجھے
کیا جانیے قفس میں رہے کیا معاملہ
اب تک تو ہیں عزیز مرے بال و پر مجھے
شرم گنہ پہ حشر میں کام آئی اے جگر
ابر کرم بنا مرا دامان تر مجھے

اچھا ہے پاس اگر کوئی غم خوار بھی نہیں
اب میرا حال لائق اظہار بھی نہیں
حسرت یہ ہے کہ پیش نظر رات دن رہیں
اور ضعف یہ کہ طاقت دیدار بھی نہیں
صیاد مرے دم سے ہیں سارے یہ چہچہے
جب میں نہیں تو رونق گلزار بھی نہیں
کچھ یہ کہ عرض شوق کی طاقت نہیں مجھے
اور کچھ یہ ہے کہ مصلحت یار بھی نہیں
دل میں ہجوم شوق کا عالم نہ پوچھیے
گنجائش خیال رخ یار بھی نہیں

حسن کی شانیں تھیں جتنی سب نمایاں ہوگئیں
جو ترے رخ سے بچیں رنگِ گلستاں ہوگئیں
دھجیاں باقی ہیں جتنی اب مرے کس کام کی
جو گریباں ہونے والی تھیں گریباں ہوگئیں
دل کی آہوں سے بہت کچھ تھی توقع عشق میں
آج وہ بھی سب شریک درد پنہاں ہوگئیں

ہم وہ ہیں دردمند محبت جہاں رہے
خاموش بھی رہے تو سراپا فغاں رہے
ہر چند وقفِ کشمکش دو جہاں رہے
تم ہی ہمارے ساتھ رہے ہم جہاں رہے
باقی چمن میں کچھ تو ہمارا نشاں رہے
صیاد ہم رہیں نہ رہیں آشیاں رہے
ہر شاخ پر ہے باغ میں صیاد کی نگاہ
مطلب یہ ہے کہیں نہ میرا آشیاں رہے

وہ گلوں پر تازگی رونق وہ گلشن میں نہیں
خاک سی اڑتی ہے میں جب سے نشیمن میں نہیں

دل کی خاکستر کو اے غافل حقارت سے نہ دیکھ / اس میں جو چنگاریاں ہیں دشت ایمن میں نہیں
باغ کا منظر خزاں کا رنگ تصویر قفس / کون سی دنیا ہے جو میرے نشیمن میں نہیں

جلوہ فرما کون اس اجڑی ہوئی منزل میں ہے / آفتاب حشر ہے جو داغ میرے دل میں ہے
دل بھی ہے پابند غم حسرت بھی مضطر دل میں ہے / جس کے یہ دونوں ہیں کیا جانیں وہ کس مشکل میں ہے

جوانی آتے ہی ان پر قیامت کی بہار آئی / نظر بیگانہ وار اٹھی حیا مستانہ وار آئی
چمن میں راس کب مجھ کو ہوائے روزگار آئی / قفس ہی میری قسمت میں لکھا تھا جب بہار آئی
صدا کس کی الٰہی کان میں یہ بار بار آئی / نہ جانے کس طرح راحت انھیں زیر مزار آئی
وہ دیوانہ ہوں میں جب سے بسایا میں نے زنداں کو / نہ صحرا میں اُگے کانٹے نہ گلشن میں بہار آئی

غضب حسن آفریں فیض جمال روئے جاناں تھا / کہ ان آنکھوں نے جس گل پر نظر ڈالی گلستاں تھا
شب فرقت ہمیں کروٹ بدلنا کوئی آساں تھا / ادھر اک زخم حسرت تھا ادھر اک داغ ہجراں تھا
نقاہت یہ کہ مشکل آنسوؤں کا پونچھ لینا بھی / جنون ایسا کہ جو کچھ سامنے آیا گریباں تھا
انھیں کی اک نگاہ ناز کے سارے کرشمے تھے / نہ حسرت میری حسرت تھی نہ ارماں میرا ارماں تھا

وہ چمن میرا چمن ہے وہ قفس میرا قفس / جس کے ہر ہر گوشہ میں صدہا چمن صدہا قفس
تب دکھاؤں باغباں کو اشک خونیں کی بہار / اک طرف گلشن ہو اس کا ایک طرف میرا قفس
خاک ہو اپنی رسائی جلوہ گاہ یار تک / حسن کا عالم گلستاں عشق کی دنیا قفس
عشق میں آزاد ہو کر کیا کروں میر بہار / اس گلستاں کا نظر آتا ہے ہر تنکا قفس
اضطراب دل کے ہاتھوں سب برابر ہیں مجھے / کیا بیاباں کیا گلستاں کیا نشیمن کیا قفس
تم جدھر نکلے ادھر اک چھا گئی تازہ بہار / ہم جہاں بیٹھے وہیں اک کرلیا پیدا قفس

دھجیاں دست جنوں سے جیب و داماں میں نہیں / کوئی ٹکڑا قسمت خار بیاباں میں نہیں

فیض سوزِ عشق سے اے دل سراپا داغ ہوں — جو بہار اب مجھ میں ہے سارے گلستاں میں نہیں
جانشین حضرت فرہاد و مجنوں ہوں جگر — بعد میرے کوئی بھی کوہ و بیاباں میں نہیں

اشارہ خود جو نہ وہ بہر جستجو کرتے — مجال کیا تھی ہماری کہ آرزو کرتے
وہ ہم سے ملتے نہ ملتے یہ ان کی تھی مرضی — ہمارا کام یہی تھا کہ جستجو کرتے
بیان ہو نہ سکی ابتدا محبت کی — تمام عمر ہوئی شرح آرزو کرتے

جلوہ جوان کے رخ کا مری چشم تر میں ہے — شادابیٔ بہار کا عالم نظر میں ہے
ہر ذرہ رقص میں ہے جو اس رہ گذر میں ہے — کیا عالم حیات کسی کی نظر میں ہے
گلشن ہو یا بہار ہو جنت ہو یا خلد — جب تک ہو تم نظر میں سبھی کچھ نظر میں ہے
کیا آفتاب حشر سے جھپکے گی اب یہ آنکھ — ہر ذرہ کوئے یار کا میری نظر میں ہے
تنہائی فراق کا کیا کیجیے بیاں — اک آہ تھی سو وہ بھی تلاش اثر میں ہے

اثر پیدا ہوا کس کی فغاں میں — تلاطم ہے زمیں و آسماں میں
بڑھی جاتی ہے وحشت ہر قدم پر — چھپا جاتا ہوں گرد کارواں میں
رہی لرزاں ہمیشہ ان سے بجلی — جو تنکے بچ رہے تھے آشیاں میں

ازل کے دن جنھیں لے کر چلے تھے تیری محفل سے — وہ شعلے آج تک لپٹے ہوئے ہیں دامن دل سے
مجھے اب خوف ہی کیا ہجر میں تنہائی دل سے — ہزاروں محفلیں لے کر اٹھا ہوں تیری محفل سے
فلک پر ڈوبتے جاتے ہیں تارے بھی شب فرقت — مگر نسبت کہاں ان کو مرے ڈوبے ہوئے دل سے
وہی سب رنگین نقش و نگار صفحۂ ہستی — اڑی تھیں جس قدر چھینٹیں مرے خون نابۂ دل سے
محبت میں قدم رکھتے ہی گم ہونا پڑا مجھ کو — نکل آئیں ہزاروں منزلیں ایک ایک منزل سے
نظر آئے نہ کیونکر رقص میں ہر ذرۂ صحرا — غبار قیس ملنا چاہتا ہے اٹھ کے محمل سے
بدن سے جان بھی ہو جائے گی رخصت جگر لیکن — نہ جائے گا خیال حضرت اصغر مرے دل سے

اثر لینا تھا ہم کو ہر ادائے حسن سے ان کی　　مگر لازم نہ تھا رسوا سرِ بازار ہو جانا
ادھر دامن کسی کا جھاڑ کر محفل سے اٹھ جانا　　ادھر نظروں میں ہر ہر چیز کا بیکار ہو جانا
وصال و ہجر کے جھگڑوں نے فرصت ہی نہ دی ورنہ　　مآلِ عاشقی تھا روح کا بیدار ہو جانا

بس اک نظروں کا دھوکا ہے بس اک آنکھوں کا پردا ہے　　نہ مجنوں کوئی مجنوں ہے نہ لیلیٰ کوئی لیلیٰ ہے

ہر اک داغ فرقت کا دھونا پڑا　　انھیں بھی مرے ساتھ رونا پڑا

پاسِ ادب سے چھپ نہ سکا رازِ عشق کا　　جس جا تمھارا نام سنا سر جھکا دیا

لے کے خط ان کا کیا ضبط بہت کچھ لیکن　　تھرتھراتے ہوئے ہاتھوں نے بھرم کھو دیا

لحظہ بھر جل لیے پروانے تو کیا حاصل ہے　　شمع جس شان سے جلتی ہے بہت مشکل ہے

ان سے تو عنایت کی نظر کی نہیں جاتی　　اور دل کی یہ حالت ہے کہ دیکھی نہیں جاتی

سفاک چتونیں بھی ہیں قاتل نظر بھی ہے　　کیا چیز ہو گئے ہو تمھیں کچھ خبر بھی ہے

یہ سوزِ نہاں نہیں ہے دل میں　　جلتا ہے چراغ بے کسی کا

سمجھے تھے جسے ہم آرزو ہے　　معلوم یہ اب ہوا کہ تو ہے

مجھ سے الٹا انھیں شکوہ ہے ستم گاری کا　　اے جنوں خواب کا عالم ہے کہ بیداری کا

جذبۂ دل صرف جتنا بے محل ہوتا گیا　　اس قدر ذوقِ نظر بھی مبتذل ہوتا گیا

انتخاب دیوان
رونق ٹونکی شاگرد ظہیر

آج قاتل کا گلے پر میرے خنجر چمکا　　للہ الحمد کہ میرا بھی مقدر چمکا

کہہ دوں الٹ کے منہ سے اس کے نقاب اتنا　　ہم سے حجاب رکھنا اے بے حجاب اتنا
تجھ سے نہ یہ گمان تھا اے بانیٔ تغافل　　غیروں کے واسطے ہو ہم پر عتاب اتنا
اس رخ کے ہو مقابل فرمایئے تو رونق　　ہے آفتاب اتنا یا ماہتاب اتنا

تجھ سے جب تک رابطہ اے رشک حور ایسا نہ تھا　　حسرت و اندوہ کا دل میں وفور ایسا نہ تھا
مر گیا جب میں تو اس نے ہم نشینوں سے کہا　　اس زمانہ میں تو عاشق دور دور ایسا نہ تھا

ان کے جانے سے یہ دل میں ہوئی صورت پیدا　　کہ ہوا درد اور اس میں ہوئی شدت پیدا
اس وفا پر یہ جفائیں تری سمجھے سمجھے　　کہ محبت ہی سے ہوتی ہے عداوت پیدا

نرگسِ شوخ میں ترکیبِ حیا ہے پنہاں ۔۔۔ نگہ شرم سے ہے رنگ شرارت پیدا
ہم جو دل سوز نہ ہوتے تو یہ حسرت آتی ۔۔۔ کہ ترے دل میں بھی ہو سوزِ محبت پیدا
کوچۂ یار میں جانا ہی غضب تھا رونق ۔۔۔ کہ ہوئی زمرۂ اعدا میں قیامت پیدا

دیکھا کہ دکھایا ہے وفا نے اثر اپنا ۔۔۔ ہے ذکر تری بزم میں آٹھوں پہر اپنا
اک وار میں شمشیر کے ہوتے ہیں سبکدوش ۔۔۔ سن لیجیے ہے قصہ بہت مختصر اپنا
مرجائے محبت میں کہ ایمان پہ بن جائے ۔۔۔ ہوجائے کسی طرح وہ کافر مگر اپنا
آتا ہے یہی جی میں کہ مر جایئے اک دن ۔۔۔ اُس شوخ کی دیوار سے سر پھوڑ کر اپنا
رونق مگر اللہ کرے خیر کسی کی ۔۔۔ کہتے ہیں وہ آئینے میں منہ دیکھ کر اپنا

سمجھتے تھے اسے نادان مگر وہ تو بلا نکلا ۔۔۔ کہ دشمن بن گیا نامِ محبت منہ سے کیا نکلا
برائے سیر بن ٹھن کے وہ اپنے گھر سے کیا نکلا ۔۔۔ کہ شرق نور سے اک جلوۂ نورِ خدا نکلا
نقاب الٹی ہوئی رخ سے جو وہ بالائے بام آئے ۔۔۔ تو سب کہنے لگے خورشید تاباں دوسرا نکلا
مسافر ہوں اگر ہو حکم تو در پر ٹھہر جاؤں ۔۔۔ مقدر راہ پر تھا آپ کے کوچہ میں آ نکلا

ہے زیرِ زمیں سایہ تو بالائے زمیں دھوپ ۔۔۔ دنیا بھی دورنگی ہے کہیں چھاؤں کہیں دھوپ
ہے نورِ رخِ یار زمانہ میں فروزاں ۔۔۔ کہتے ہیں غلط سب یہ نہیں دھوپ نہیں دھوپ
اس طرح کی ضد ہے اسے ہر بات میں مجھ سے ۔۔۔ کہتا ہوں میں سایہ تو وہ کہتا ہے نہیں دھوپ
اللہ رے ترے گرمیٔ عارض کی شرارت ۔۔۔ خورشید چھپا شرم سے نکلی نہ کہیں دھوپ
ہم پلہ ہوئے یار کی افشاں سے نہ رونق ۔۔۔ چمکی تو بہت کچھ صفتِ مہر میں دھوپ

دوڑے وہ میرے قتل کو تلوار کھینچ کر ۔۔۔ میں رہ گیا اک آہ شرر بار کھینچ کر
گستاخ جذبِ شوق ہے کتنا غضب کیا ۔۔۔ لایا ہے کس کو یوں سرِ بازار کھینچ کر

ہے ہے خبر بہار کی سنتے ہی مر گیا
اک آہ سرد مرغ گرفتار کھینچ کر
وابستہ اس سے سینکڑوں دل عاشقوں کے ہیں
بند قبا نہ باندھے زنہار کھینچ کر
گر اپنے آہ و نالہ میں تاثیر کچھ ہوئی
رونق ہم ان کو لائیں گے سو بار کھینچ کر

شروع عشق و جوانی شروع نغمہ و مے
پسند ہیں یہی دنیا میں مجھ کو چار شروع
تمام شب میں بھی اے قصہ خواں نہ ہوگا ختم
ہوا جو قصۂ زلف دراز یار شروع
دم اخیر اُس بت سے ہو چکا ملنا
یہاں شروع ہے ہچکی وہاں سنگار شروع
نگاہ خوئے انجام پر رہے رونق
نظر مآل پہ اول ہو جب ہو کار شروع

رکھتے ہیں آپ بھی دنیا سے نرالی بندوق
دونوں آنکھیں ہوئی ہیں مل کے دونالی بندوق
طلب بوسہ پہ اُس عربدہ جو نے مجھ پر
کیا کہا پھر تو کہو کہہ کے سنبھالی بندوق
ہاتھ آیا تمھیں اک کھیل ہے صید جہاں
کیا ستم اس نے کیا جس نے نکالی بندوق
ہدف دل پہ نہ چوکی تو بہت خوش ہوکر
اس ستم گار نے سینے سے لگالی بندوق
دیکھ کر توڑ مری آہِ رسا کا رونق
پاؤں میں آن کے لقمان نے ڈالی بندوق

ہوجائے خاک جب تو ملے کچھ یہاں کی خاک
ملتی نہیں ہر ایک کو اس آستاں کی خاک
مقصود ہے کہ یار کے کوچے میں دفن ہوں
بلبل کی آرزو ہے کہ ہو بوستاں کی خاک
آنکھوں سے بادہ خوار لگاتے ہیں شوق سے
کیا کیا خوشی خوشی در پیر مغاں کی خاک
سن کر مری حکایتِ غم طنز سے کہا
اچھی اڑائی آپ نے اس داستاں خاک
رونق کی آرزو ہے کہ یثرب کی خاک ہو
ہے دولتِ حشمی سے فزوں تر وہاں کی خاک

بڑے نصیب کو پہنا ہے اس نے زیور گل
بہت دلوں میں کھلا ہے مگر مقدر گل

ہلاک عشق ہوا تن پہ اپنے گل کھا کر　　کہ میری نعش پہ گویا پڑی ہے چادر گل
ملا ہے رونق اسی دن سے عیش بلبل کو　　بنا ہے گلشن عالم میں جب سے پیکر گل

اے رشک گل گلے میں نہ پھولوں کے ہار ڈال　　منظور یوں ہی ہے تو زمانے کو مار ڈال
اب کے وہ شمع رو مجھے مل جائے گر کہیں　　کچھ ہو گلے میں ہاتھ تو دوں ایک بار ڈال
اُڑ جاؤں گا بہار میں مانند بوئے گل　　زنجیر میرے پائے جنوں میں ہزار ڈال
یارب جو تو نے اس کو تغافل عطا کیا　　میرے بھی دل میں اپنے کرم سے قرار ڈال
رونق غضب ہے یہ شرر افشانیٔ سخن　　اب تو قلم کو ہاتھ سے اے میرے یار ڈال

اگر وہ غیرت صد باغ پہنے گوش میں گل　　کہیں کچھ ایسے کہ اپنے رہیں نہ ہوش میں گل
شب اس پہ عالم مستی میں ڈال بیٹھے ہاتھ　　چراغ عقل ہوا ہے وقت ناؤ نوش میں گل
چمن میں دیکھ کے اس نازنین کو وقت سحر　　بجائے بلبل نالاں ہوئے خروش میں گل
نہ کیونکہ خون دل عندلیب ہو رونق　　بنے حنا سے کف یار بادہ نوش میں گل

سب سے بیگانہ خو کچھ جتلائے درد دل　　خلق سے نا آشنا ہے آشنائے درد دل
کاش ہو دست اجل سے کچھ دوائے درد دل　　درد دل لے کر نکلے سر سے بلائے درد دل
ان کے کی خبر ہے اب میرے غم خانہ میں　　اٹھ کے اپنی راہ لیں اب صدمہ ہائے درد دل
ہوگئی حاصل مجھے کیفیت ہر دو جہاں　　مل گیا ہے جب سے پیر رہنمائے درد دل
جس بشر کو دیکھیے ہے درد دل میں مبتلا　　چل رہی ہے آج کل رونق ہوائے درد دل

کوچۂ یار میں جا بیٹھے ہم　　ہاتھ دنیا سے اٹھا بیٹھے ہم
اور اک فتنہ اٹھا بیٹھے ہم　　کیوں انھیں حال سنا بیٹھے ہم
اس کی فرقت میں تڑپتے ہیں مدام　　صورت قبلہ نما بیٹھے ہم

نقش کف پا ہیں ترے قدموں کے تلے ہم — اے شوخ ستم گار برے ہیں کہ بھلے ہم
رہتی ہے یہ ہر وقت دعائے دل عشاق — اس شوخ کے قدموں کے تلے جائیں چلے ہم
کس طرح رغبت سے ہمیں ذبح کرے وہ — جب پڑ گئے قاتل ترے خنجر کے گلے ہم
سوئے ہیں پائے قبر میں کیا تان کے چادر — اس گوشۂ عزلت میں ہیں دنیائے سے بھلے ہم
گھر آئے مرے شب کو وہ اس شرط سے رونق — وہاں چلنے کو چلتے ہیں نہ ٹھہریں گے دلے ہم

تیرے سوا ملیں جو کسی ماہ رو سے ہم — ناکامیاب ہوں دل پر آرزو سے ہم
یہ عشق کیا بلا ہے کہ قاتل کے ہاتھ سے — اپنا گلا کٹاتے ہیں کس آرزو سے ہم
مہ لو ذوق قتل و طپش جمع کر رکھیں — جاتے ہیں آج لڑنے کو اس جنگجو سے ہم
آتی ہے میکدہ میں جو وہ چشم مست یار — سر پھوڑ پھوڑ لیتے ہیں اپنا سبو سے ہم

مرجائے یا رہے مگر ایک روز جا کے ہم — لائیں گے اور ان کو چال سے لائیں منا کے ہم
بڑھ کر کہا کہ یہ ہے رہ خانۂ رقیب — لائیں ہیں کس فریب سے ان کو لگا کے ہم
بوجھ اور وہ بوجھ جو نہ ملائک سے اٹھ سکا — وہ بار عشق لائے ہیں سر پر اٹھا کے ہم
قاتل نے ہاتھ اٹھا کے لگائی نہ تیغ تیز — شرمندہ ہو کے رہ گئے گردن جھکا کے ہم

کوچہ میں ترے سیکڑوں اغیار پڑے ہیں — ہے راہ چمن بند بہت خار پڑے ہیں
لیجائے وہ ناوک جگر و دل کو تو اچھا — یوں ہی مرے سینے میں یہ بیکار پڑے ہیں
مونس ہے نہ غم خوار کوئی کنج لحد میں — کیا گوشۂ تاریک میں ناچار پڑے ہیں
اے فصل خزاں زور ترا خاک میں مل جائے — گلزار میں پھولوں کی جگہ خار پڑے ہیں
ہے سب کو گمان دامن قاتل میں کہ گل ہیں — چھینٹے جو مرے خون کے دو چار پڑے ہیں
رہنے دے بچے بخیہ زخم جگر و دل — اے دست جنوں جیب دو تار پڑے ہیں
رونق ہے غضب ہوش میں دریائے محبت — گرداب میں لاکھوں ہی ہوس کار پڑے ہیں

عدم کا عزم ہے اب کہہ کے بسم اللہ چلتے ہیں   جو ملنا ہے تو مل لے ورنہ ہم اے ماہ چلتے ہیں
بوقت گفتگو جو دیکھتا ہے قتل ہوتا ہے   تمھارے ہاتھ کیا تقریر میں واللہ چلتے ہیں
جہاں کشتی ہے اور اہل جہاں کشتی نشیں اس کے   عدم کو جائیں گے بیٹھے ہوئے ہیں خواہ چلتے ہیں
مارے ڈر کے اپنے تیر کو جب کھینچتے ہیں وہ   تو دم کہتا ہے ٹھہرو ہم بھی تو ہمراہ چلتے ہیں
رونق کہہ کے ہم سے قیس سوئے دشت جاتا ہے   کہ رخصت ہے حضرت بندۂ درگاہ چلتے ہیں

ستم ہے سیر گل دسترن کے پردے میں   بہت سے خون ہوئے ہیں چمن کے پردے میں
یہ شعبدہ یہ کرشمہ ظہور ہے کس کا   نہاں ہے کوئی تو چرخ کہن کے پردے میں
تم اور بزم طرازی سے کچھ غرض مطلب   مگر عدو کی طلب انجمن کے پردے میں
تیرے کلام پہ بسمل ہیں لیلےٰ و شیریں   بہت سے خون چھپے ہیں سخن کے پردے میں
جھلک رہے ہیں شکر قند ساتھ زخموں کے   ترے شہید کھلے ہیں کفن کے پردے میں
مجھے وہ دیکھ کے مجنوں کہتے ہیں رونق   چھپا نہ عشق کو دیوانہ پن کے پردے میں

تو جدا ہے ہم سے اے جان جہاں برسات میں   سر کو ہم پھوڑیں کہاں جائیں کہاں برسات میں
سیر کو جاتے ہیں گل رویاں گل گوں پیرہن   ہر چمن ہوتا ہے گلزار جناں برسات میں

عجب انداز تم نے سادگی کے کچھ نکالے ہیں   فقط کانوں میں تنکے ہیں نہ بندے ہیں نہ بالے ہیں
کسی سے آنکھ ملتی ہے کسی پر تیغ چلتی ہے   تمھارے ناز و انداز اک زمانے سے نرالے ہیں
حسینان جہاں کو تجھ سے کیا نسبت کہ خالق نے   ید قدرت سے اعضا سب ترے سانچے میں ڈھالے ہیں
شہاب ثاقب ان کا ہے جہاں میں نام اے رونق   شب فرقت شرر میں نے جو کچھ دل سے نکالے ہیں

عالم میں نہ کچھ کثرت انوار کو دیکھیں   پردہ میں نظر باز رخ یار کو دیکھیں
حیرت سے مرے دیکھنے کو دیکھتے ہیں کیا   دیکھیں تو وہ اپنے لب و رخسار کو دیکھیں

رہنے دیں مجھے گرم فغاں کوچہ میں اپنے   اپنی بھی وہ کچھ گرمئی بازار کو دیکھیں
ہیں زلف ورخ اے شوخ تیرے قاتل عالم   کافر ہی کو دیکھیں نہ یہ دیندار کو دیکھیں

دن کو ہاں کہہ دیا تو رات نہیں   آپ کی بات کو ثبات نہیں
ہجر میں دن تو کٹ ہی جاتا ہے   نہیں کٹتی تو ایک رات نہیں
کیوں نہ اخلاق سے بری ہو کلام   شعر لکھتے ہیں کچھ لغات نہیں
کیوں ہراساں ہوں میں دم مشکل   کیا وہ حلاّل مشکلات نہیں
ایک بوسہ کی عرض پر رونق   کہہ گیا یار پانچ سات نہیں

الفت کے غم و رنج و الم دیکھ چکے ہیں   جو کوئی نہ دیکھے اسے ہم دیکھ چکے ہیں
تیرے چمن حسن سے ہرگز نہیں بہتر   ہم خواب میں گلزار ارم دیکھ چکے ہیں
محفل میں چلے آئے ہیں گستاخ مگر کب   جب آپ کے ہم لطف وکرم دیکھ چکے ہیں
ہم بھی کوئی آفت ہیں کہ پھرے طلب وصل   فرقت کے ابھی رنج و الم دیکھ چکے ہیں
رونق تو ذرا اس کو حسینوں سے بچانا   پہلو میں ترے دل کی رقم دیکھ چکے ہیں

کیا لطف شب وصل صنم دیکھ رہے ہیں   ہے خواب کہ ایک رنگ میں ہم دیکھ رہے ہیں
آجائے نہ اشک آنکھوں میں زنہار خبردار   وہ بھی تجھے اے خستۂ غم دیکھ رہے ہیں
کیا وسعت رحمت ہے کہ ہم سے بھی گنہگار   سوئے نظر لطف وکرم دیکھ رہے ہیں
میرے لیے کافی ہے بس ایک جنبش ابرو   کیوں قتل کو وہ تیغ دو دم دیکھ رہے ہیں
کیا عمر ہے کیا شغل ہے ہوشیار ہو رونق   کچھ غم نہیں غافل تجھے ہم دیکھ رہے ہیں

پھر دوبارہ ان سے حال زار ہم کیونکر کہیں   کہہ دیا ایک بار سو، سو بار ہم کیونکر کہیں
جھانکنا پردے سے ان کا روز وشب اچھا نہیں   ہم تو ٹھہرے طالب دیدار ہم کیونکر کہیں

دل تو کیا امید دل مثل رگِ جان قطع کی — وہ تنگ کچھ اور ہے کمزور ہم کیونکر کہیں
درد دل کیونکر سنیں وہ ہیں بہت نازک مزاج — حرف غم ہے قصۂ بسیار ہم کیونکر کہیں
سایۂ لطف خدا ہے سایۂ دیوار یار — رونق اس کو سایۂ دیوار ہم کیونکر کہیں

پھر اسے چھوڑ کے جاتے ہیں ترے یار کہیں — ہاتھ تو آئے ترا سایۂ دیوار کہیں
ہم نکل آئیں گے زنداں سے بہار آنے دو — روک سکتے ہیں جنوں میں درو دیوار کہیں
کس طرح ہم انھیں دزدیدہ نظر سے دیکھیں — خوف ہے یہ کہ نہ جائیں گے گنہگار کہیں
کیا کروں کس سے کہوں جاؤں کہاں میں رونق — چین لینے نہیں دیتا یہ دل زار کہیں

جان و دل شاد کام دونوں ہیں — کامیاب کلام دونوں ہیں
کبھی آنکھوں میں ہو کبھی دل میں — یہ تمھارے مقام دونوں ہیں
ہے مہ و مہر کو کسی کی تلاش — چرخ میں صبح و شام دونوں ہیں

نہیں نہیں دل پر اضطراب پہلو میں — یہ ہے جہان بلا کا جواب پہلو میں
سمجھ چکے ہیں کہ بے خودفگن ہے جلوۂ ناز — وہ آکے بیٹھ گئے ہیں بے حجاب پہلو میں
نہ رنج ہو نہ الم ہو نہ درد ہو رونق — اگر نہ ہو دل حسرت مآب پہلو میں

ہم ان کو حال دل اپنا سنائے جاتے ہیں — وہ بیٹھے سنتے ہیں اور مسکرائے جاتے
وہ بعد قتل بھی خنجر لگائے جاتے ہیں — شہید ناز کی شوکت بڑھائے جاتے
خموش محفل اعدا میں دور بیٹھے ہیں — غضب ہے تو بھی وہ آنکھوں میں کھائے جاتے
یہ انفعال ہے کس کس جفاگری کے عوض — کہ بات بات میں وہ منہ چھپائے جاتے
سمجھ گیا میں کہوں گا نہ کچھ خدا کی قسم — شراب آپ مجھے کیوں پلائے جاتے
یہ بزم یار میں ہے قدر و منزلت رونق — کہ آئے کوئی وہاں ہم اٹھائے جاتے

سیم گوں آپ کے رخسار نظر آتے ہیں
الفت غیر کے آثار نظر آتے ہیں

ناتوانی سے تری بزم میں آؤں کیونکر
دو قدم بھی مجھے دشوار نظر آتے ہیں

کوئی حائل نہیں ہوتا نظرِ الفت کا
جلوے ان کے پس دیوار نظر آتے ہیں

ہم ہوئے جب سے گراں بار محبت رونق
سب کی آنکھوں میں سبک سار نظر آتے ہیں

کیا دیکھتے ہیں آپ جھجک کر شراب میں
پیدا ہے عکس زلف معنبر شراب میں

پرتو فگن ہے چشم فسوں گر شراب میں
کیا مل گیا ہے فتنۂ محشر شراب میں

بدمستیوں کے شوق نے طوفاں اٹھائے ہیں
بیٹھے ہیں ہم بہائے ہوئے گھر شراب میں

تردامنوں کو آتش دوزخ سے ہے نجات
جامہ ہے شرابور سراسر شراب میں

بے یار موج مئے ہے رگ جاں میں نیشتر
یہ جاں ستانیاں ہیں مقرر شراب میں

کچھ قتل میں بھی چاشنی مئے ضرور ہے
قاتل بجھاکے لائیو خنجر شراب میں

تم پر کھلا شراب سے باب ادا و ناز
ہم نے ڈبوئے عقل کے دفتر شراب میں

شیریں کلامیاں ہیں وہاں وقت مے کشی
گویا ملا ہے قند مکرر شراب میں

کھلتا ہے رنگ رخ سے ترے جوہر شراب
کھلتے ہیں حسن شوخ کے جوہر شراب میں

محروم بزم مئے سے نہ پھر جائے محتسب
دے دو کوئی کباب ڈبو کر شراب میں

رونق نے ان کے ہاتھ سے بزم رقیب میں
اک خون دل پیا ہے ملاکر شراب میں

چشم قاتل نہ چھوڑنا مجھ کو
دیکھ بسمل نہ چھوڑنا مجھ کو

خوش ہوں کنج قفس میں میں صیاد
سب کے شامل نہ چھوڑنا مجھ کو

اپنی واماندگی سے کہتا ہوں
پائے درگل نہ چھوڑنا مجھ کو

سربکف آگیا ہوں مقتل میں
آج قاتل نہ چھوڑنا مجھ کو

حشر پر حشر آئے گا رونق
بے سلاسل نہ چھوڑنا مجھ کو

مدعا ہے نہ کرم سے نہ جفا سے مجھ کو
کام ہے جادۂ تسلیم ورضا سے مجھ کو

حسن سے عشق یہ کہتا ہے بصد ناز و غرور　　　　کہ بنایا ہے بڑا ارض و سما سے مجھ کو
عزم اپنا ہے پئے سیرِ شبستانِ عدم　　　　یاد رکھیں مگر احباب دعا سے مجھ کو
بند آنکھیں ہیں تصور میں ترے شکل حباب　　　　کام کچھ ہے نہ بقا سے نہ فنا سے مجھ کو
ہے یقیں قبر سے بھی میں نکل آؤں رونق　　　　وہ پکاریں جو کبھی حرف ندا سے مجھ کو

سوز دلِ نالاں میں اثر دیکھیے کیا ہو　　　　ہے نخلِ طلب خشک ثمر دیکھیے کیا ہو
فردا پہ نہ رکھ عیش کو امروز کے زنہار　　　　کل صبح کو اے رشک قمر دیکھیے کیا ہو
ہاں کچھ تو لکھیں گے وہ جواب خط رونق　　　　اقرار کہ انکار مگر دیکھیے کیا ہو

مستی میں نہ دیکھو نگہِ قہر سے مجھ کو　　　　یہ آب بقا کم نہیں کچھ زہر سے مجھ کو
سرخوش ہوں مئے عشق میں کچھ سر پہ گذر جائے　　　　کیا خوف ہے آشوب گہِ دہر سے مجھ کو
شوخی کے تصدق کہ نمایاں ہے محبت　　　　یوں دیکھتے ہیں وہ نظر قہر سے مجھ کو

کوئی خنجر ہو کہ شمشیر دو سر ہاتھ میں ہو　　　　کچھ علاج دل بیتاب مگر ہاتھ میں ہو
اس کو میں اپنے گریباں کی بنا دوں تصویر　　　　گر کسی طور سے دامانِ سحر ہاتھ میں ہو
کچھ سیاہیِ حنا کچھ وہ بیاضِ کفِ دست　　　　کس کے یوں تیرے سوا شام و سحر ہاتھ میں ہو

وصل اس سے نہ ہو وصال تو ہو　　　　کہیں قصہ انفصال تو ہو
نہ سہی لطف کچھ عتاب سہی　　　　اس کے دل میں میرا خیال تو ہو
کیوں نہ تجھ کو حنا سے ہو رغبت　　　　یوں کوئی اور پائمال تو ہو
مصلحت ہے طپیدگی دل کی　　　　مگر ان کو ادھر خیال تو ہو
قول اپنا یہی ہے اے رونق　　　　کوئی مدفن ہو مگر کمال تو ہو

رنج کا رنج نہ راحت کی ہے راحت ہم کو　　　　فیض خالق سے ہوئی ہے محبت ہم کو

کیا دخل مہرباں جو کسی کو خبر بھی ہو — پر ہم سے روشنی تمھیں مدنظر بھی ہو
کیا سوچتا ہے سر کو مرے تن سے کر جدا — اے تیغ زن یہ قصہ کہیں مختصر بھی ہو
دیوار و در سے سر کو نہ پھوڑیں تو کیا کریں — کافر کسی طرح سے شب غم بسر بھی ہو
رونق ہزار بار ہوں وہ ملتفت ادھر — کمبخت اپنے نالہ کا دل میں اثر بھی ہو

ڈھنگ بے طور ہیں کچھ رات بسر ہو کہ نہ ہو — دیکھیے اس شب فرقت کی سحر ہو کہ نہ ہو
ہائے آتا ہے غم یار جگر خواری کو — ایک تردد ہے کہ پہلو میں جگر ہو کہ نہ ہو
تو ہی جب ساتھ نہ ہوائے چمن آرائے امید — تو گلستانِ ارم ہم کو سقر ہو کہ نہ ہو
ہوں تو مقتل میں مگر دل میں یہی ہیں وسواس — کہ انہیں قتل مرا مدنظر ہو کہ نہ ہو
کوئی جب پاس سے اٹھ جائے تو کہیے رونق — درددل ہو کہ نہ ہو دردجگر ہو کہ نہ ہو

ہے جان میں طاقت نہ تنِ زار میں دم ہے — جاں الجھی ہوئی عشق میں ہے یار میں دم ہے
دم لے گی نہ عاشق کے گلے ملنے سے ہرگز — جب تک کہ ستمگر تری تلوار میں دم ہے

غیر کو کہتا کہ یہ آیا ہے گھر سے آدمی — چھپ کے جاتا ہے کہاں میری نظر سے آدمی
گھر میں وہ گرم سخن ہیں حشر ہے باہر بپا — سر پٹکتے ہیں کھڑے دیوار و در سے آدمی
عشق کا جوہر ہے مجھ سے عشق سے میری جمود — آدمی سے ہے ہنر اور ہے ہنر سے آدمی
آسماں کو یاس سے حیرت سے میں تکنے لگا — دور جب ان کا ہوا میری نظر سے آدمی
کس کو دنیا میں ہے رونق کچھ پڑنے کی امید — خاک کتنے ہوگئے مثلِ گہر سے آدمی

کچھ یار سے کی میں نے نہ تقریر ادب سے — دہاں لب ہیں مرے غنچۂ تصویر ادب سے
بسمل بھی ترے کتنے ادا سنجِ ادب ہیں — دم تک بھی نہ کھینچا تہِ شمشیر ادب سے
اللہ کا گھر جان کے کیا او بتِ کافر — بیٹھا ہے مرے دل میں ترا تیر ادب سے

توڑو نہ دلِ خستہ کہ خود کی ہے قضا نے
اس منزل انوار کی سیر ادب سے
شمشاد اقامت سے ہے گلشن میں سرفراز
رونق یوں نہیں انسان کی ہے توقیر ادب سے

دل تک ہو چاک تیغ جو سر پر لگایئے
عاشق ہوں ہاتھ سوچ سمجھ کر لگایئے
چہرے پہ ناز کی سے نہ آئے کہیں گزند
رخسار سے نہ آپ گلِ تر لگایئے
ساقی کے لطفِ خاص کی تعظیم ہے ضرور
آنکھوں سے جام بادۂ احمر لگایئے
ہے جی میں بہر نور نگہ اس کی خاک پا
سرمہ کی جا اگر ہو میسر لگایئے
یہ دل میں ہے کہ چھوڑ کے رونق جہان کو
کوچہ میں اس نگار کے بستر لگایئے

اس سے یوں وصل کی تدبیر بنے اور بگڑے
ہائے تقدیر کہ تقدیر بنے اور بگڑے
فکر میں آ نہ سکی خوبی ترکیب اس کی
ورنہ مانی سے وہ تصویر بنے اور بگڑے
اس کی محفل میں کسے بار سخن ہے رونق
جبکہ اک بات میں توقیر بنے اور بگڑے

نسخہ میں طبیبوں نے لکھا اور ہی کچھ ہے
بیمارِ محبت کی دوا اور ہی کچھ ہے
اغیار سے تھیں میرے ستانے کی صلاحیں
اور میں نے جو پوچھا تو کہا اور ہی کچھ ہے
کہتے ہیں وہ گھبرا کے مجھے دیکھ کے غش میں
مر جائیں گے یہ ان کو ہوا اور ہی کچھ ہے
مانگے کوئی دولت کوئی عزت کوئی جنت
اور عاشق بے دل کی دعا اور ہی کچھ ہے
اعدا کی ملاقات سے انکار مسلّم
کیا کہیے مگر ہم نے سنا اور ہی کچھ ہے
ہر چند قیامت ہے تری چشم کی شوخی
شوخی میں مگر رنگ حیا اور ہی کچھ ہے
ہاں زمزمۂ بلبل و قمری پہ نہ جانا
رونق دل ناداں کی صدا اور ہی کچھ ہے

خرام ناز کو ایجاد فن لگے کرنے
وہ رہگذار کو اپنے چمن لگے کرنے
وہ آئیں گے تو مروں گا رقیق میرے کیوں
ابھی سے فکر مزار و کفن لگے کرنے

اب اس مقام پہ ہیں بے خودانِ جلوۂ دوست کہ آزمائش دار و رسن لگے کرنے
نشاط پرسش احوال میں چھلک اٹھے ہم ان سے شکوۂ رنج و محن لگے کرنے
جو ربط خسرو شیریں کا ذکر میں نے کیا وہ شرح جانکنی کو ہکن لگے کرنے
یہ ہوش رشک نے کھوئے کہ آہِ سرد سے ہم علاج شورش داغ کہن لگے کرنے
کہ جو میں نے کہا رونق سے رم ہے کیوں تو کہا یہ خوف ہے کہ نہ دیوانہ پن لگے کرنے

رشک کہتا ہے مگر عاشق ہے تم پر چاندنی وصل کی شب صبح تک قائم ہے کیونکر چاندنی
کچھ ابھارے گا انھیں بے شک مزاج فتنہ جو رنگ کچھ اپنا دکھائے گی مقرر چاندنی
وصل کی شب حسن گیرا کے کرشمے سب کھلے صبح تک گھر سے مرے نکلی نہ باہر چاندنی
پاؤں سے اس کے یہ کسب نور کرتی ہے سدا ان کے گھر کی چاندنی سے ہو نہ ہمسر چاندنی

قرار کب ہے نہ جب تک وہ بے حجاب ملے الٰہی خاک میں میرا دل خراب ملے

غیر کا پاس کیا اے ستم آرا تو نے نہ سنا کچھ نہ سنا حال ہمارا تو نے
خوف تھا ہاتھ لگانے سے کہیں جی نہ اٹھے نہ دیا میرے جنازے کو سہارا تو نے
میرے مرقد ہی پہ رکھ دے اسے پھولوں کے عوض رات کا ہار گلے سے جو اوتارا تو نے
ایک جلوہ میں مٹائے وہ پریشاں نظری خوب بگڑے ہوئے عاشق کو سنوارا تو نے
وہم یہ تھا کہ اڑالوں نہ کہیں ذوق نگاہ سوئے اغیار کیا کچھ نہ اشارہ تو نے
تجھ کو پروانہ تھی اور ہم کو غنیمت یہ تھا لے کے دل پھیر دیا کیوں نہ ہمارا تو نے
میں تو حیران ہوں کہ قاتل سے کوئی یہ پوچھے کس لیے رونق دل خستہ کو مارا تو نے

داروئے جاں بے خبر لا دے خبر یار نامہ بر لا دے
تجھ پہ قربان اے نسیمِ قبول مجھ کو بہرِ دعا اثر لا دے

ہائے اتنا نہیں کوئی رونق — کہ وہاں کی مجھے خبر لا دے

قاتلِ خلق تری ہر شکنِ دامن ہے — گُل بھی ایک کشتۂ گُل گوں کفنِ دامن ہے
آب و رنگ گہرِ عشق ہے اس سے کیا کیا — داغ خون ایک سہیل یمنِ دامن ہے
ہر چمن کے لیے دنیا میں خزاں ہے لازم — بے خزاں ایک ہمارا چمنِ دامن ہے
دیکھ کر مجھ کو جو دامن سے کیا تم نے حجاب — لب پہ ایک ایک کے کیا کیا سخنِ دامن ہے
اشکِ گُل گوں کی بدولت کوئی دیکھے رونق — کیا تر و تازہ ہمارا چمنِ دامن ہے

آپ جو گلشن میں منہ پر رکھ کے دامن ہنس پڑے — مسکرائے غنچے اور گلہائے گلشن ہنس پڑے
جاں سے تنگ آ کے ہم رونے گئے تھے دردِ دل — دیکھتے ہی وہ بہار روئے روشن ہنس پڑے
ہم کو گریہ سے نہیں فرصت ہنسائیں کیا تجھے — ورنہ سایہ بھی ترا اے رشکِ گلشن ہنس پڑے
آئے وہ رونق عیادت کو ہماری نزع میں — ان کی صورت دیکھ کر ہم وقتِ مردن ہنس پڑے

رونق جو کیا عشق تو مر کیوں نہیں جاتے — اس دجلۂ پُر غم سے اتر کیوں نہیں جاتے

آج سر ہم نے کئی تن سے اتارے ہوتے — غیر آ جائیں ترے پاس ہمارے ہوتے
مرگِ دشمن کا غضب سوگ لیے بیٹھے ہو — عید کا روز ہے کپڑے تو اتارے ہوتے
ہے عبث شکوہ حسینوں کی جفا کا رونق — یہ کسی کے بھی ہوئے ہیں جو تمھارے ہوتے

دنیا میں جس یار سے بڑھ کر نہیں کوئی — اس شوخ ستم گار سے بڑھ کر نہیں کوئی
ہاں سایۂ طوبیٰ بھی ہے اور ظلِ ہُما بھی — اس سایۂ دیوار سے بڑھ کر نہیں کوئی
دردِ دل و ذوقِ نظر فرصت و خلوت — ذوقِ طلب ان چار سے بڑھ کر نہیں کوئی
خلوت میں بھی دمساز ہے جلوت میں بھی ہمراز — غم خوار غمِ یار سے بڑھ کر نہیں کوئی
لختِ جگر و دل ہی نہیں جان ہیں اپنی — رونق مجھے اشعار سے بڑھ کر نہیں کوئی

ان سے ماننا کسی بہانہ سے / ورنہ مطلب شراب خانہ سے
نیند آجائے گی سنا تو سہی / حال دل کم نہیں فسانہ سے
ضبط غم سے ٹپک پڑے آنسو / عشق چھپتا نہیں چھپانے سے
آتشِ عشق بھی غضب ہے کوئی / بھڑک اٹھتی ہے کچھ بہانے سے
ظلم کیا کیا سہے مگر رونق / تم نہ باز آئے دل لگانے سے

نہ باتیں کیں نہ تسکین دی نہ پہلو میں ذرا ٹھہرے / جو تم آئے تو کیا آئے جو تم ٹھہرے تو کیا ٹھہرے
کسی کا رنگ الفت کیا مجھے واں یہ بھی مشکل ہے / کہ ان کے دست نہ پائیں ایک دم رنگ حنا ٹھہرے
دل مضطر بہ شکل برق دم لینے نہیں دیتا / مجھے آرام آجائے جو پہلو میں ذرا ٹھہرے
وفاداری ہوئی بیکار مرنا کھیل آ ٹھہرا / خدا جانے کہ اب کیا رنگ آئین وفا ٹھہرے
دماغ ایسا ہی کچھ نازک جبیں ایسے ہی کچھ بدگو / کہوں اک حرف مطلب اور واں اک ماجرا ٹھہرے
چمن میں آگ سی پیراہن گل سے بھڑک اٹھی / فغاں سے ایک دم تو بلبلِ آتش نوا ٹھہرے
اگر جانا ہی ٹھہرا ہے تو اچھا دل بھی لے جاؤ / کسی پہلو کسی صورت تو جان مبتلا ٹھہرے
کبھی شادی کبھی غم ہے کبھی کچھ اور عالم ہے / دل اک مہماں سرا ہے اس میں رونق کوئی آ ٹھہرے

دل کے ٹکڑے جمع ہیں کیا چشم گریاں کے لیے / پھول آنکھوں میں اٹھا رکھے ہیں داماں کے لیے
باغ میں رخصت تو گل چیں کی مل جائے کہیں / وسعتیں بھی مانگ ہی لائیں گے داماں کے لیے
قتل ہی سے بار منت رکھ سر عشاق پر / آدمی پیدا ہوا ہے لطف و احساں کے لیے
شرم تیرے ہاتھ ہے اس دم مری اے دردِ دل / چارہ گر کو لائے ہیں احباب درماں کے لیے
ٹکڑے ٹکڑے جیب ہے دامن ہے رونق تار تار / خوب ہی آرائشیں ہیں جیب و داماں کے لیے

دل کو ڈھونڈیں گے بصد حیلۂ دفن دیکھیں گے / ہم بھی اُس زلف مسلسل کی شکن دیکھیں گے
لوگ کہتے ہیں کہ مقتول سے ہوتے ہیں وہ خوش / یہ تو ہاتھ اپنے ہے مقتول بھی بن دیکھیں گے

دل میں جتنے تھے سخن سب مرے ارمان بنے
ان کو گر نظم کروں آج تو دیوان بنے
شادیٔ وصل غم ہجر کی پوچھی تعریف
ہم بھی عیار ہیں کیا جان کے انجان بنے
دیدۂ تر سے نکالے ہیں ابھی دو قطرے
خوف آتا ہے کہ اس کا بھی نہ طوفان بنے
روز و شب دوش صبا پر ہے ہمارا تن زار
دولتِ ضعف سے پھرتے ہیں سلیمان بنے
مجھ کو کعبہ میں جو دیکھا تو کہا اک اک نے
خیر ہے حضرت رونق بھی مسلمان بنے

قاتل ہی بُرا ہے نہ وہ شمشیر بُری ہے
سب اچھے ہیں لیکن مری تقدیر بُری ہے
باز آ کہ مری آہ کی تاثیر بُری ہے
ہر روز کی چھیڑ اے فلک پھیر بُری ہے
گردن پہ مری ہاتھ لگانے میں نہ ہو دیر
اے تیغ زن اس کام میں تاخیر بُری ہے
اک وار میں سر تن سے جدا کیوں نہیں ہوتا
وہ ہاتھ تو اچھے ہیں جو شمشیر بُری ہے
وہاں جاکے جو آتے ہیں تو کہتے ہیں مرے دوست
کیا کیجیے رونق تری تقدیر بُری ہے

نہ بتوں کے نہ اب خدا کے رہے
ہم کہیں کے نہ دل لگاکے رہے
فتنے کیا کیا نہ وہ اٹھاکے رہے
ہم بھی کوچے میں ان کے جاکے رہے
کرگئی وہ نگاہ اپنا کام
ہم بھروسے پہ اتقا کے رہے
نام میرا جہاں لکھا پایا
ضد تو دیکھو کہ وہ مٹا کے رہے
اس نے ہر چند عذر خواب کیا
حال دل ہم مگر سنا کے رہے
لے اُڑا اُن کو شوق غیر کے گھر
ہم تجسس میں نقش پا کے رہے
اپنی ہستی ہے اس طرح رونق
جیسے کوئی سرا میں آکے رہے

کیا خاک آرزو دل بے تاب میں رہے
کس طرح کوئی معدن سیماب میں رہے
ہے چشم تر میں جلوۂ رخسار آتشیں
حیرت کی جا ہے آگ اگر آب میں رہے
رونق وصال یار مبارک تمھیں مگر
باقی کوئی دقیقہ نہ آداب میں رہے

جس طرح اشک چشم تر سے گرے | یوں ہی ہم آپ کی نظر سے گرے
بے تکلف گلے لگا لیں ہم | کاش خنجر تری کمر سے گرے
رخ سے ٹپکے جو قطر ہائے عرق | پھول سے دامنِ سحر سے گرے
نہ تو صیاد ہے نہ کنج قفس | کہیں بجلی بھی ابر تر سے گرے
دیکھ کر شکل ان کی اے رونق | مہر و مہ بھی مری نظر سے گرے

جلاد کو تلوار لگانے نہیں دیتے | یوں بھی مرے جھگڑے کو چکانے نہیں دیتے
ہے مجھ سے عداوت کہ لگاوٹ ہے یہ تجھ سے | کوچہ میں ترے دوست جو آنے نہیں دیتے
کیا تنگ ہوں فکر و غم اندوہ سے رونق | سر تک بھی تو زانو سے اٹھانے نہیں دیتے

خوب پوری کی یہ شرط آشنائی آپ نے | ایک شب آ کر نہ پھر صورت دکھائی آپ نے
سر اڑا کر تیغ بر ان سے وہ یوں کہنے لگے | کیوں ہمارے ہاتھ کی دیکھی صفائی آپ نے
زخم جو دل میں پڑا ہے کچھ نہیں درماں پذیر | زہر میں تیغ نگہ شاید بجھائی آپ نے
جلوہ اپنے حسن کا دکھلا کے ہر ہر رنگ میں | کافر و مومن میں ڈالی ہے لڑائی آپ نے
گر اشارہ قتل رونق پر نہ تھا کچھ آپ کا | غیر کی پُرسش پہ کیوں گردن جھکائی آپ نے

چشمہ ساز فیض ہو میخانہ نہ ایسا چاہیے | نوش بخشِ خلق ہو پیانہ ایسا چاہیے

اڑے نکہتِ گیسو صبا کے چلنے سے | ہوا جنوں کی بن رہی ہے ہوا کے چلنے سے
نگاہ گرم کی اس خستہ جان کو تاب کہاں | عرق عرق ہو جو ٹھنڈی ہوا کے چلنے سے
نگاہ ناز پہ شک تھا جو دل چرانے کا | وہ مٹ گیا تری آنکھیں چرا کے چلنے سے
شہید خنجر الفت ہے زندۂ جاوید | چراغ طور نہ گل ہو ہوا کے چلنے سے
کہیں نقاب کے پردے میں چاند چھپتے ہیں | چھپے نہ خلق میں وہ منہ چھپا کے چلنے سے

غضب کے باد بہاری نے گل کھلائے ہیں
پھٹے ہیں لاکھ گریباں ہوا کے چلنے سے
دھرا ہے سر پہ گراں بار معصیت رونق
کھلا ہمیں تری گردن جھکا کے چلنے سے

ہم ہیں ہشیار کیا ارادہ ہے
نگہ یار کیا ارادہ ہے
کشتۂ چشم مست ہے اک خلق
اے لب یار کیا ارادہ ہے
نہیں آتے وہ اور نہیں آتے
نالۂ زار کیا ارادہ ہے
سعی دلکش خیالِ جان پرور
طلب یار کیا ارادہ ہے
مول لیتا ہے درد دے کر دل
رونق زار کیا ارادہ ہے

ربط ہو غیر سے اگر کچھ ہے
اس طرف بھی مگر نظر کچھ ہے
بے خبر ہے وہ ہر دو عالم سے
جس کو اس شوخ کی خبر کچھ ہے
یہاں کوئی ماجرا شریک نہیں
ہے اگر کچھ تو چشم تر کچھ ہے
مٹ گیا قصہ مر گیا عاشق
ہو مبارک تمھیں خبر کچھ ہے
جستجو ہے وہیں وہیں ہے نظر
جلوہ ریزی جدھر جدھر کچھ ہے
ہے تماشا بقدر ذوق نگاہ
دیکھتا ہوں جدھر ادھر کچھ ہے
بد بلا ہے کسی کسی کی نظر
تم نہ جانا کہ بام پر کچھ ہے
عزم سوئے عدم تو ہے رونق
توشۂ راہ بھی مگر کچھ ہے

جو نہ ہم دیکھ سکیں پیش نظر ہوتا ہے
خجلت آسودہ نگاہوں میں اثر ہوتا ہے
نالہ ہر چند بد آموز ہے لیکن اس کا
کبھی اس منزل دل میں بھی گذر ہوتا ہے
مرگیا پھوڑ کے سر رونق اور کچھ نہ ہوا
جان دینے میں بھی اک رنگ ہنر ہوتا ہے

دل اسے دے کے سرآشفتہ و شیدا ہوتا
تم کو منظور ہے گر خلق میں رسوا ہوتا
زندہ کس کس کو کریں راہ وہ کس کس کو بتائیں
ان کو منظور نہیں خضر و مسیحا ہوتا

انتخاب دیوان

حسن بریلوی شاگرد داغ دہلوی

یہ دل ہے کہ دشمن ہے مری جاں حزیں کا مجھ کو اسی کمبخت نے رکھا نہ کہیں کا
اس مست مئے ناز ذرا دیکھ کے چلنا پس جائے کہیں دل نہ کسی خاک نشیں کا
آغاز محبت میں اٹھائی وہ مصیبت کچھ ڈر نہ رہا مجھ کو دم باز پسین کا
پسپا ہوئی جاتی ہے سر شوق کی ہمت عالی ہے یہ رتبہ ترے کوچے کی زمین کا
دیکھو تو حسن لوگ تمھیں کہتے ہیں کیا کیا کیوں عشق کیا آپ نے اس دشمن دین کا

عدو نے حال محبت جو آشکار کیا تمھیں خدا کی قسم تم نے اعتبار کیا
ستم گروں کے ستم کی ترقیاں دیکھو کہ مجھ کو خاک کیا خاک کو غبار کیا

مئے سے کیا رنگ کا نکھار ہوا پھول پیکر وہ گلعذار ہوا
میرے دل پر بھی اب کوئی جلوہ طور کا تو بہت وقار ہوا

فتنہ جو تیری چال سے اٹھا — وہی آشوب روزگار ہوا
مشک کی کس سے چھپ سکی خوشبو — عشق کا کون پردہ دار ہوا
رفتہ رفتہ وہ جلوۂ بے باک — آفتِ جاں روزگار ہوا ہے
اے حسن مے کشی کو بیٹھ گئے — کچھ ہمارا بھی انتظار ہوا

مر گیا بیمار فرقت مختصر قصہ ہوا — روز کا جھگڑا مٹا بہتر ہوا اچھا ہوا
مرگِ عاشق پر یہ رہ رہ کر تاسف کس لیے — خاک ڈالو ذکر بھی چھوڑو، جو ہونا تھا ہوا
آپ ہی قصداً بلانا مجھ کو جاتا دیکھ کر — آپ ہی پھر چھیڑ سے کہنا مجھے دھوکا ہوا
آپ کی تو میری بدنامی سے بدنامی نہیں — آپ تو رسوا نہ ہوں گے میں اگر رسوا ہوا
آنکھوں آنکھوں میں مرے دل کو چرانا آپ ہی — آپ ہی پھر میری حیرت پر یہ کہنا کیا ہوا
آپ سچے ہیں گیا تھا میں ہی بزمِ غیر میں — سر جھکائے میں ہی تو بیٹھا ہوں شرمایا ہوا
کلمۂ بیجا نہ کہنا کچھ حسن کی شان میں — زاہدو تم اس کو کیا جانو وہ ہے پہنچا ہوا

کس نے سنایا اور سنایا تو کیا سنا — سنتا ہوں آج تم نے مرا ماجرا سنا
ایسے سے دل کا حال کہیں بھی تو کیا کہیں — جو بے کہے کہے کہ چلو بس سنا سنا
وصلِ عدو کا حال سنانے سے فائدہ — اللہ رحم کیجیے بس بس سنا سنا
قاصد ترے سکوت سے دل بیقرار ہے — کیا اس جفا شعار نے تجھ سے کہا سنا
آخر حسن وہ روٹھ گئے اٹھ کے چل دیے — کمبخت اور حالِ دلِ مبتلا سنا

دمِ مردن ترے قدموں پہ اگر سر ہوتا — حشر میں تاجِ کرامت مرے سر پر ہوتا
کیا کہوں طول شب ہجر ستمگر تجھ سے — کچھ نہ ہوتا تو تری زلف سے بڑھ کر ہوتا
آپ کیا کہتے ہیں دشمن کے برابر ہے حسن — خوب ہوتا جو میں دشمن کے برابر ہوتا

جب مرا مہر جلوہ گر ہوگا   دوپہر ہوگا جو پہر ہوگا
تم نہیں کرتے قتل تو نہ کرو   زہر میں بھی تو کچھ اثر ہوگا
او رقیبوں کی رونق محفل   اس طرف بھی کبھی گذر ہوگا
حضرت دل مزاج کیسا ہے   پھر بھی اس کوچہ میں گذر ہوگا
کس کو مطلب ہے بےکسوں سے حسن   کون میرا پیام بر ہوگا

ان کا جلوہ نہیں دیکھا جاتا   دیکھ دیکھا نہیں دیکھا جاتا
قتل کرنے کی وہ جلدی تھی تمھیں   اب تڑپنا نہیں دیکھا جاتا
چشم خونبار خدا رحم کرے   تیرا رونا نہیں دیکھا جاتا
الفت ان کی نہیں چھوڑی جاتی   حال دل کا نہیں دیکھا جاتا
دیکھنے ہی کے لیے ہیں آنکھیں   اُن سے کیا کیا نہیں دیکھا جاتا
پر تری برق تجلی کا جمال   خوب دیکھا نہیں دیکھا جاتا
نامہ پورا وہ حسن کیا دیکھیں   نام پورا نہیں دیکھا جاتا

چشم ظاہر سے رخ یار کا پردہ دیکھا   آنکھیں جب پھوٹ گئیں تب یہ تماشا دیکھا
دیکھنا یہ ہے کہ ہم نے تمھیں کیا چاہا   پوچھنا یہ ہے کہ تم نے ہمیں کیسا دیکھا
پھر جلاؤ گے کبھی طالب دیدار کا خط   سیکڑوں آنکھوں سے اس نے تمھیں دیکھا دیکھا
کان وہ کان ہے جس نے تری آواز سنی   آنکھ وہ آنکھ ہے جس نے ترا جلوہ دیکھا
آپ کہتے ہیں کہ جا دیکھ لیا دل تیرا   کہیے تو اپنے سوا دل میں مرے کیا دیکھا
تم خبر بھی نہ ہوئے خانہ بدوشوں سے کبھی   ہم نے گھر پھونک دیا سب نے تماشا دیکھا
جن سے ہوں سوختہ جانوں کے کلیجے ٹھنڈے   انھیں جلوؤں سے حسن طور کو جلتا دیکھا

حسن جب مقتل کی جانب تیغ براں لے چلا   عشق اپنے مجرموں کو پابجولاں لے چلا
آرزوئے دید جانان بزم میں لائی مجھے   بزم سے میں آرزوئے دید جاناں لے چلا

بسملوں کو زخم زخموں کو مبارک لذتیں — سوئے مقتل پھر کوئی تیغ و نمکداں لے چلا
خونِ ناحق کی حیا بولی ذرا منہ ڈھانک لو — ناز جب ان کو سرِ خاک شہیداں لے چلا
کٹ گیا عاشق سر بازار سودا بک گیا — جان لے لی عشق نے دل حسن خوباں لے چلا
میرے گھر تک پاؤں پڑ کر ان کو لایا تھا نیاز — ناز دامن کھینچتا سوئے رقیباں لے چلا
دل کو جاناں سے حسن سمجھا بجھا کر لائے تھے — دل ہمیں سمجھا بجھا کر سوئے جاناں لے چلا

بزم سے گلشن کو یادِ روئے جاناں لے چلا — میں گلستاں سے گلستاں کو گلستاں لے چلا
جب چلی مقتل سے قاتل کی سواری رات کو — آگے آگے مشعلیں خونِ شہیداں لے چلا
اُف ری متوالی جوانی کچھ خبر تجھ کو نہیں — ساغرِ بوسۂ لب ہائے جاناں لے چلا
داغِ عشق یار بھی کیسے مزے کی چیز ہے — لالہ و دل سے بچا تو ماہِ تاباں لے چلا
تیغ کے دم سے تھی روشن صحبت اربابِ عشق — آہ قاتل رونقِ بزم شہیداں لے چلا
ڈھونڈھتی تھی ہر طرف کس کو نگاہ واپسیں — آس کس کے دید کی بیار ہجراں لے چلا
ناز آزادی حسن وجہ امیری ہو گیا — موکشاں دل کو خیالِ زلف پیچاں لے چلا

دل نشیں ہو کر میرا دل تیرِ جاناں لے چلا — آشیانے کو اڑا کر مرغ پرّاں لے چلا
کیا سنے فریاد بلبل وہ گل نازک مزاج — جو گلے کے ہار کو منہ بند کلیاں لے چلا
نشہ میں سرشار و بے خود ہو کے چکرانے لگا — جام جب کیف لب میگوں جاناں لے چلا
ربط باہم کے مزے صحرا میں بھی یاد آئیں گے — دست و دامن کو جنوں دست و گریباں لے چلا
تربتِ مجنوں نظر آئی جو دشت میں حسن — میں چڑھانے کو گلِ چاکِ گریباں لے چلا

آئینہ تمھارے نقشِ پا کا — خورشید کو دے سبق جلا کا
او وصل میں منہ چھپانے والے — یہ بھی کوئی وقت ہے حیا کا
جب آنکھ کھلی تو بے خودوں سے — پردہ تھا جمال خودنما کا
دل اور وہ بت زہے مقدر — ظلم اور یہ دل غضب خدا کا

جا بیٹھے ہیں مجھ سے دور اٹھ کر   کیا پاس کیا ہے التجا کا
بولے وہ حسن کا خون مل کر   کیا شوخ ہے رنگ اس حنا کا

کہا جب تم سے چارہ دردِ دل کا ہو نہیں سکتا   تو جھنجھلا کر کہا تیرا کلیجہ ہو نہیں سکتا
وہ اپنی ضد کے پورے ہٹ کے پورے آن کے پورے   فقط اتنی کمی ہے قول پورا ہو نہیں سکتا
کہاں کی چارہ فرمائی عیادت تک نہیں کرتے   مسیحائی پہ مرتے ہیں اور اتنا ہو نہیں سکتا
سرِ طور ان کے جلوے نے پکارا خودنما ہو کر   کہ اپنے چاہنے والے سے پردا ہو نہیں سکتا
کہا جب ان سے میری زندگی تم ہو کہا ہنس کر   میں سمجھا اب تمھیں میرا بھروسہ ہو نہیں سکتا
مرا گھر غیر کا گھر تو نہیں کیونکر وہ کھل کھیلیں   نگاہیں اٹھ نہیں سکتیں اشارہ ہو نہیں سکتا
شرف اور رشک کے کہنے سے کچھ تک بندیاں کر لیں   حسن افکار میں ہم سے دو غزلا ہو نہیں سکتا

دیکھے اگر یہ گرمیٔ بازار آفتاب   سر بیچ کر ہو تیرا خریدار آفتاب
وہ حسن خود فروش اگر بے نقاب ہو   مہتاب مشتری ہو خریدار آفتاب
پوشیدہ گیسوؤں میں ہوا روئے پر ضیا   ہے آج مہمانِ شب تار آفتاب
اس کی تجلیوں سے کرے کون ہمسری   ہو جس کے نقشِ پا سے نمودار آفتاب
احباب کو حسن وہ چمکتی غزل سنا   ہر لفظ سے ہو جس کے نمودار آفتاب

پائے کہاں تجلی دلدار آفتاب   ہیں اس کے عکس سے در و دیوار آفتاب
اللہ رے تیرے حسن نکو کی تجلیاں   ہے پشت آئینہ سے نمودار آفتاب
دم بھر ٹھہر گیا تھا جمال رخ حبیب   اب تک ہے چشم و دل میں ضیا بار آفتاب
چشم خیال خیرہ ہے ان کے خیال سے   کیونکر کہوں کہ ہیں ترے رخسار آفتاب
پروانوں میں چراغ ستاروں میں ماہتاب   گل بلبلوں میں ذرّوں میں ہے یار آفتاب
لکھتا بیاضِ صبح پہ خط شعاع میں   سنتا اگر حسن سے یہ اشعار آفتاب

مل گیا دل نکل گیا مطلب آپ کو اب کسی سے کیا مطلب
دن کا رعب ضبط کی گرمی دل میں گھٹ گھٹ کے رہ گیا مطلب
نہ سہی عشق دکھ سہی ناصح تجھ کو کیا کام تجھ کو کیا مطلب
مژدہ اے دل کہ نیم جان ہوں میں اب تو پورا ہوا ترا مطلب
اپنے مطلب کے آشنا ہو تم سچ ہے تم کو کسی سے کیا مطلب
آتش شوق اور بھڑکا دی منہ چھپانے کا کھل گیا مطلب
کچھ ہے مطلب تو دل سے مطلب ہے مطلب دل سے ان کو کیا مطلب
ان کی باتیں ہیں کتنی پہلودار سب سمجھ لیں جدا جدا مطلب
اس کو گھر سے نکال کر خوش ہو کیا حسن تھا رقیب کا مطلب

وہ من گئے تو وصل کا ہوگا مزا نصیب دل کی گرہ کے ساتھ کھلے گا مرا نصیب
کھائیں گے رحم آپ اگر دل بگڑ گیا ہو جائے گا ملاپ اگر لڑ گیا نصیب
شب بھر جمالِ یار ہو آنکھوں کے روبرو جاگیں نصیب جس کو ہو یہ رت جگا نصیب
بپھرا دیا ہے دولت بیدار حسن کا سوئے جو وہ بغل میں تو جاگا مرا نصیب
پہنچا کے میری خاک درِ یار تک صبا رخصت ہوئی یہ کہہ کر اب آ گئے ترا نصیب
اے دل وہ تجھ سے کہتے ہیں میری بلا ملے ایسے ترے نصیب کہاں اے بلا نصیب
جب درد دل بڑھا تو انھیں رحم آ گیا پیدا ہوئی چمک تو چمکنے لگا نصیب
دشمن کو لطف وصل حسن کو غم فراق ہر شخص کا جدا ہے مقدر جدا نصیب

کیوں حسن میں جھگڑتے ہیں شمس و قمر سے آپ اپنا جمال دیکھیے میری نظر سے آپ
آنکھوں سے دیکھ لیتے مرے شوقِ دید کو آتے جو میرے دل میں ذرا پیشتر سے آپ
میں نے کبھی کہا ہے کسی سے جواب کہوں کہہ جائیں میرا حال مرے چارہ گر سے آپ

میں کیا کہوں جنونِ محبت نے کیا کیا　　یہ حال پوچھ لیجیے دیوار و در سے آپ
کیا حال دردِ دل میں گذارش کروں حسن　　پہچان لیں گے آپ مری چشمِ تر سے آپ

سینے میں دل نہاں ہے تو دل میں ولائے دوست　　چھپتا نہیں ہے پھر بھی کبھی جتلائے دوست

ہوگیا زاہد مرید مشربِ رندانہ آج　　کھول ساقی فی سبیل اللہ کوئی میخانہ آج
تجھ سے مل کر کس قدر خوش ہے دلِ دیوانہ آج　　ساری دنیا میں سمائے گا نہ یہ دیرانہ آج
کیا کہوں کیا کہہ رہی ہے یہ گھٹا یہ فصلِ گل　　کیا کہوں کیا چاہتے ہیں شیشہ و پیمانہ آج
بزمِ محشر مجمعِ عشاق جوشِ اشتیاق　　تو بھی پردے سے نکل اے جلوۂ جانانہ آج
آپ پر جادو بھری آنکھوں کا افسوں چل گیا　　اے حسن سب کی زبان پر ہے یہی افسانہ آج

جینے نہ دے گی زلف کی الفت کسی طرح　　ٹل جاتی میرے سر سے یہ آفت کسی طرح
چاہا اگر تمھیں بہت اچھا برا کیا　　بخشوگے بھی خطائے محبت کسی طرح
اب وہ مرے جنازے پر رونے کو آتے ہیں　　آخر کریں بھی رفعِ ندامت کسی طرح
کرلوں زبان بند تو دل بول اٹھے ابھی　　پوشیدہ ہو نہ رازِ محبت کسی طرح
کب وہ بلانے بیٹھے ہیں جب یہ سمجھ لیے　　اٹھنے نہ دے گی اس کو نقاہت کسی طرح

ہمیشہ تم مجھے کہتے ہو بے حیا گستاخ　　دھری رہیں گی یہ باتیں جو میں ہوا گستاخ
عدو نے ایک نہ مانی وہ باادب ٹھہرا　　بجا درست کہا میں نے میں ہوا گستاخ

چھپ گیا یار خود نما ہوکر　　رہ گئی چشمِ شوق وا ہوکر
بے قراروں سے ان کو شرم آئی　　شوخیاں رہ گئیں حیا ہوکر
کیا کہوں کیا ہے میرے دل کی خوشی　　تم چلے جاؤگے خفا ہوکر

روٹھ کر ان سے ہم کہاں جیتیں   وہ منا لیتے ہیں خفا ہوکر
پھنس گیا دل تو چھوڑ دو ہم کو   اب کہاں جائیں گے رہا ہوکر
دل سے کچھ کہہ رہی ہیں وہ آنکھیں   دیکھیں کیا ٹھہرے مشورا ہوکر
ہاتھ اٹھا کر تلاش دل سے حسن   بیٹھ رہیے شکستہ پا ہوکر

راز دل لاتے ہیں زباں تک ہم   دکھ بھریں اے خدا کہاں تک ہم
اور وہ ہم سے کھنچتے جاتے ہیں   منتیں کرتے ہیں جہاں تک ہم
نہ اڑا باغباں کہ گلشن میں   اور ہیں آمدِ خزاں تک ہم
آپ کے لطف نے تو قہر کیا   خوب تھے جورِ آسماں تک ہم
آسمان تک گیا ہے سیلِ سرشک   دل کو رویا کریں کہاں تک ہم
ان کا آنا بھی اب نہیں منظور   جان سے تنگ ہیں یہاں تک ہم
تیرا پیغام بھی سنا دیں گے   اے حسن پہنچیں تو وہاں تک ہم

ہر سخن میں وہ سحر کرتے ہیں   مردے جیتے ہیں زندے مرتے ہیں
دیکھ کر مجھ کو بولے دشمن سے   ایک دلبر پہ یہ بھی مرتے ہیں
جو جواب سلام ان سے دلائے   ہم اسے سو سلام کرتے ہیں

کیوں جان سے بیزار ہوں کیوں دل سے خفا ہوں   دیوانہ ہوں جو تم سے جفا دوست کو چاہوں
مدت کی محبت میں مصیبت میں قلق میں   یہ نام نکالا ہے کہ بدنام ہوا ہوں

بہاریں سی بہاریں ہیں گل چاک گریباں میں   گلستاں کے مزے ہم کو میسر ہیں بیاباں میں
ادا کی شوخیاں بے تابیوں کے رنگ میں ڈوبیں   یہ کس نے بھیج دی تصویر اپنی بزم خوباں میں
صفائے حسن ہے محرومئ دیدار کی باعث   نظر آتی ہے اپنی شکل ہم کو روئے جاناں میں

حسن اب فرقت دل میں عبث بے چین ہوتے ہو
کہا تھا تم سے کس نے کیوں گئے بزم حسیناں میں

مرگِ عاشق کا وہ ماتم کیا کریں
یہ خوشی کی بات ہے غم کیا کریں
تم کو شوخی ہم کو بیتابی کی خو
سچ تو ہے تم کیا کرو ہم کیا کریں
ان کو اے دل تجھ پہ رحم آتا نہیں
اب تری تقدیر کو ہم کیا کریں
دے دیا ہے سب اطبا نے جواب
تم نہ کہہ دینا کہیں ہم کیا کریں
جب کہا فرقت میں مرتا ہے حسن
بولے وہ منہ پھیر کر ہم کیا کریں

لوگ کہتے ہیں عدو سے دوستی اچھی نہیں
کیا یہ عادت آپ کے نزدیک بھی اچھی نہیں
یہ درِ دلدار ہے یہ آستانِ یار ہے
اے سرِ شوریدہ ایسی خود سری اچھی نہیں
وصل میں جب ہاتھ گھونگھٹ کو لگایا اے حسن
شرم بولی منہ چھپا کر یہ ہنسی اچھی نہیں

حال مرگ بے کسی سن کر اثر کوئی نہ ہو
سچ تو یہ ہے آپ سا بھی بے خبر کوئی نہ ہو
ہائے دشمن دیکھیں ان کے اٹھتے جوبن کی بہار
ہائے میں کوئی نہ ہوں میری نظر کوئی نہ ہو
اس تمنا پر کٹے مرتے ہیں مشتاقانِ قتل
یار پر قرباں ہم سے پیشتر کوئی نہ ہو
وہ قیامت کی گھڑی ہے طالب دیدار پر
جب اٹھے پردہ تو پردے کے ادھر کوئی نہ ہو
عشق میں بیتابیاں ہوتی ہیں لیکن اے حسن
جس قدر بے چین تم ہو اس قدر کوئی نہ ہو

کون کہتا ہے کہ آ کر دیکھ لو
حال عاشق کا بلا کر دیکھ لو
پوچھتے کیا ہو کہ دل میں کون ہے
لو یہ آئینہ اٹھا کر دیکھ لو
اس نزاکت پر یہ دعوے قتل کے
پہلے خنجر تو اٹھا کر دیکھ لو
پوچھنا یہ ہے کہ پوچھ مجھ سے حال
دیکھنا یہ ہے کہ آ کر دیکھ لو
وہ اگر دیکھے تو آنکھیں پھوٹ جائیں
تم حسن کو چھپ چھپا کر دیکھ لو

چوٹ جب دل پر لگے فریاد پیدا کیوں نہ ہو — اے ستم آرا جو ایسا ہو تو ایسا کیوں نہ ہو
ایک ہی جلوے نے روشن کر دیے دونوں جہاں — کیوں نہ ہو اے آفتاب عالم آرا کیوں نہ ہو
جان اگر ہو جان تو کیوں کر نہ ہو تجھ پر نثار — دل اگر ہو دل تری صورت پہ شیدا کیوں نہ ہو
دل کا تنگ آ کر دعا کرنا نہ ہو ایسوں سے میل — اس ستم آرا کا جھنجھلا کر یہ کہنا کیوں نہ ہو

ابر بہار زور اٹھا کوہ و راغ سے — پھر دل نے لو لگائی شراب و ایاغ سے
اے عاشقوں نوید کہ سنتے ہیں آج وہ — افسانہ دل جلوں کا زبان چراغ سے
گل فشانیاں تو نہ ہوتیں کبھی حسن — تم نے چنے ہیں پھول یہ گلزار داغ سے

وہ مجھ سے بے خبر ہیں ان کی عادت ہی کچھ ایسی ہے — میں ان کو یاد کرتا ہوں محبت ہی کچھ ایسی ہے
میں آ ؤں وعظ میں سو بار جب یہ دل بھی آنے دے — کروں کیا واعظو رندوں کی صحبت ہی کچھ ایسی ہے
میں کس گنتی میں ہوں اور اک مرے دل کی حقیقت کیا — ہزاروں جان دیتے ہیں وہ صورت ہی کچھ ایسی ہے
کوئی آئے یہ آتی ہے کوئی جائے یہ جاتا ہے — مرا دل ہی کچھ ایسا ہے طبیعت ہی کچھ ایسی ہے
ہمارا کیا بگڑ جاتا حسن تیری سفارش میں — ہماری ان کی اب صاحب سلامت ہی کچھ ایسی ہے

تم بھی ہو خنجر خوشاب بھی ہے — اور یہ خانمان خراب بھی ہے
وہ بھی ہیں ساغرِ شراب بھی ہے — چاند کے پاس آفتاب بھی ہے
بولے وہ بوسہ ہائے پیہم پر — ارے کمبخت کچھ حساب بھی ہے
پوچھتے جاتے ہیں یہ ہم سب سے — مجلس وعظ میں شراب بھی ہے
دیکھ آ کر مریض فرقت کو — رسم دنیا بھی ہے ثواب بھی ہے

جو خاص جلوے تھے عشاق کی نظر کے لیے — وہ عام کر دیے تم نے جہان بھر کے لیے
بلا سے اک دل مضطر اگر گیا تو گیا — مزے تو ہم نے تری شوخی نظر کے لیے

دردمند ہجر کا اب چارہ فرما کون ہے
جان لینے والے تم ٹھہرے مسیحا کون ہے
برق آسا کرلیا پردہ دکھا کر اک جھلک
دیکھنے والوں نے یہ بھی تو نہ دیکھا کون ہے
اس قدر یک رنگ ہوں ہم تم کہ کچھ کھلنے نہ پائے
جلوہ فرما کون ہے محو تماشا کون ہے
سچ تو ہے وہ کس لیے آئیں عدو کو چھوڑ کر
سچ تو ہے میں کون ہوں میری تمنا کون ہے
آپ کیا فرمار ہے ہیں مجھ سے دیکھوں گا تجھے
دیکھنے والا مریض بے کسی کا کون ہے
اے حسن عاصی ہوں خاطی ہوں یہ رہوں گر
میں برا جس کا ہوں اس اچھے سے اچھا کون ہے

مرے مرنے سے تم کو فکر اے دلدار کیسی ہے
تمھاری دل لگی کو محفل اغیار کیسی ہے
ہمارے گھر سے جانا مسکرا کر پھر یہ فرمانا
تمھیں میری قسم دیکھو مری رفتار کیسی ہے
وہ مجھ سے پوچھتے ہیں غیر سے اور تم سے کیوں بگڑی
ذرا ہم بھی سنیں آپس میں یہ تکرار کیسی ہے
معاذ اللہ برق حسن کس کی آنکھیں اٹھنے دے
تماشائی نہیں واقف کہ شکل یار کیسی ہے
حسن جام مئے گلرنگ لے کر سوچتے کیا ہو
اگر قیمت نہیں قیمت میں یہ دستار کیسی ہے

گلشن خلد کی کیا بات ہے کیا کہنا ہے
پر ہمیں تیرے ہی کوچے میں پڑا رہنا ہے
ایک کہہ کر جس نے سنی ہوں ہزاروں باتیں
وہ کہے ان سے مجھے آپ سے کچھ کہنا ہے

الفت ہو کسی کی نہ محبت ہو کسی کی
پہلو میں نہ دل ہو نہ یہ حالت ہو کسی کی
آنے میں جو تم دل کے لیے ہو غم و اندوہ
جانے میں یہ لازم ہے کہ حسرت ہو کسی کی

آئی کیا جی میں تیغ قاتل کے
کہ جدا ہوگئی گلے مل کے
کس کے چہرے سے اٹھ گیا پردہ
جھلملائے چراغ محفل کے
ترے در سے کوئی پھرا ہوگا
رہ گئے ہم تو خاک میں مل کے

کس سے کہتے ہم جو اے جان حزیں کہنے کو تھے
ان کے تیور کہہ رہے تھے وہ نہیں کہنے کو تھے

تو نے دل کو تاک کر کیا جلد آنکھیں پھیر لیں
ہم ترے تیر نگہ کو دلنشیں کہنے کو تھے

ڈھونڈھتی تھی ہر طرف تجھ کو نگاہ منتظر
کچھ ترے بیمار وقت واپسیں کہنے کو تھے

آرزو بے چین دل میں سو تمناؤں کا جوش
تم بھی ایسے وقت میں مجھ سے نہیں کہنے کو تھے

ناصحو سچ ہے قیامت ہے محبت کا عذاب
اس کو تم کیا کہتے ہو کیا ہم سے ہمیں کہنے کو تھے

توڑ کر عہد وفا تم نے زبانیں روک دیں
ورنہ کہنے والے تم کو نازنین کہنے کو تھے

اٹھ چلے تم بزم سے اب کیا کہیں کس سے کہیں
ہم بھی کچھ حال دل اندوہگیں کہنے کو تھے

اے حسن کیا آتے بندش میں مضامین بلند
تم بھی ان افکار میں ایسی زمین کہنے کو تھے

ہم رنج و الم سہتے ہیں کیا اپنی خوشی سے
دنیا میں غرض اٹکے کسی کی نہ کسی سے

دل چھین کے لیجائے جو ظالم خفگی سے
کیا قہر ہو ناصح وہ اگر خوش ہو کسی سے

مشہور ہیں جنت کی دلآویز بہاریں
پر جی نہیں ہوتا کہ اٹھیں تیری گلی سے

آغاز محبت ہی میں قابو نہیں دل پر
مجبور ہوئے جاتے ہیں کچھ ہم تو ابھی سے

تم چپکے سے اک بوسۂ عارض ہمیں دے دو
کہتے ہیں قسم کھا کے کہیں گے نہ کسی سے

انسان کو کچھ کھو کے سمجھ آتی ہے سچ ہے
دل لے کے نکلنا ہی نہ تھا تیری گلی سے

وہ لاکھوں سناتے ہیں سرِ بزم حسن کو
اور یہ بھی ہے ارشاد کہ کہنا نہ کسی سے

میرے پہلو میں اگر وہ بت رعنا آئے
عید ہو جائے مرادِ دل شیدا آئے

شر اٹھانے سے نہ آگاہ ہو وہ عربدہ جو
باخدا خیر سے اب وہ بھی زمانہ آئے

اے حسن ہم تو سفارش تری کردیں سو بار
ذکر بھی تو کبھی اس بزم میں تیرا آئے

کچھ حسینوں کی محبت بھی بری ہوتی ہے
کچھ یہ بے چین طبیعت بھی بری ہوتی ہے

جیتے جی میرے نہ آئے تو نہ آئے اب آؤ
کیا شہیدوں کی زیارت بھی بری ہوتی ہے

آپ کی ضد نے مجھے اور پلائی حضرت
شیخ جی اتنی نصیحت بھی بری ہوتی ہے

اُس نے دل مانگا تو انکار کا پہلو نہ ملا
خانہ برباد مروت بھی بری ہوتی ہے

اے حسن آپ کہاں اور کہاں بزمِ شراب   پیرومرشد بری صحبت بھی بری ہوتی ہے

جلوے ترے جو رونق بازار ہوگئے   خوباں خود فروش خریدار ہوگئے
نکوؤں سے راستہ چمن دلکشا بنا   جلوؤں سے آئنہ درو دیوار ہوگئے
دل جان بلب جگر میں تپک جان بےقرار   ہم تیرا نام لے کے گنہگار ہوگئے
گلزار ہے بہار بو ہیں حسن یار سے   جیسے چمن بہار سے گلزار ہوگئے
یہ حسن خود فروش عجب جنس ہے حسن   وہ بک گئے جو اس کے خریدار ہوگئے

مجرم بنے اسیر ہوئے مبتلا ہوئے   تقدیر کا لکھا تھا کہ تم پر فدا ہوئے
جب ان کے پائے ناز سے مل کر جدا ہوئے   میری طرح سے خاک بسر نقش پا ہوئے
پھر یاد زلفِ یار نے کی دل میں گدگدی   اب کوئی مانتا ہے یہ بے مبتلا ہوئے
اچھا کیا جو میں نے عدو کو برا کہا   تم کو تو واسطہ نہیں تم کیوں خفا ہوئے
وہ کہتے ہیں جفائیں نہ اٹھیں تو مر گئے   لیجیے خدا کی شان ہمیں بے وفا ہوئے
دل کی طرح زبان بھی کیا ان کے بس میں تھی   شکوہ کیا تو شکر کے مضموں ادا ہوئے
اتنا بچاؤ یا وہ الفت سنے اے حسن   دنیا میں آپ ہی تو نئے پارسا ہوئے

بری پھو ہار رنگ کھلے دل نکھر گئے   آئی بہار پھول کھلے جام بھر گئے
ہر دل فگار لائق تیغ ادا نہیں   مژدہ انھیں جو عشق کے مجرم ٹھہر گئے
کہتی ہیں بیخودی میں کسی کی تجلیاں   دیکھے تو کوئی دیکھنے والے کدھر گئے
اے تیغ عشق تو ہے شہیدوں کی زندگی   موت ان کی ہے جو دیکھتے ہی تجھ کو مر گئے
دوہرے الم ہیں صبح شب وصل اے حسن   کس کو یقین ہے کہ وہ اپنے ہی گھر گئے

تیغ لیجیے قتل کیجیے کام چلنے دیجیے   بے گناہی کو سفارش پر مچلنے دیجیے
دفعتہً پردہ اٹھا کر کر گئے بے خود مجھے   میں یہ کہتے ہی رہا رُکیے سنبھلنے دیجیے

ابر ہے گلزار ہے مے ہے خوشی کا دورہ ہے　　آج تو ڈوبے ہوئے دل کو اچھلنے دیجیے
دیکھی ہے خواہش دیدار کی ہمت حسن　　ان کو پردے سے ذرا باہر نکلنے دیجیے

عجب پہنچے جو تیغ ستم آرا سر پر　　دل مجروح زبردست کا رستا سر پر

قتل کرتے تو ہو تم جور و جفا سے ہم کو　　دیکھ لو پھر بھی ذرا ناز و ادا سے ہم کو

ہائے اس بدنصیب کی قسمت　　یہ نگاہ کرم جدھر نہ ہوئی

کون کہتا ہے پھر نگاہ ملے　　ہمیں واپس دل تباہ ملے

کہتے پھرتے ہو حسن لوٹ لیا اس نے مجھے　　کہیے تو کیا ہو جو وہ دشمن جانی سن لے

الٹ جائیں صفیں لاکھوں بلا سے　　انھیں سیدھی طرح چلنا نہ آئے
بہار ان پر اگر صدقے نہ ہوئے　　گلوں پر رنگ ہی اچھا نہ آئے

ساقیا اور بھی اک ساغر پر جوش مجھے　　دیکھ ایسا نہ ہو آجائے کہیں ہوش مجھے

بھیس بدلے تم حسن جاتے تو ہو　　کیا ہو گر وہ فتنہ گر پہچان لے

ایسے مجرم کا کیا ٹھکانا ہے　　جس کی سرکار مدعی ہو جائے

غم فرقت میں حسن جان سے تنگ آیا ہے　　جلد پہنچ کہیں ایسا نہ ہو کچھ کر گزرے

فقط

انتخاب دیوان
نوح ناروی شاگرد داغ

کعبہ ہو دیر ہو دونوں میں ہے جلوہ اس کا   غور سے دیکھے اگر دیکھنے والا اس کا
برہمن اس کے ہیں شیخ اس کے ہیں راہب اس کے   دیر اس کا حرم اس کا ہے کلیسا اس کا
مجھ کو آرام دیا عیش دیا رزق دیا   نوح ناچیز پر احسان ہے کیا کیا اس کا

آرام کے بدلے مجھے آزاد کیے جا   وہ کام جو کرتا نہیں یہ کام کیے جا
باقی ہے ابھی چار پہر رات کا جھگڑا   اے شمع شب ہجر مرا ساتھ دیے جا
انکار نہ کر بات مری مان لے زاہد   مے خانے میں آیا ہے تو دو گھونٹ پیے جا
میں اب نہیں کچھ اور ترے دینے کے قابل   دشنام مجھے دے کے دعا مجھ سے لیے جا
اے نوح نہ طوفان کبھی تو نے اٹھایا   یہ نام ہو رکھا ہے تو یہ کام کیے جا

محبت کا اچھا نتیجہ نہ دیکھا   نہ دیکھا نہ دیکھا نہ دیکھا نہ دیکھا
وہ بیمار الفت کو دیتے ہیں طعنے   سنا حال جیسا تھا ویسا نہ دیکھا
یونہیں دل مجھے دے دیا اس نے واپس   نہ سوچا نہ سمجھا نہ جانچا نہ دیکھا

کبھی لطف اٹھائے کبھی غم اٹھائے
خدا کی خدائی میں کیا کیا نہ دیکھا
چلو نوح تم کو دکھا لائیں تم نے
نہ میخانہ دیکھا نہ بت خانہ دیکھا

اس کم سنی میں ہو انھیں میرا خیال کیا
وہ کے برس کے ہیں ابھی سن کیا ہے سال کیا
اک رنج ایک غم ہو تو اس کو کہوں بھی میں
تم مجھ سے پوچھتے ہو مرے دل کا حال کیا
اے نوح توبہ عشق سے کر لی تھی آپ نے
پھر تانک جھانک کیوں ہے یہ پھر دیکھ بھال کیا

پہلو میں چین سے دلِ مضطر نہ رہ سکا
دم بھر نہ رک سکا یہ گھڑی بھر نہ رہ سکا
اب اضطراب حد سے ہمارا گزر گیا
رکھا جو ہم نے ہاتھ تو دلبر نہ رہ سکا
تم لے کے پھیرتے ہوئے جو دل کچھ سبب بھی ہے
کیونکر نہ رکھ سکے اسے کیونکر نہ رہ سکا
میں ہوں کہ نقش پا ہو صبا ہو کہ مدعی
ان کی گلی میں کوئی بھی جم کر نہ رہ سکا
اے نوح اب کہاں اسے لے جا کے پھینک دوں
لو ان کے پاس بھی دلِ مضطر نہ رہ سکا

خدا سے ظلم کا شکوہ ضرور میں نے کیا
بڑا قصور یہ اے رشکِ حور میں نے کیا
کسی سے دل کا لگانا گناہ ہے ناصح
جو یہ قصور ہے تو یہ قصور میں نے کیا
وہ ذکر وعدۂ وصل عدو پہ کہتے ہیں
ضرور میں نے کیا بالضرور میں نے کیا
ترا خیال مرے دل میں آ نہیں سکتا
کہ جس کو دور کیا اس کو دور میں نے کیا
جناب نوح زمانے کا اعتبار نہیں
برا کیا جو کسی سے غرور میں نے کیا

دم جو نکلا تو مدعا نکلا
ایک کے ساتھ دوسرا نکلا

مجھ کو خیال ابروئے خمدار ہو گیا
خنجر ترا گلے کا مرے ہار ہو گیا
پامال ہو کے بھی نہ اٹھا کوئے یار سے
میں اس گلی میں سایۂ دیوار ہو گیا

اے نوح کھل چلے تھے وہ ہم سے شب وصال اتنے میں آفتاب نمودار ہوگیا

ان سے گر فیض یاب ہو جاتا ماہتاب آفتاب ہو جاتا
جا سکا میں نہ بام جاناں تک ورنہ عالی جناب ہو جاتا
آگے تقدیر کی رسائی تھی میں وہاں بار یاب ہو جاتا
دل لگانا ثواب تھا لیکن جی چھڑانا عذاب ہو جاتا
نوح ہوتے اگر نہ شاہد باز میں مرید جناب ہو جاتا

آپ کا دل کیا مرے دل سے ملا ماہ کامل شمع محفل سے ملا
اس کا ملنا جانتے تھے سہل ہم کتنی دقت کتنی مشکل سے ملا
لطف اس کا ظلم اس کا دیکھیے مجھ سے مل کر ساری محفل سے ملا
چور ایسا مخبر ایسا چاہیے مجھ کو دلبر کا پتہ دل سے ملا
اب سے کچھ ملنے ملانے کا مزا آپ کا دل نوح کے دل سے ملا

پھیکا مسی کا رنگ ہے کاجل بہا ہوا مل کر رقیب سے یہ ترا حال کیا ہوا

ان کا خنجر نظر نہیں آتا کوئی سر پر نظر نہیں آتا
کر گئی کام تیغ ناز مگر زخم دل پر نظر نہیں آتا
بھیڑ ایسی ہے جاں نثاروں کی وہ ستمگر نظر نہیں آتا
نوح میری نظر میں کوئی بھی ان سے بہتر نظر نہیں آتا

ہم نے کسی سے دل کو لگایا غضب کیا جو کام عمر بھر نہ کیا تھا وہ اب کیا

ملتے نہ تم عدو سے نہ لڑتے عدو سے ہم تم نے غضب کیا کہ یہ ہم نے غضب کیا

اے نوح اُن سے وصل کا شکوہ فضول ہے اقرار کب کیا تھا جو انکار اب کیا

کیا خبر بادہ کشی کا ہے قرینا کیسا ہاتھ سے بھی نہیں ہم چھوتے ہیں پینا کیسا
مجھ کو یہ فکر کہ دل مفت گیا ہاتھوں سے ان کو یہ ناز کہ ہم نے اسے چھینا کیسا

ہر روز نیا رنج بنا دیتے ہیں غم آپ کیا بھول گئے شیوۂ الطاف و کرم آپ
لیلیٰ ہے نہ مجنوں ہے نہ شیریں ہے نہ فرہاد اب رہ گئے ہیں عاشق و معشوق میں ہم آپ
اپنے کو لیے رہتے ہیں گو چاہنے والے کیا کیجیے کھل جاتا ہے الفت میں بھرم آپ
فرمایئے کچھ یاد ہیں یا بھول گئے سب وہ عہد وہ اقرار وہ پیمان وہ قسم آپ
اے نوح تعجب ہے وہ مجھ سے نہیں ملتے سائل سے ملا کرتے ہیں ارباب کرم آپ

کیا وصل کے اقرار پہ مجھ کو ہو خوشی آج اس کی بھی یہ صورت ہے کبھی کل ہے کبھی آج
وہ ہاتھ میں تلوار لیے سر پر کھڑے ہیں مرنے نہیں دیتی مجھے مرنے کی خوشی آج
ملنا جو نہ ہو تم کو تو کہہ دو نہ ملیں گے یہ کیا کبھی پرسوں ہے کبھی کل ہے کبھی آج
کیا بات ہے چھپتی ہی نہیں بات ہماری جو اُن سے کہی تھی وہ رقیبوں سے سنی آج
سرخی بھی ہے آنکھوں میں قدم کو بھی ہے لغزش چھپ کر کہیں اے نوح ضرور آپ نے پی آج

دل کو جگر کو ضعف و نقاہت کو دیکھ کر مجھ پر ستم کرو مری حالت کو دیکھ کر

ان کی نگاہ ناز تو ہے داد خواہ پر لیکن مری نگاہ ہے اُن کی نگاہ پر

ڈرتے ہیں کہیں چوم نہ لے منہ یہ لپٹ کر باتیں بھی وہ کرتے ہیں مرے پاس سے ہٹ کر
شرما کے بگڑ کے مسکرا کر وہ چھپ رہے اک جھلک دکھا کر
تکلیف ہوئی بلا سے ہم کو وہ تو ہوئے خوش ہمیں ستا کر

اے نوح نہ ترک شاعری ہو بے کار مباش کچھ کیا کر

دولت ہے بڑی چیز حکومت ہے بڑی چیز ان سب سے بشر کے لیے عزت ہے بڑی چیز
جب ذکر کیا میں نے کبھی وصل کا ان سے وہ کہنے لگے پاک محبت ہے بڑی چیز
بس آپ کے نزدیک تو اے حضرتِ واعظ آیت ہے بڑی چیز روایت ہے بڑی چیز
پوری نہ ہو اگر ہو تو کوئی چیز نہیں ہے نکلے جو مرے دل سے تو حسرت ہے بڑی چیز
اے نوح نہ تم اس کو حسینوں میں گنواؤ یہ خوب سمجھ لو کہ ریاست ہے بڑی چیز

باقی ہے وہی سوز دروں کا اثر اب تک اگتا نہیں سبزہ بھی مری قبر پر اب تک
مدت ہوئی دیکھے ہوئے اس شوخ کا جلوہ بے تاب ہے آنکھوں میں ہماری نظر اب تک
دِلّی کا قیام اور وہ مسائل کی مدارات اے نوح مجھے یاد ہے لطفِ سفر اب تک

اندازِ کرم طرزِ وفا کچھ نہیں معلوم بس اُن کو ستانے کے سوا کچھ نہیں معلوم
اتنی تو خبر ہے کہ وہ جلوہ نظر آیا بس اور ہمیں اس کے سوا کچھ نہیں معلوم
اے نوح وہ کس ناز سے فرماتے ہیں تم کو طوفان اٹھانے کے سوا کچھ نہیں معلوم

بڑے مزے سے یہاں ہیں بڑے قرار سے ہم بہشت میں بھی نہ جائیں گے کوئے یار سے ہم
گلوں کو دیکھ کے رخسار ان کے یاد آئے یہ اور لپکے چلے داغ لالہ زار سے ہم
وہ ملتے جاتے ہیں پھر یہ بھی کہتے جاتے ہیں ذلیل ہوں نہ کہیں نوح تیرے پیار سے ہم

کوچۂ یار میں کچھ دور چلے جاتے ہیں ہم طبیعت سے ہیں مجبور چلے جاتے ہیں
ہم کہاں جاتے ہیں یہ بھی ہمیں معلوم نہیں بادۂ عشق سے مخمور چلے جاتے ہیں

گرچہ آپس میں وہ اب رسم محبت نہ رہی — توڑ جوڑ ان کے بدستور چلے جاتے ہیں
بیٹھے بیٹھے جو دل اپنا کبھی گھبراتا ہے — سیر کرنے کو سر طور چلے جاتے ہیں
قیس و فرہاد کے مرنے کا زمانہ گذرا — آج تک عشق کے مذکور چلے جاتے ہیں

کچھ دنوں قائم رہے اے مہ جبیں اتنی نہیں — جس نہیں کا ڈر ہے وہ تیری نہیں اتنی نہیں
وہ یہ کہتے ہیں جھٹک کر میرے دست شوق کو — تیرے ہاتھ آئے ہماری آستیں اتنی نہیں
مجھ سے کیا باتیں بناتے ہو مجھے معلوم ہے — لوٹ لے دل کو نگاہ شرمگیں اتنی نہیں
خاک پر گر کر کسی دن خاک میں مل جائے گا — باندھ رکھے دل کو زلف عنبریں اتنی نہیں
نوح ہم اس بحر میں کچھ اور لکھتے چند شعر — کیا مضامین کو ہو گنجائش زمیں اتنی نہیں

رونے والوں سے یہ بے موقع ہنسی اچھی نہیں — آپ تو اچھے ہیں عادت آپ کی اچھی نہیں
چھیڑتے بھی ہیں بتوں کو جانتے ہیں یہ بھی ہم — ان دل آزاروں سے اپنی دل لگی اچھی نہیں
نوح نے دیکھا اسے سمجھا اسے جانچا اسے — دشمنی اچھی ہے ان کی دوستی اچھی نہیں

سیر کرنے کو وہ بن ٹھن کے جدھر جاتے ہیں — سینکڑوں مرتے ہیں مر مٹتے ہیں مر جاتے ہیں
آپ جو کہتے ہیں سب حضرت ناصح ہے بجا — کیا کروں ذہن سے یہ لفظ اتر جاتے ہیں
ہم نے یہ دیکھ لیا دیکھ لیا دیکھ لیا — آپ بھی نوح کے طوفان سے ڈر جاتے ہیں

ان سے سب حال دغا باز کہے دیتے ہیں — میرے ہمراز مرا راز کہے دیتے ہیں
میں کوئی حال ستم منہ سے کہوں یا نہ کہوں — اے ستمگر ترے انداز کہے دیتے ہیں
اب جو کی وعدہ خلافی تو بری ٹھہرے گی — اے دغا باز فسوں ساز کہے دیتے ہیں

بے کسی میں یہی ہوں پاس کہیں — میں کہیں ہوں مرے حواس کہیں

میں تجھے باوفا سمجھتا ہوں   نہ غلط ہو مرا قیاس کہیں
کعبہ و دیر میں تو ڈھونڈھ چکے   وہ نہ ہو دل کے آس پاس کہیں
یہ خلاصہ ہے دفترِ غم کا   کہیں شکوہ ہے التماس کہیں
نوح جائیں گے بزمِ یار میں ہم   شوق سے بڑھ کے ہے ہراس کہیں

اس حسین کا خیال ہے دل میں   جس کا آنا محال ہے دل میں
کیوں نہ دل اس خیال سے خوش ہو   کہ تمھارا خیال ہے دل میں
کیا کرے رہ کے وہ خدنگِ نگاہ   اب لہو کا بھی کال ہے دل میں
جائے تنگ ست مردماں بسیار   حسرتوں کا یہ حال ہے دل میں
نوح گو منہ سے کچھ نہیں کہتے   ان کو تم سے ملال ہے دل میں

دوستی کو برا سمجھتے ہیں   کیا سمجھ ہے وہ کیا سمجھتے ہیں
دل اگر ہے تو خوبرو لاکھوں   آپ، اپنے کو کیا سمجھتے ہیں
جب بلایا تو کہہ دیا اس نے   ہم ترا مدعا سمجھتے ہیں

میں تردد سے کبھی خالی نہیں   عاشقی میں فارغ البالی نہیں
کہہ رہی ہے یہ تیری تصویر بھی   میں کسی سے بولنے والی نہیں
لوٹتا ہے دل تڑپتا ہے جگر   کوئی اپنے کام سے خالی نہیں
نوح کو طوفانِ غم سے خوف کیا   اس کی کشتی ڈوبنے والی نہیں

یہ میرے پاس جو چپ چاپ آئے بیٹھے ہیں   ہزار فتنۂ محشر اٹھائے بیٹھے ہیں
عدو سے بزمِ عدو میں لڑا رہے ہو نگاہ   نہیں خیال کہ اپنے پرائے بیٹھے ہیں
کہیں نہ ان کی نظر سے نظر کسی کی لڑے   وہ اس لحاظ سے آنکھیں جھکائے بیٹھے ہیں

کوئی حسین نظر آیا یہ بے قرار ہوئے   جناب نوح کو ہم آزمائے بیٹھے ہیں

وہ مجھ سے حال دل زار سنتے آتے ہیں   مری غزل مرے اشعار سنتے آتے ہیں
تمھاری سخت کلامی کی ہم کو تاب نہیں   وہی سنیں گے جو سرکار سنتے آتے ہیں
وہ آج آئے گا اے نوح کل وہ آئے گا   یونہیں سنیں گے یونہیں یار سنتے آتے ہیں

اچھے برے کو وہ ابھی پہچانتے نہیں   کمسن ہیں بھولے بھالے ہیں کچھ جانتے نہیں
پہلے تو ان کی ہٹ تھی کہ مطلب بتایئے   مطلب جو سن لیا ہے تو اب مانتے نہیں
برسوں رہے ہیں آپ ہماری نگاہ میں   یہ کیا کہا کہ ہم تمھیں پہچانتے نہیں

یہ نیا ظلم نئی طرز جفا ہے کہ نہیں   وہ برا کہہ کے یہ کہتے ہیں سنا ہے کہ نہیں
جی میں آتا ہے کہ دیکھوں کبھی سر پھوڑ کے میں   وصل انکا مری قسمت میں لکھا ہے کہ نہیں
ہم اسی فکر میں بے موت مرے جاتے ہیں   ان کے ہاتھوں سے ہماری بھی قضا ہے کہ نہیں
لو مرے ذکر محبت پہ یہ ارشاد ہوا   قیس و فرہاد کا انجام سنا ہے کہ نہیں
سن کے اشعار یہی نوح سے وہ پوچھتے ہیں   تجھ میں کچھ اور صفت اس کے سوا ہے کہ نہیں

ہم انتظار کریں ہم کو اتنی تاب نہیں   پلا دو تم ہمیں پانی اگر شراب نہیں
ہمیں سے شرم ہمیں سے حجاب ہے ان کو   عدو سے شرم عدو سے انھیں حجاب نہیں
یہ کہہ کے نوح وہ دیوان نوح مانگتے ہیں   ہمارے پاس تمھاری کوئی کتاب نہیں

ہم سے یہ کہہ کے وہ حال شب غم پوچھتے ہیں   کیا بتاؤ گے نہ تم اب بھی کہ ہم پوچھتے ہیں
یوں کوئی دے کے زبان اپنی مکر جاتا ہے   آپ سے کہتے ہیں یہ آپ سے ہم پوچھتے ہیں
بھولے بھٹکے جو ادھر کوئی نکل جاتا ہے   خیر بت خانے کی سب اہل حرم پوچھتے ہیں

میں نے ایسا کوئی ہمدرد نہ دیکھا نہ سنا — صبح کو مجھ سے وہ حال شب غم پوچھتے ہیں
جو نہ جھیلی تھی کبھی اس نے وہ آفت جھیلی — آپ کیا نوح سے افسانۂ غم پوچھتے ہیں

چھپ جائے راز عشق یہ میں مانتا نہیں — اور آپ جانتے ہیں کوئی جانتا نہیں
کوئی کس طرح مرتا ہے کسی پر آپ کیا جانیں — ہم اس کو جانتے ہیں بندہ پرور آپ کیا جانیں
کوئی جانے نہ جانے تم کو ہم تو جانے بیٹھے ہیں — یہ کیا تم کہہ دیا کرتے ہو اکثر آپ کیا جانیں
پرائے درد سے آگاہ کوئی ہو نہیں سکتا — جو میں جانوں تو جانوں بندہ پرور آپ کیا جانیں

اغیار سے بھی پرسش جرم و قصور ہو — ایسا ضرور کیجیے ایسا ضرور ہو
اللہ رے ان کے حسن کی معجزنمائیاں — جس بام پر وہ آئیں وہی کوہ طور ہو
مجھ کو شب فراق امیدِ وصال ہے — اے نوحِ کیا عجب اسی ظلمت میں نور ہو

اگر اس کا مرا جھگڑا یہیں طے ہو تو اچھا ہو — خدا جانے خدا کے سامنے کل کیا نہ ہو کیا ہو
گذرتی ہے بشر کی زندگی کس وہم باطل میں — جو ایسا ہو تو ایسا ہو جو ایسا ہو تو ایسا ہو
شب خلوت یہ کہنا بار بار اس کا بناوٹ سے — ہمیں چھیڑے تو غارت ہو ہمیں دیکھے تو اندھا ہو
وہ ہر دم کی عیادت سے مری گھبرا کے کہتے ہیں — غضب میں جان ہے اپنی نہ مرجائے نہ اچھا ہو
وہ فرماتے ہیں مجھ کو دیکھ کر میں یوں نہ مانوں گا — اگر یہ نوح ہے طوفان اٹھائے غرق دنیا ہو

مرا دل دیکھو اب یا میرے دشمن کا جگر دیکھو — تمھارے بس میں آنکھیں ہیں جدھر چاہو ادھر دیکھو
قیامت میں نہ میرے منہ سے پھر فریاد نکلے گی — اگر یہ کہہ دیا اس نے یہاں آؤ ادھر دیکھو
تمھارے نام پر مر مٹنے والا کون ہے میں ہوں — اگر سوچو اگر سمجھو اگر مانو اگر دیکھو
مرے دل کو چرا کر پھر چرا ؤ آنکھ کیا معنی — نگاہ قہر ہی سے تم مجھے دیکھو مگر دیکھو
جو کہتا ہوں فنا کے بعد سب کو چین ملتا ہے — تو وہ کہتے ہیں پھر اب دیر کیا تم بھی مر دیکھو

رقیبوں کو تم آنکھیں تو دکھاتے ہو سرِ محفل — کہیں ایسا نہ ہو بن جائے میری جان پر دیکھو
کسی کو دیکھ کر اے نوح کیسی کچھ بنی دل پر — یہ کس کمبخت نے تم سے کہا تھا تم ادھر دیکھو

تم اپنے عاشقوں سے کچھ نہ کچھ دل بستگی کر لو — کسی سے دشمنی کر لو کسی سے دوستی کر لو
نرالی ہم نے یہ تہذیب دیکھی بزمِ جاناں میں — عدو بھی سامنے آئے تو اس کو بندگی کر لو
یہ کیا ہر بات پر دھمکی ہے ہم تجھ سے سمجھ لیں گے — ہمارے حق میں جو کچھ تم کو کرنا ہو ابھی کر لو
ادب زاہد کا ہے اتنا بہت اے اہلِ میخانہ — جب آنکھیں چار ہو جائیں تو جھک کر بندگی کر لو

نزع میں ان کا جو ہو جائے نظارا ہم کو — تو یہ جانیں کہ ملی عمر دوبارا ہم کو
سر بھی زانو پہ رہا تیغ بھی گردن پہ رہی — اس ستمگر نے کس لطف سے مارا ہم کو
ہم وہ موسیٰ نہیں جو طور پہ تفریح کریں — نظر آتا ہے یہیں اس کا نظارہ ہم کو

کیا وصل کی امید مرے دل کو کبھی ہو — اس شوخ کی تصویر بھی جب مجھ سے کھنچی ہو
مجھ کو نہ بلاتے ہیں نہ آتے ہیں مرے گھر — افسوس ہے ان سے نہ یہی ہو نہ وہی ہو
اے پیرِ مغاں مجھ کو ترے سر کی قسم ہے — توبہ تو کہاں توبہ کی نیت بھی جو کی ہو
وہ مجھ سے یہ کہتے ہیں کہ محشر کو ملوں گا — میں ان سے یہ کہتا ہوں کہ جو کچھ ہو ابھی ہو
اے نوح ہمیں عشق میں پروا نہیں اس کی — آزار ہو یا لطف ہو غم ہو کہ خوشی ہو

کہتا ہے کوئی سن کے مری آہِ رسا کو — پہچانتے ہیں ہم بھی زمانے کی ہوا کو
تاثیر کے دو حصے اگر ہوں تو مزا ہے — اک مری فغاں کو ملے اک تیری ادا کو
ہم سا کوئی بندہ بھی زمانے میں نہ ہو گا — گر اس نے بھلایا تو کیا یاد خدا کو
سنتا ہوں کہ ہے خواہشِ پابوس اسے بھی — وہ چیں کے رکھ دیں نہ کہیں برگِ حنا کو
اے نوح ابھی ہے میری فریاد انھیں سے — جب وہ نہ سنیں گے تو پکاروں گا خدا کو

مجھ کو دیوانہ سمجھتے ہیں وہ شیدائی بھی　　میں تماشا بھی ہوں محفل میں تماشائی بھی
بڑھ گئی ہم سے نقاہت میں ہماری تصویر　　اس میں باقی نہ رہی قوت گویائی بھی
ڈھل نہ جائے کہیں شانے سے ہوا میں آنچل　　اب وہ شرماتے ہیں لیتے ہوئے انگڑائی بھی
مٹ گیا داغِ دلِ زار بھی رفتہ رفتہ　　بجھ گیا آج چراغِ شبِ تنہائی بھی
جس قدر پاس تھی پونجی اسے ہم کھو بیٹھے　　عشق میں نوح گئی دولت آبائی بھی

تمھاری شوخ نظر اک جگہ کبھی نہ رہی　　نہ یہ تھمی نہ یہ ٹھہری نہ یہ رکی نہ رہی
عدو کو رشک نگہباں کو وہم تم کو ملال　　مرے لیے کوئی صورت نباہ کی نہ رہی
تمھاری چشم تغافل کا واہ کیا کہنا　　امید کیا کہ مرے دل کو یاس بھی نہ رہی

یوں نہ میری بات مانی جائے گی　　خوب جانچی خوب چھانی جائے گی
آتے آتے راہ پر وہ آئیں گے　　جاتے جاتے بدگمانی جائے گی
ان سے ہم کہہ دیں گے اپنے دل کی بات　　اور کیا ہوگا نہ مانی جائے گی
آج ہی تو ہم نے پی برسوں کے بعد　　آج ہی کیا سرگرانی جائے گی
یہ ہمیں اے نوح کیا معلوم تھا　　جلد دیوانی جوانی جائے گی

کسی کو شوق جنت کا کسی کو فکر کوثر کی　　ہمیشہ اہلِ تقویٰ میں اڑا کرتی ہے بے پر کی
رُخِ پرنور سے برقع کا پردا اٹھنے والا ہے　　فرشتے خیر مانگیں آفتابِ روزِ محشر کی
مری توبہ پہ روئے پھوٹ کر سب میکدے والے　　صراحی کو لگی ہچکی بھر آئی آنکھ ساغر کی

جو مٹتے مٹتے تاریکی مٹی بھی شامِ فرقت کی　　ہمارے گھر میں پھیلی روشنی صبحِ قیامت کی
خدا سے گر کریں شکوہ تو ہاں شکوے کا موقع ہے　　تجھی سے ہم نے تیرے ظلم بیجا کی شکایت کی
وہ لیتے ہیں وفا کا امتحاں پردے ہی پردے میں　　وہ اکثر رائے دیتے ہیں مجھے ترکِ محبت کی

سوالِ وصل پہ عذرِ وصال کر بیٹھے — وہ کس خیال سے ایسا خیال کر بیٹھے
اب آؤ مان بھی جاؤ جو کچھ ہوا وہ ہوا — ذرا سی بات کا اتنا ملال کر بیٹھے
ہم اٹھتے بیٹھتے بھی ان کے پاس ڈرتے ہیں — وہ اور کچھ نہ الٰہی خیال کر بیٹھے
وہ اس لیے مرے پہلو میں بیٹھتے ہی نہیں — کہ یہ کہیں نہ سوال وصال کر بیٹھے

دل آرزوئے قتل میں جینے سے سیر ہے — اے تیغ یار بس ترے چلنے کی دیر ہے
بیٹھے ہوئے تھے کل ترے عشاق جس جگہ — دیکھا وہاں جو آج تو مٹی کا ڈھیر ہے
اے نوح قول دے کے وہ مجھ کو مکر گیا — اس میں بھی ہو نہ ہو مری قسمت کا پھیر ہے

اب یہ سلوک حسن و محبت میں رہ گئے — مجھ کو برا بھلا وہ مرے منہ پہ کہہ گئے
ناشاد نامراد کم اوقات کم نصیب — کیا کیا وہ مجھکو پردے ہی پردے میں کہہ گئے
کچھ اور بن پڑی نہ سوالِ وصال پر — حیرت سے دیکھ کر وہ مرے منہ کو رہ گئے

کوچۂ یار میں پامال ہمارا دل ہے — سچ تو یہ ہے کہ کمبخت اسی قابل ہے
عرصۂ حشر میں کچھ اور ہی مجمع نکلا — ہم تو یہ جان کے آئے تھے تری محفل ہے

گلزار میں یہ کہتی ہے بلبل گل تر سے — دیکھے کوئی معشوق کو عاشق کی نظر سے
لو اور سنو کہتے ہیں وہ ہم سے بگڑ کر — دیکھو ہمیں دیکھو نہ محبت کی نظر سے
وہ اٹھی وہ آئی وہ گھٹا چھا گئی ساقی — میخانے پہ اللہ کرے ٹوٹ کے برسے
میخانے پہ گھنگھور گھٹا چھائی ہے بیکار — کھلنا ہو تو کھل جائے برسنا ہو تو برسے
کیا عشق ہے کیا شوق ہے کیا رشک ہے کیا لاگ — دل جلوہ گہ ناز میں آ گئے ہے نظر سے
اس خوف سے مل لیتے ہیں وہ نوح سے اکثر — طوفاں نہ اٹھائے کہیں یہ دیدۂ تر سے

کیوں آپ کو خلوت میں لڑائی کی پڑی ہے　　ملنے کی گھڑی ہے کہ یہ لڑنے کی گھڑی ہے
کیا چشم عنایت کا تری مجھ کو بھروسہ　　لڑ لڑ کے ملی ہے کبھی مِل مِل کے لڑی ہے
کیا جانیے کیا حال ہمارا ہو شب ہجر　　اللہ ابھی چار پہر رات پڑی ہے
تلوار لیے وہ نہیں مقتل میں کھڑے ہیں　　اس وقت مرے آگے مری موت کھڑی ہے
جینے نہیں دیتے ہیں وہ مرنے نہیں دیتے　　اے نوح مری جان کشاکش میں پڑی ہے

دردِ فراق دل سے جدا ہو تو جانیے　　اس کا علاج اس کی دوا ہو تو جانیے
گو نامہ بر کو ناز ہے اپنے بیان پر　　پیغام شوق اس سے ادا ہو تو جانیے
دردِ فراق حد سے گذر کر ٹھہر گیا　　کم ہو تو جانیے جو سوا ہو تو جانیے
کیا آپ پوچھتے ہیں مرے دل کا ماجرا　　ایسی ہی آپ پر بھی جفا ہو تو جانیے
جو غم مجھے ہیں آپ انھیں اے جناب نوح　　کیا جانیے دل اس کو دیا ہو تو جانیے

لڑتی ہے یوں نگاہ مری اُس نگاہ سے　　جیسے کوئی فقیر ملے بادشاہ سے
دشتِ جنوں میں سیکڑوں آزار ہیں تو کیا　　ہم سب کو جھیل لیں گے مگر راہ راہ سے
اے نوح آتے جاتے ہیں دونوں گھروں میں ہم　　بت خانہ ہے قریب بہت خانقاہ سے

ہر طلب گار کو محنت کا صلہ ملتا ہے　　بت ہیں کیا چیز کہ ڈھونڈھے سے خدا ملتا ہے
وقت پر کام نہ آیا دل ناشاد کبھی　　ٹوٹ کر یہ بھی اسی شوخ سے جا ملتا ہے
وہ جو انکار بھی کرتے ہیں تو کس ناز کے ساتھ　　مجھ کو ملنے کا نہ ملنے میں مزا ملتا ہے
یہ کدورت یہ عداوت یہ جفا خوب نہیں　　مجھ کو مٹی میں ملا کر تمھیں کیا ملتا ہے
نوح ہم کو نظر آیا نہ یہاں بت بھی کوئی　　لوگ کہتے تھے کہ کعبہ میں خدا ملتا ہے

غیر کا عشق ہے کہ میرا ہے　　صاف کہہ دو ابھی سویرا ہے
عشق میں کچھ نظر نہیں آتا　　جس طرف دیکھیے اندھیرا ہے

وہ آگاہ نکلا محبت کے فن سے — بہت خوش ہوئے مل کے ہم کوہکن سے
گناہوں سے کچھ ایسی شرمندگی ہے — کہ ہم منہ چھپائے ہوئے ہیں کفن سے
لپٹ جائیں گے ان سے ہم بیخودی میں — نکل جائے گا کام دیوانہ پن سے

نہ ملو کھل کے تو چوری کی ملاقات رہے — ہم بلائیں گے تمھیں رات گئے رات رہے

آسمان کا ہے گلہ اس کج ادا کے سامنے — ہے شکایت بے وفا کی بے وفا کے سامنے
سوچ لو کوئی تم اپنے ظلم بیجا کا جواب — بت نہ بن جانا کہیں جا کر خدا کے سامنے
کیا نہ ہوگا حشر میں بھی میرا ان کا فیصلہ — میں خدا کا واسطہ دوں گا خدا کے سامنے
خونِ عاشق لوٹ ہے ناحق کو پائے یار پر — رنگ اس کا جم نہیں سکتا حنا کے سامنے
اس غزل میں نوح یہ کس لطف کا ہے قافیہ — بارہا آیا گیا ہوں میں خدا کے سامنے

فتنے دبے دبائے تھے جتنے پڑے ہوئے — بیٹھے کہیں جو تم تو وہ سب اُٹھ کھڑے ہوئے
دیتے ہو تم فریب مجھے اب خدا کی شان — میری نظر کے سامنے اتنے برے ہوئے
سنتے ہیں بیٹھ کر وہ کہاں دل کا ماجرا — تمہید کچھ اٹھائی کہ بس اٹھ کھڑے ہوئے

کہاں ہم اور دشمن مل کے دونوں کوئی دم بیٹھے — جو وہ بیٹھا تو ہم اٹھے جو وہ اٹھا تو ہم بیٹھے
رسائی بام تک اپنی نہ ہوگی یا کبھی ہوگی — یہ پہروں سوچتے ہیں کوچۂ جاناں میں ہم بیٹھے
وہ کس انداز سے کہتے ہیں سن کر داستاں میری — جہاں پوچھا کسی نے لے کے یہ طومارِ غم بیٹھے
بدقسمت کے فرشتے ہیں یہ خوبی ہے مقدر کی — خضر اُٹھ جائیں دنیا سے رہیں اے نوح ہم بیٹھے

انتخاب دیوان

نسیم بھرت پوری شاگرد داغ

سب لطف ہے خاک زندگی کا — ہو خانہ خراب عاشقی کا
ہر وقت کی ضد بری ہے دیکھو — کہنا بھی کیا کرو کسی کا
یوں داد وہ دیتے ہیں وفا کی — یہ کام نہیں ہے آدمی کا
دلکش نہ ہوں کیوں نسیم کے شعر — شاگرد ہے داغ دہلوی کا

نالۂ دل کمال کا نکلا — ان سے پہلو وصال کا نکلا
دل کی چوری کی فال کھولی تھی — نام اس مہ جمال کا نکلا
دے گئے وہ جواب صاف مجھے — یہ نتیجہ سوال کا نکلا
وہ خفا تھے یوں ہی کہ اے قاصد — کچھ سبب بھی ملال کا نکلا
دل لیا تیرا اے نسیم اس نے — گاہک اچھے ہی مال کا نکلا

نہ سنیں گے وہ کبھی دل سے فسانہ دل کا　　گردش چرخ نہ پھیرے گی زمانہ دل کا
تم کو دعوے تو بڑے ہیں قدر اندازی کے　　ہاں بھلا دیکھیں اڑاؤ تو نشانہ دل کا
ان کو منظور ہے ہر طرح اذیت دینی　　دل دکھانے کو وہ سنتے ہیں فسانہ دل کا
ہاتھ میں تیر وکماں لے کے یہ کہتا ہے وہ ترک　　لے نسیم آج اڑاتے ہیں نشانہ دل کا

ہنس کے بولے جو مرا داغ جگر دیکھ لیا　　آپ نے نخل محبت کا اثر دیکھ لیا
پند گو آپ نصیحت تجھے ہوجائے گی　　کبھی اس بت کو اگر ایک نظر دیکھ لیا
دل میں قائل ہیں جلانے کو مگر کہتے ہیں　　بس نسیم آپ کی الفت کا اثر دیکھ لیا

ہجر میں جب خیال یار آیا　　لب پہ نالہ ہزار بار آیا
پھر صفائی کی کون سی صورت　　آپ کے دل میں جب غبار آیا
کیجیے ذبح کھینچیے خنجر　　لیجیے یہ گنہگار آیا
بولے ٹھکرا کے میرے مرقد کو　　اب تجھے کس طرح قرار آیا
تو نے حاصل نسیم کچھ نہ کیا　　کچھ بھی تجھ کو نہ میرے یار آیا

جہاں میں ابھی یوں تو کیا کیا نہ ہوگا　　حسین پر کوئی تم سا پیدا نہ ہوگا
شراب محبت کو اے زاہدو تم　　برا گر کہوگے تو اچھا نہ ہوگا
سر بزم دشنام دشمن کو دے کر　　مجھے تم نے کیا دل میں کوسا نہ ہوگا
مری بے قراری کو کیا دیکھتے ہو　　کبھی برق کو تم نے دیکھا نہ ہوگا
نسیم اور کچھ فکر کیجیے خدارا　　اب اس نوکری میں گذارہ نہ ہوگا

اگر عدو سے سلام و پیام کرنا تھا　　تو پہلے کام ہمارا تمام کرنا تھا

نہ کھاتے زہر شب غم تو اور کیا کرتے — کہ ایک دن ہمیں آخر یہ کام کرنا تھا
رئیس زادہ تھا باوضع تھا مہذب تھا — تمھیں نسیم سے کچھ تو کلام کرنا تھا

جو پوچھا صبر ہجر غیر میں کیا ہو نہیں سکتا — تو جھنجھلا کے کہا تیرا کلیجہ ہو نہیں سکتا
وہ کہنا میرا اب تو صبر ہو سکتا نہیں ہم سے — تجاہل سے وہ ان کا پوچھنا کیا ہو نہیں سکتا
سبب کیا غیر سے کیوں ترک الفت ہو نہیں سکتی — تم ایسا کر نہیں سکتے کہ ایسا ہو نہیں سکتا
یہ بت قسمت کے پورے ہٹ کے پورے دھن کے پورے ہیں — کوئی ان میں سے ہو وعدے کا پورا ہو نہیں سکتا
نسیم اور آپ کو رسوا کرے یہ غیر ممکن ہے — یہ فقرہ ہے کسی کا اس سے ایسا ہو نہیں سکتا

رکھنا خم گیسو میں یا دل کو رہا کرنا — کچھ کہہ تو سہی ظالم آخر تجھے کیا کرنا
کیا تم سے زیادہ ہے دنیا میں حسیں کوئی — ایمان سے کہہ دینا انصاف ذرا کرنا
سہنی بھی جفا ان کی کرنی بھی وفا ان سے — ان کی بھی خوشی کرنی دل کا بھی کہا کرنا
بوسا بھی مجھے دینا ہونٹوں میں بھی کچھ کہنا — جینے کی دوا دینا مرنے کی دعا کرنا
جاتے ہو جو گھر جاؤ پر وعدہ یہ کر جاؤ — میں یاد جب آ جاؤں مرنے کی دعا کرنا
ترچھی تری چتون نے لاکھوں ہی کیے بسمل — اے ترک ترا ناوک کیا جانے خطا کرنا
بیداد کا اب شکوہ بیجا ہے نسیم اُن سے — تھا تم کو محبت کا اظہار ہی کیا کرنا

میرے تڑپنے نے تماشا کیا — وہ نگہ شوق سے دیکھا کیا
اشک نے کیں عشق کی غمازیاں — راز دروں آنکھ نے افشا کیا
بل بے خلش خنجرِ بیداد کی — سینہ کو لبریز تمنا کیا
جو نہ ہوا آپ سے بہتر ہوا — جو نہ کیا آپ نے اچھا کیا
وعدہ جانبازیٔ الفت نسیم — تونے یہ دیوانے ستم کیا کیا

بھولے سے پوچھ لیتی ہے اغیار کا مزاج سادہ ہے کس قدر تری تلوار کا مزاج
ظالم پڑھا دیا ہے رقیبوں نے کیا تجھے وہ لطف کی نگاہ نہ وہ پیار کا مزاج
چھوڑو ملازمت کو بھرت پور کی نسیم بگڑا ہوا ہے خیر سے سرکار کا مزاج

دے دیں ابھی کرے جو کوئی خوبرو پسند ہم کو نہیں پسند دلِ آرزو پسند
مانند اشک خاک میں آخر ملا دیا آئی نہ آسمان کو مری آبرو پسند
تم نے وہاں رقیب کو پہلو میں دی جگہ یاں رہ گیا تڑپ کے دل آرزو پسند
عشاق سے وہ پوچھتے ہیں تیغ تول کر ہے زخم سر پسند کہ زخمِ گلو پسند
قربان اس ادا کے وہ کہتے ہیں اے نسیم آیا ہے عاشقوں میں ہمیں ایک تو پسند

اس سے اے دل شکوۂ غم کیا کریں سن کے جو کہہ دے کہ پھر ہم کیا کریں
دل کی شامت آئی جاکر پھنس گیا یار کے گیسوئے پُر خم کیا کریں
ہجر میں کیونکر کٹے گی زندگی یہ تو کہیے جائیے ہم کیا کریں

آپ وہ سب کی جان لیتے ہیں موت کو مفت مان لیتے ہیں
دل بھلا عاشقوں کے پاس کہاں آپ ہی چھین چھان لیتے ہیں
کیا کہوں کون جان لیتا ہے وہ مرے مہربان لیتے ہیں
میکدے کے قریب ہم واعظ تیری ضد سے مکان لیتے ہیں
اب تو یہ حال ہے نسیم ان کا جو میں کہتا ہوں مان لیتے ہیں

دکھائے معجزے گر وہ بُت عیار چٹکی میں تو بولے طائرِ رنگِ حنا ہر بار چٹکی میں
حنائی فندقیں ہیں سرخ ہے سوفار چٹکی میں کھلایا ہے مرے قاتل نے کیا گلزار چٹکی میں
ستاری ہے تمھاری یا کہ نغموں کا خزانہ ہے بنی مضراب بھی منقار موسیقار چٹکی میں

لے گر خاکِ در تیری تو ہے اکسیر کی چٹکی　　ابھی ہوتا ہے اچھا یہ دلِ بیمار چٹکی میں
لیا تھا اس زمین میں امتحانِ طبع یاروں سے　　کیے موزوں یہ ہم نے اے نسیم اشعار چٹکی میں

بہار آئی ہے پھر وحشت کے ساماں ہوتے جاتے ہیں　　ہرے سینے میں داغوں کے گلستاں ہوتے جاتے ہیں
مجھے بے چین کر کے دل دہی بھی ہوتی جاتی ہے　　جفائیں کرتے جاتے ہیں پشیماں ہوتے جاتے ہیں
کہاں جاتا ہے اے دل شکوہ مہر و وفا کرنے　　وہاں بیداد کرنے کے بھی احساں ہوتے جاتے ہیں
وہ نظروں میں وفائیں تو لیتے ہیں جاں نثاروں کی　　ترازو دل جگر میں تیر مژگاں ہوتے جاتے ہیں
نسیم زندہ دل مرنے لگے ہیں خوبرویوں پر　　غضب ہے ایسے دانشمند ناداں ہوتے جاتے ہیں

ہم یار کی غیروں پہ نظر دیکھ رہے ہیں　　گو منہ پہ نہ لائیں گے مگر دیکھ رہے ہیں
منہ میری طرف ہے تو نظر غیر کی جانب　　کرتے ہیں کدھر بات کدھر دیکھ رہے ہیں
کٹے روز رقیبوں سے نبھی رسم محبت　　ہم بھی یہی اے رشکِ قمر دیکھ رہے ہیں
قاصد سے جو بیمار بہت مجھ کو سنا تھا　　اخبار میں مرنے کی خبر دیکھ رہے ہیں
پرساں نہیں کوئی بھی نسیم اہلِ ہنر کا　　دنیا کی ہوا شام و سحر دیکھ رہے ہیں

ان کے پیکاں پہ پیکاں چلے آتے ہیں　　دل میں گھر کرنے کو مہمان چلے آتے ہیں
دیکھ کر آئے ہیں کیا عارض و گیسوان کے　　لوگ حیران پریشان چلے آتے ہیں
چار انگل کا وہ پرچہ نہیں لکھتے مجھ کو　　پاس اغیار کے فرمان چلے آتے ہیں
اپنی محفل میں مجھے دیکھ کے کہتا ہے وہ بت　　کیوں مرے گھر میں مسلمان چلے آتے ہیں
بزمِ اغیار میں کس شخص نے گستاخی کی　　کہ وہ خاموش پشیمان چلے آتے ہیں
دوشِ احباب پہ آگے ہے جنازہ میرا　　پیچھے سر پیٹتے ارمان چلے آتے ہیں

کیا بتائیں کہ نسیم آتے ہیں کیوں آپ کے گھر　　مفت ہونے کو پشیمان چلے آتے ہیں

جدھر دیکھو تمھاری بزم میں اغیار بیٹھے ہیں　　ادھر دس پانچ بیٹھے ہیں ادھر دو چار بیٹھے ہیں
انھیں دنبالہ دار آنکھوں نے مجھ کو مار رکھا ہے　　انھیں چھریوں کے میرے دل پہ گہرے وار بیٹھے ہیں
انھیں کی موت ہے جن کو تمھارے وصل کی دھن ہے　　وہی سکھ نیند سوتے ہیں جو ہمت ہار بیٹھے ہیں

سیدھا سچا تمھیں اے جانِ جہاں جانے کون　　دل کو لگتی نہ ہو جو بات اسے مانے کون
تھا ابھی تو دلِ بیتاب مرے پہلو میں　　لے گیا آنکھوں ہی آنکھوں میں خدا جانے کون
پھاڑ ڈالیں ہیں گلوں نے جو قبائیں اپنی　　باغ میں آج گیا تھا یہ ہوا کھانے کون
تم نہ تھے محفلِ اغیار میں شرمندہ نہ ہو　　منہ چھپائے ہوئے بیٹھا تھا خدا جانے کون
کوچۂ یار کبھی تجھ سے نہ چھوٹے گا نسیم　　گو یہ قسمیں تری سچی ہوں مگر مانے کون

بیتاب ہیں کسی کی نگاہیں نقاب میں　　ہیں بجلیاں کہ کوند رہی ہیں سحاب میں
لکھوں گا خط میں خوب عدو کی برائیاں　　ہو کر خفا وہ کچھ نہ لکھیں گے جواب میں
اس چھیڑ کے نثار کہ سن کر سوالِ وصل　　آئینہ رکھ دیا مرے آگے جواب میں
یاروں میں بوئے مہر و محبت نہیں نسیم　　کیا خاک اُڑ رہی ہے جہانِ خراب میں

تڑپ رہا ہے دلِ بے قرار پہلو میں　　ترے خدنگ کا ہے انتظار پہلو میں

لذت جور و ستم لینے دو　　زیرِ شمشیر تو دم لینے دو
نگہ مست کو رو کو نہ ابھی　　بزم کا رنگ تو جم لینے دو
ٹھہرو گھر جانے کی جلدی کیا ہے　　دلِ بیتاب کو تھم لینے دو

لب جاں بخش سے تم کیوں پوچھو غیر کو راہِ عدم لینے دو
کیا نسیم ان کو یونہیں دل دے دوں قول لینے دو قسم لینے دو

ذکر عدو سے دعویٰ مہر و وفا کے ساتھ لائے ہو تم کہاں کا یہ جھگڑا لگا کے ساتھ
بے چٹکیاں لیے نہیں پڑتی انھیں ہی کل ضد آ پڑی ہے میرے دل مبتلا کے ساتھ

ذکر دشمن ہے ناگوار کسے تم سناتے ہو بار بار کسے
مانگ لوں عمر خضر سے لیکن تیرے وعدے کا اعتبار کسے
ہائے بے چین کردیا دم خواب تونے اے آہ شعلہ بار کسے
گالیاں دے رہے ہیں ہونٹوں میں اس ادا پر نہ آئے پیار کسے
ہے نسیم ایک سنگدل وہ بت دل کو دیتا ہے میرے یار کسے

جب کسی کو خفا کرے کوئی مر نہ جائے تو کیا کرے کوئی
کررہا ہے علاج وحشتِ دل چارہ گر کی دوا کرے کوئی
میں تو ناصح بتوں کا نام نہ لوں دل نہ مانے تو کیا کرے کوئی
اس قدر بے نیاز یاں توبہ تم خدا ہو تو کیا کرے کوئی
دل وہ پہلا سا اے نسیم کہاں اب ہمیں سے وفا کرے کوئی

یوں ہی گر عدو کی غلامی کریں گے وہ حاصل بڑی نیک نامی کریں گے
کریں گے دلیلیں وہاں خوب ناصح انھیں کو ہم اپنا پیامی کریں گے
اجازت بھی دے ان کو تنگی دہن کی وہ کس منہ سے شیریں کلامی کریں گے
عدو نے کیا غسلِ صحت سنا ہے وہ جلسہ بڑا دھوم دھامی کریں گے

علی کا وسیلہ ہے دونوں جہاں میں — نسیم اور ہم کس کو حامی کریں گے

نہ سنی اس نے ایک بھی دل کی — دل ہی میں بات رہ گئی دل کی
گیسوئے یار میں یہ بات کہاں — اور ہی شئے ہے برہمی دل کی
کھینچتے ہیں وہ تیر پہلو سے — کھوئے دیتے ہیں دل لگی دل کی
یوں وہ نکلے تڑپ کے پہلو سے — شکل آنکھوں میں پھر گئی دل کی
گھٹتی جاتی ہے ان کی مہر و وفا — بڑھتی جاتی ہے بے خودی دل کی
چھوڑ دو اُن سے رسم و راہ نسیم — چاہتے ہیں جو بہتری دل کی

ہم کو غم دیتے ہو غیروں کی خوشی کے واسطے — کیوں پرایا دل دکھاتے ہو کسی کے واسطے
یہ تناسب یہ نزاکت یہ ادا یہ بانکپن — حسن کی دولت بنی تھی آپ ہی کے واسطے

وہ آئیں ان کو ایسی کیا پڑی ہے — یہ تو نے دل سے اے قاصد گھڑی ہے
تمھاری زلف دل خود مانگ لے گی — یہ چوٹی کس لیے پیچھے پڑی ہے
ہوئی ہے جب ذرا بھی صلح اُن سے — تو چشم فتنہ گر کیا کیا لڑی ہے
مری تعریف کیوں ہوتی ہے اتنی — عدو سے آج شاید ہو پڑی ہے
اکڑ جاتے ہیں وہ سن کر مرا نام — کسی کمبخت نے ایسی جڑی ہے
نسیم اٹھا نہ ہو دنیا سے یا رب — رہی یہ شہر میں کیسی پڑی ہے

کیا مری جان پہ یہ روز کی آفت آئی — دن چھپا اور مرے گھر شب فرقت آئی
آپ کی محفل عشرت کو نہ چھوڑا خالی — میں اگر نہ آسکا میری شکایت آئی
نہیں کامل ہنر بے ہنری میں بھی نسیم — کچھ بھی تجھ کو نہ مرے یار لیاقت آئی

خندہ لب آئے بہ چشم تر چلے — دیکھ کیونکر آئے ہم کیوں کر چلے
پھر ہو گردش آنکھ کو ساقی یونہیں — تیرے صدقے پھر یونہیں ساغر چلے
جو فسوں سازی میں خود مشتاق ہو — اس پہ کیا جادو چلے منتر چلے
آگے آگے تم ہو پیچھے داد خواہ — یہ پرا محشر میں یوں جم کر چلے
پاشکستوں کا ہے تو ہی دستگیر — بے ترے کیا بزم میں ساغر چلے
داد خوبی کو نسیم ناتواں — بیٹھتے اٹھتے سوئے محشر چلے

غیر کے گھر بن کے ڈالی جائے گی — کیونکر ان کی عید خالی جائے گی
آپ نے باندھی ہے کیوں تلوار آج — کیا مری حسرت نکالی جائے گی
پھنس چکا دل ہو چکی آشفتگی — اب طبیعت کیا سنبھالی جائے گی
جان کا دینا مجھے منظور ہے — ان کی فرمائش نہ ٹالی جائے گی
ان پہ ظاہر ہو نہ اے دل شوق مرگ — تیغ گردن سے اٹھالی جائے گی
دل کو واپس تم سے کیا مانگیں گے ہم — دے چکے جو شئے وہ کیا لی جائے گی
کیوں نہ وہ بے چین ہوں گے نسیم — سیدوں کی آہ خالی جائے گی

تمنایوں تو جیتے جی نہ میرے دل سے نکلے گی — گلے مل کر کسی دن خنجر قاتل سے نکلے گی
تمھاری تیغ سے آنکھیں لگی ہیں مرنے والوں کی — یہ لیلیٰ کب مری جان پردۂ محمل سے نکلے گی

غیر کے گھر میں وہ مہمان بڑی مشکل ہے — جان جانے کے ہیں سامان بڑی مشکل ہے
کہتے ہیں آپ ہیں جس بات کے طالب ہم سے — ہے وہی غیر کو ارمان بڑی مشکل سے
اور پھر کس سے کہوں حال پریشانیٔ دل — تم تو ہوتے ہو پریشان بڑی مشکل ہے
بے ملے کام بھی چلتا نہیں ملنا بھی ضرور — غیر سے جان نہ پہچان بڑی مشکل ہے

اُس نے لی جان ہزاروں کی یہ دم دے دے کر　　ہم پہ مرنا نہیں آسان بڑی مشکل ہے
وہ اٹھا لیتے ہیں رکھ رکھ کے چھری گردن پر　　کام ہوتا نہیں آسان بڑی مشکل ہے
رازِ دل اُس بت بدخو سے کہوں یا نہ کہوں　　بات نازک ہے وہ نادان بڑی مشکل ہے
روز کہتے ہو کہ تو کس کے لیے ہے بیتاب　　جان کر بنتے ہو انجان بڑی مشکل ہے
دوستی سہل نہیں اس بتِ بدخو سے نسیم　　ضد نہ کر دیکھ مری جان بڑی مشکل ہے

دل تجھ سے چھین لیں گے ضرورت اگر ہوئی　　اچھی کہی یہ ایک ہی اے فتنہ گر ہوئی

جورِ پیہم کی انتہا بھی ہے　　ایک کے بعد دوسرا بھی ہے
غیر نے بزمِ یار میں ہم سے　　کچھ کہا ہے تو کچھ سنا بھی ہے
شوق سے دل مرا کرو پامال　　یہی کمبخت کی سزا بھی ہے
ان کی ترچھی نظر سے ڈرتا ہوں　　یہ ادا ہی نہیں قضا بھی ہے
کہتے ہیں وہ جو پوچھتا ہوں مزاج　　آپ سے کوئی بولتا بھی ہے
نہیں واقف نسیم سے کیا خوب　　کوئی تم پر مٹا ہوا بھی ہے

ہوں گے دل و جگر میں نشان دیکھ لیجیے　　تیرِ نظر پڑے ہیں کہاں دیکھ لیجیے
باغِ جناں میں لطف اذیت بھلا کہاں　　دنیا میں سیرِ جورِ بتاں دیکھ لیجیے
آہیں نکل رہی ہیں دلِ دردناک سے　　فوجِ غم و الم کا نشاں دیکھ لیجیے
پردے ہی سے نہ آئیں وہ باہر تو پھر انھیں　　کس طرح دیکھ لیجیے کہاں دیکھ لیجیے
ہندوستان سے چلیے سوئے کربلا نسیم　　واں چل کے سیر باغِ جناں دیکھ لیجیے

ترکِ الفت کا غم اُدھر بھی ہے　　کل سے چپ چپ وہ فتنہ گر بھی ہے
خود غرض ہے عدو خبر بھی ہے　　تم کو اس بات پر نظر بھی ہے

پوچھتی ہے فلک سے آہ مری
اس جگہ پر کہیں اثر بھی ہے
کیوں نہ واعظ کہے بتوں کو برا
ایسے ویسوں کی گذر بھی ہے
نہ پھرے کیوں نسیم آوارہ
کہیں دنیا میں اس کا گھر بھی ہے

غضب میں ڈال دیا آپ نے ستا کے مجھے
کہ لوگ دیتے ہیں طعنے مری وفا کے مجھے
تسلیاں بھی نہیں ان کی چھیڑ سے خالی
رلا کے چھوڑتے ہیں وہ ہنسا ہنسا کے مجھے
چراغِ شام غریبی تھا میں زمانے میں
کسی نے آ کے نہ ٹھنڈا کیا جلا کے مجھے

کیا خاک کہوں مطلب دل یار کے آگے
سو اور سنائے گا وہ اغیار کے آگے
بولا تھا جو آغاز محبت میں بڑا بول
آیا وہی آخر دلِ بیمار کے آگے
روکا ہی کیا ضبطِ محبت سرِ محفل
سر جھک ہی گیا اس بت عیار کے آگے
پیدا نہیں دنیا میں دوائے مرض عشق
کیا لوگ نہ ہوتے تھے اس آزار کے آگے
فریادیٔ بیداد جفا جان کے مجھ کو
محشر میں وہ چلتے ہوئے للکار کے آگے
رہتا ہے کسی اور پہ آب غیر سنا ہے
بولوں گا کبھی جھوٹ نہ سرکار کے آگے
جائے نسیم اس کو ترحم تو عجب کیا
چل لے تو چلیں تجھ کو ترے یار کے آگے

عاشق اُس شوخ پر نہ ہو جائے
مدعی نامہ بر نہ ہو جائے
دیکھ اِس غور سے نہ آئینہ دیکھ
تجھ کو تیری نظر نہ ہو جائے
وعدۂ وصل میں ہے شرط ان کی
کہ عدو کو خبر نہ ہو جائے
لے ہی جاتے اڑا کے وہ دل کو
ہم کو معلوم اگر نہ ہو جائے
کوئے قاتل میں اے دل ناداں
جان کا جس کو ڈر نہ ہو جائے
موت کی یاد ہے ضرور نسیم
اس سے غافل بشر نہ ہو جائے

شب فرقت قضا نہیں آتی　　لاکھ کہتا ہوں آ نہیں آتی
چپ ہیں وہ سن کے شکوۂ اغیار　　بات بھی تو بنا نہیں آتی
وہ تو وعدے پہ آچکے اے موت　　تو بھی آتی ہے یا نہیں آتی
کس مرض کی دوا ہیں آپ اگر　　درد دل کی دوا نہیں آتی
شیشۂ دل ہے کس قدر نازک　　ٹوٹنے کی صدا نہیں آتی
ہم ہیں آزادہ رو جہاں میں نسیم　　یاں ہوس کی ہوا نہیں آتی

ذکر ایفا کچھ نہیں وعدہ ہی وعدہ ہم سے ہے　　رات دن شام وسحر امروز فردا ہم سے ہے
ہم نہ کہتے تھے کہ یہ جور و جفا اچھی نہیں　　پوچھ کچھ روز جزا تم سے ہے یا ہم سے ہے
دوسروں کے کہنے سننے پر نہ تم جاؤ نہ ہم　　تم سے بس کہنا ہمارا ہے تمھارا ہم سے ہے
شرم وصل غیر سے اٹھتی نہیں اونچی نظر　　دردسر کیسا یہ سب حیلہ بہانا ہم سے ہے
کون سی خوبی ہے ہم میں جس پہ نازاں ہوں نسیم　　جو زمانے سے برا ہے وہ بھی اچھا ہم سے ہے

چشم مست یار کی حالت مری آنکھوں میں ہے　　وہ مزا دل میں وہ کیفیت مری آنکھوں میں ہے
رات دن مجھ کو برابر ہیں تمھارے ہجر میں　　پردہ تاریکیٔ فرقت مری آنکھوں میں ہے
واقعی میں نے ہی بزم غیر میں کی میکشی　　نشہ صہبا کی کیفیت مری آنکھوں میں ہے
کانپ اٹھتا ہے بدن جس وقت آجاتی ہے یاد　　آج تک وہ عالم وحشت مری آنکھوں میں ہے
دوسرا میری نظر میں کیا سمائے اے نسیم　　ہردم اس کا جلوۂ قدرت مری آنکھوں میں ہے

نہ کہیے حسین کوئی ہم سا نہیں ہے　　خدا کی خدائی میں کیا کیا نہیں

انتخاب دیوان

بیخود دہلوی شاگرد داغ

اشک وہ اشک ہے جو آنکھ سے باہر نہ ہوا — دل وہی دل ہے جو بیداد سے مضطر نہ ہوا
دیکھ تو کون یہ بیٹھا ہے مرے پہلو میں — یہ وہ دن ہے کہ جو تجھ کو میسّر نہ ہو
چشم بد دور وہ بھولے بھی ہیں ناداں بھی ہیں — ظلم بھی تجھ پہ کبھی سوچ سمجھ کر نہ ہو

دل ہے مشتاق جدا آنکھ طلبگار جدا — خواہش وصل جدا حسرت دیدار جدا
زاہدوں سے نہ بنی حشر کے دن بھی یارب — وہ کھڑے ہیں تیری رحمت کے طلبگار جدا
جی جلانے کو ستانے کو سّانے کو مجھے — وہ جدا غیر جدا چرخ ستمگار جدا
بجلیاں حضرت موسیٰ پہ گریں دو ایک بار — شعلۂ شوق جدا شعلۂ دیدار جدا
ہوگئے وہ سحر وصل یہ کہہ کر رخصت — تجھ سے کرتا ہے مجھے چرخ ستمگار جدا
قتل کرتے ہی مجھے جلوہ نمائی بھی ہوئی — ورنہ ہنگامہ الگ ہے پسِ دیوار جدا

زاہدوں کی تیری رحمت پر چڑھائی ہے الگ
ٹولیاں باندھ کر آئے ہیں گنہگار جدا
وضع کا پاس بھی ہے بیخود میخوار ضرور
کاگ بوتل سے نہ کیجیے سربازار جدا

تمھیں ہم چاہتے تو ہیں مگر کیا
محبت کیا محبت کا اثر کیا
وفا کا نام تو پیچھے لیا ہے
کہا تھا تم نے اس سے پیشتر کیا
ہزاروں بار بگڑے رات بھر میں
نبھے گی تم سے اپنی عمر بھر کیا
نظر ملتی نہیں اٹھتی نہیں آنکھ
کوئی پوچھے کہ ہے مدِنظر کیا
شکایت سن کے وہ بیخود سے بولے
تجھے اے بے خبر میری خبر کیا

بنی تھی دل پہ کچھ ایسی کہ اضطراب نہ تھا
غشی کو آپ نے سمجھا تھا خواب خواب نہ تھا
یہ حسن ظن ہے کہ بیخود کبھی خراب نہ تھا
کسر تھی اتنی کہ آلودۂ شراب نہ تھا
ہماری آنکھ سے تم دیکھتے تو کھل جاتا
کہ آئینہ میں بھی اس شکل کا جواب نہ تھا
ہزاروں اس دل بے آرزو نے ڈھائے ستم
بھلے کو اور مرے ساتھ کچھ عذاب نہ تھا
مجھے یہ رشک کہ دشمن کا ذکر کیوں آئے
انھیں یہ ناز مری بات کا جواب نہ تھا
یہ بت سمجھتے تھے بیخود کو بارِ خاطر کیوں
کسی کے دل میں تو وہ خانماں خراب نہ تھا

نہ کیوں کر نذر دل ہوتا نہ کیوں کر دم مرا جاتا
اکیلا بھیجتا اس کو وہ خالی ہاتھ کیا جاتا
جنازہ پر بھی وہ آتے تو منہ کو ڈھانک کر آتے
ہماری جان لے کر بھی نہ انداز حیا جاتا
تمھاری یاد میرا دل یہ دونوں چلتے پرزے ہیں
جو ان میں سے کوئی مٹتا مجھے پہلے مٹا جاتا
تیری چتون کے بل کو ہم نے قاتل تاک رکھا تھا
کدھر مقتل میں بچکر ہم سے یہ تیر قضا جاتا
مزا جب تھا قیامت تک نہ آتا ہوش بے خود کو
پلائی تھی جو ساقی نے اتنی تو پلا جاتا

مری دعا کو خدا مستجاب کر دے گا — ترا غرور مجھے کامیاب کر دے گا
کسی کے ہجر میں اس درد سے دعا مانگی — ندائیں آہیں خدا کامیاب کر دے گا
کہیں چھپائے سے چھپتا ہے لعل گدڑی میں — فروغ حسن تجھے بے نقاب کر دے گا
بھلائی اپنی ہے سب کی بھلائی میں بیخود — کبھی ہمیں بھی خدا کامیاب کر دے گا

عدو دوست بن کر رہے رہ چکا — وہ تیرے بھلے کی کہے کہہ چکا
وہ کہتے ہیں یہ ہے ہماری جگہ — بغل میں تیری دل رہے رہ چکا
وہ جھوٹی خوشامد سے پگھلے گا کیا — جو شکوہ پہ ہنس کر کہے کہہ چکا
نگاہوں میں مطلب ادا کر دیا — جو کہنا تھا میں بے کہے کہہ چکا
زمین غزل اتنی بیخود کہاں — کہ مضمون کا دریا بہے بہہ چکا

اب اس سے کیا تمھیں تھا یا امیدوار نہ تھا — تمھارے وصل کا تم سے تو خواستگار نہ تھا
شراب پیتے ہی وہ کھل گئے وہ کھل کھیلے — شب وصال میں کچھ لطف انتظار نہ تھا
نہ جھپکی جب شب وعدہ پلک تو ہم سمجھے — یہ کوئی اور بلا تھی یہ انتظار نہ تھا
وہ تیر آپ کے ترکش میں کون سا نکلا — جو بے چلے بھی ہمارے جگر کے پار نہ تھا
وہ مر گیا ہے تو کیا ہے ہمیں بھی مرنا ہے — خدا گواہ ہے بیخود شراب خوار نہ تھا

غم میں ڈوبے ہی رہے دم نہ ہمارا نکلا — بحرِ ہستی کا بہت دور کنارا نکلا
نہ عیادت نہ مداوا نہ جنازے کی نماز — جاؤ بھی تم سے نہ کچھ کام ہمارا نکلا
چار غیروں میں تو بیخود اسے بدنام نہ کر — پھر وہی نام تیرے منہ سے دوبارہ نکلا

دہرا رہا تھا میں تو عدو کا کہا ہوا — الٹے وہ مجھ سے روٹھ گئے فیصلا ہوا

میری تو ایک بات کا اتنا گلا ہوا　　کچھ آپ کو بھی یاد ہے اپنا کہا ہوا
تیرے گلے کے ہار سے آئی وفا کی بو　　پھولوں میں کوئی دل تو نہیں ہے گندھا ہوا
یوں آپ مجھ سے وصل میں روٹھیں ہزار بار　　میری خوشی سے رنج ہوا یہ برا ہوا
جب دیکھتے ہیں آپ کن آنکھوں سے غیر کو　　کہہ دیتی ہے نگاہ نشانہ خطا ہوا
ہستی کا اپنی وہم بھی دل سے مٹا دیا　　جب جا کے آشنا کوئی نا آشنا ہوا
مجھ کو تو بزم یار بھی خلوت سے کم نہیں　　بیٹھا ہوں دور سب کی نظر سے بچا ہوا
بے خود کو اب نصیب کہاں بادۂ طرب　　برسوں میں مل گیا کوئی ساغر تو کیا ہوا

ہوا جو وقف غم وہ دل کسی کا ہو نہیں سکتا　　تمھارا بن نہیں سکتا ہمارا ہو نہیں سکتا
سنا پہلے تو خواب وصل پھر ارشاد فرمایا　　ترے رسوا کیے سے کوئی رسوا ہو نہیں سکتا
لگاوٹ اس کی نظروں میں بناوٹ اس کی باتوں میں　　سہارا مٹ نہیں سکتا بھروسا ہو نہیں سکتا
تمنا میں تری مٹ جائے دل ہاں یہ تو ممکن ہے　　مرے دل سے مٹے تیری تمنا ہو نہیں سکتا
نہ فرصت ہے نہ راحت ہے نہ بیخود وہ طبیعت ہے　　غزل کیا خاک لکھیں شعر اچھا ہو نہیں سکتا

تم ہمارے دل شیدا کو نہیں جانتے کیا　　اور غیروں کی تمنا کو نہیں جانتے کیا
کہیں ہوتا بھی ہے جاں بخش لب عہد شکن　　تیرے اس جھوٹے مسیحا کو نہیں جانتے کیا
پہلے دل تھام لو پھر آئینہ تم ہاتھ میں لو　　اپنے حسن رخ زیبا کو نہیں جانتے کیا
کر نہ دیں اس کو مکدر کہیں آہیں بیخود　　آپ اس آئینہ سیما کو نہیں جانتے کیا

جب یہ کہا کہ ہم نے تمھارا ادب کیا　　آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے بولے غضب کیا
چوکے جو ان کو راز محبت جتا دیا　　بھولے جو ان سے شکوۂ رنج و لقب کیا
قسمت کو ہم تو روتے ہیں روئیں گے عمر بھر　　دشمن کا شکوہ کس نے کیا تم سے کب کیا
اعجاز لب میں آپ کے جادو شریک ہے　　دشمن کو زندہ کر کے مجھے جان بلب کیا

تیری عطا کا تیری عنایت کا کیا شمار
تو نے وہی دیا ہے جو ہم نے طلب کیا
بیخود کہیں خلل تو نہیں ہے دماغ میں
آپ اور بھلے عذر جفا اس نے جب کیا

اس پر بھی نہ رحم آیا اس کو بھی غلط جانا
حالت بھی دکھا دیکھی قصہ بھی سنا دیکھا
کیوں پھر تو نہ پوچھو گے کچھ حال جدائی کا
افسانۂ غم سن کر رونا ہی پڑا دیکھا
کیوں حضرت دل اس پر مرنے کا مزا دیکھا
آغاز ستم دیکھا انجام وفا دیکھا
جب آنکھ پڑی اپنی اک بات نئی پائی
ان دیکھنے والوں نے تجھ کو ابھی کیا دیکھا

اس طرح غش کھا کے کل میں ان کی چوکھٹ پر گرا
وہ بھی گھبرا کر نکل آئے کہ یہ کیا ہو گیا
مجھ کو دشمن سے لڑا دینا تجھے اک کھیل تھا
دو گھڑی کے واسطے یہ بھی تماشا ہو گیا
رشک بھی کیا چیز ہے وہ بدگمان رہنے لگے
اب انھیں بھی کچھ مری جانب سے کھٹکا ہو گیا
یادگار خلق ہے بیخود ہماری سرگذشت
چار دن کی زندگانی میں بھی کیا کیا ہو گیا

تیشے سے کوئی کام نہ فرہاد سے ہوا
جو کچھ ہوا وہ عشق کی امداد سے ہوا
میری طرف جو زلف سے پھینکا نکال کر
ایسا قصور کیا دل ناشاد سے ہوا
اپنے خرام ناز کی ان کو خبر نہیں
کہتے ہیں حشر تیری ہی فریاد سے ہوا
بے حکم یوں کسی کو ستاتا نہیں فلک
مجھ پر یہ ظلم آپ کے ارشاد سے ہوا
بیخود کی طرح کون تمھیں جان دے سکا
یہ کام عشق میں اسی ناشاد سے ہوا

دل چرا لے گئی دزدیدہ نظر دیکھ لیا
ہم نہ کہتے تھے کہ اس چور نے گھر دیکھ لیا
بندہ پرور غم فرقت کا اثر دیکھ لیا
داغ دل دیکھ لیا داغ جگر دیکھ لیا
قد بھی کم عمر بھی کم مشق ستم اور بھی کم
کر چکے قتل مجھے جایئے گھر، دیکھ لیا
وہ فقط میرے دکھانے کے لیے چھپتا تھا
میں نے بے پردہ انھیں غیر کے گھر دیکھ لیا

شکوہ کے ساتھ لگاوٹ بھی چلی جاتی ہے　　جب کہا کچھ تو کنکھیوں سے ادھر دیکھ لیا
نہ چھٹا تم سے یہ میخانہ کا رستہ بیخود　　منہ چھپائے ہوئے جاتے ہو کدھر دیکھ لیا

اک ستمگر سے جو اپنا سامنا ہونے لگا　　حالِ دل کیا کیا نگاہوں میں ادا ہونے لگا
وصل کی شب وا جو وہ بندِ قبا ہونے لگا　　اُس نے شرما کر کہا سنبھلو یہ کیا ہونے لگا
اور بھی اک باوفا پر جان اب جانے لگی　　لو مبارک ہو تمھارا ہی کہا ہونے لگا
جلوہ گر ہے عشق کے پردے میں حسنِ دلفریب　　مجھ کو دیکھا جس نے وہ اس پر فدا ہونے لگا
تھا فقط میرے دکھانے کے لیے شرم و لحاظ　　رفتہ رفتہ سامنے وہ مہ لقا ہونے لگا
عاشقوں پر ظلم کرنا بھی تو کچھ آساں نہیں　　خود ادھر سے اب تقاضائے جفا ہونے لگا
کچھ نہ کچھ تو دل کی بھی میرے خطا ہوگی ضرور　　بے سبب بے وجہ کوئی کیوں خفا ہونے لگا
تھا دکن کے ہر گلی کوچہ میں اک ماتم بپا　　داغ کے قدموں سے جب بیخود جدا ہونے لگا

عیاں نگاہ سے رنج و ملال کس کا تھا　　ابھی ابھی ترے دل میں خیال کس کا تھا
نظر کہیں ہے مخاطب کسی سے ہیں دل میں　　جواب کس کو ملا ہے سوال کس کا تھا
ملا کے خاک میں سرمایۂ دل بیخود　　وہ پوچھتے ہیں بتاؤ یہ مال کس کا تھا

خوب دل کھول کر اُڑا زاہد　　میرے ذمے ترا حساب رہا

یہ کس نے دادِ تغافل کی حشر میں چاہی　　کہ منہ چھپائے ہوئے کوئی بیقرار آیا
چلا تو شوق میں بیخود پھرا تو محوِ جمال　　نہ بے قرار گیا میں نہ بے قرار آیا

غم لکھا تھا مرے مقدر میں   نہ دیا آپ نے تو کیا نہ ملا

میری قسمت کو کیوں برا کہیے   آپ چاہیں تو کیا نہیں ہوتا
دل نے کچھ اس سے کہہ دیا ہوگا   بے سبب وہ خفا نہیں ہوتا
جب کہا میں نے وعدہ ہو جائے   مسکرا کر کہا نہیں ہوتا
دل محبت سے بھر گیا بیخود   اب کسی پر فدا نہیں ہوتا

کوئی دیوانہ ہوں میں آپ کو یوسف جو کہوں   اس میں یہ بات کہاں ہے وہ ہزار اچھا تھا
اپنی محفل سے بھلا کس کو نکالا تم نے   چار غیروں سے تو پھر بیخود زار اچھا تھا

ہر وفا پیشہ برے کو بھی بھلا سمجھے گا   ظلم کو ناز تغافل کو حیا سمجھے گا
آپ کے لطف کو نادان ہے جو لطف کہے   یہ گنہگار تو اس کو بھی جفا سمجھے گا
وہ مرا شکوۂ بیداد خدا کے آگے   وہ ترا ناز سے کہنا کہ خدا سمجھے گا
یاد ہے حضرت بیخود کا یہ کہنا مجھ کو   خوب سمجھے گا جو اپنے کو برا سمجھے گا

دل صبر سے خوگر شب ہجراں میں نہ ہوگا   وہ کام بتاؤ گے جو امکاں میں نہ ہوگا
پہلو میں رہے یہ دل بیتاب سلامت   اب خیر سے کیا کیا شب ہجراں میں نہ ہوگا
مرجائے تڑپ کر دل مضطر تو بلا سے   نالہ تو ہوا ہے غم پنہاں میں نہ ہوگا
باقی ہے ابھی وصل کی حسرت مجھے بیخود   مرنے کا ارادہ شب ہجراں میں نہ ہوگا

کیا کہہ دیا یہ آپ نے چپکے سے کان میں   دل کا سنبھالنا مجھے دشوار ہو گیا

زمانے میں جسے دیکھا اسی کا مبتلا نکلا
وہ اس بیگانگی پر بھی تو صورت آشنا نکلا
تمھارے ہاتھ خالی جیب خالی زلف خالی تھی
نہ تھے تم چور دل کے لو ادھر دیکھو یہ کیا نکلا

آپ ہیں بے گناہ کیا کہنا
کیا صفائی ہے واہ کیا کہنا
حشر میں یہ انھیں نئی سوجھی
بن گئے دادخواہ کیا کہنا
غیر سے مانگ کر ثبوت وفا
بن گئے خود گواہ کیا کہنا
ان گنوں پر نجات کی امید
بیخود رو سیاہ کیا کہنا

تم ہی سوچو کہ بھلا غیر ہو کیوں کر اپنا
نہ تم اپنے نہ دل اپنا نہ مقدر اپنا
نامہ بر یہ تو کہی بات پتے کی تو نے
ذکر اس بزم میں رہتا تو ہے اکثر اپنا
آئینہ دیکھ کے خورشید پہ کرتے ہیں نظر
پھر چھپا لیتے ہیں وہ چہرۂ انور اپنا
آپ کو رنج ہوا آپ کے دشمن روئے
میں پشیمان ہوا حال سنا کر اپنا
دیکھ کر بے خودیٔ شوق یہ بیخود سے کہا
یہی حالت ہے تو چاہو گے ہمیں سر اپنا

سنا ہے جب سے شہرہ یار کی جادو بیانی کا
دل بیتاب ہے مشتاق پیغام زبانی کا
نزاکت نے نکلنے دی نہ منہ سے بات بھی پوری
گلا کرنے وہ بیٹھے تھے ہماری ناتوانی کا

جلوۂ عام سے کیا رشک نہ ہوگا ہوگا
کوئی تو حشر میں عاشق بھی تمھارا ہوگا
اس نے مے پی ہے مرے ہوش اڑے جاتے ہیں
کیا خبر تھی مجھے یوں نشہ دوبالا ہوگا
دل تو لیتے ہو مگر یہ بھی رہے یاد تمھیں
جو ہمارا نہ ہوا کب وہ تمھارا ہوگا
پھر نہ دوں گا تمھیں لینا ہے تو اس دم لے لو
چار دن بعد اگر دل کا تقاضا ہوگا
مل ہی جائے گا وہاں بھی کوئی مرنے والا
ان کو جنت میں نہ کیا حسن کا دعویٰ ہوگا

قیس کی دشت نوردی کا وہ قصہ سن کر　　کہتے ہیں عشق نہ ہوگا اسے سودا ہوگا
میں جو کہتا ہوں کہ بیخود ہے تمھارا شیدا　　منہ بنا کر وہ یہ کہہ دیتے ہیں ہوگا ہوگا

آپ کا ارشاد یہ ہے دل ترا جاتا رہا　　میں تو یہ سمجھا ہوں جینے کا مزا جاتا رہا
آنکھ میں جب تک حیا تھی ان سے تھی چشم اسید　　وہ سہارا مٹ گیا وہ آسرا جاتا رہا
تم وہی شوخی وہی چتون وہی صورت وہی　　شرم آنکھوں نے چرالی اور کیا جاتا رہا
اوپری دل سے وہ بن بیٹھے تھے میرے سوگوار　　اُن کو یہ افسوس ہے رنگِ حنا جاتا رہا
مٹے مٹے داغ حسرت دل سے آخر مٹ گیا　　رفتہ رفتہ سوز الفت کم ہوا جاتا رہا
غم نہیں کعبہ میں مجھ کو کچھ خدا کے فضل سے　　صرف اتنا ہی بتوں کا سامنا جاتا رہا
سن کے وہ بیخود کا مرنا پہلے تو چپکے رہے　　پھر یہ بولے بات کرنے کا مزا جاتا رہا

چلنا انھیں دشوار دم مشق ستم تھا　　پڑتا تھا جہاں پاؤں یہ دل زیر قدم تھا
غش تک تو رہا رنج جدائی سے افاقہ　　جب ہوش ہوا پھر وہی ہم تھے وہی غم تھا
دل لے گئے وہ چھین کے بیخود سے شب وصل　　پوچھے کوئی ان سے یہ ستم تھا کہ کرم تھا

کم نگاہی نے اس کی کام کیا　　آپ مارا قضا کا نام کیا
میرے دشمن میں رقیبوں سے　　دوستی کو تری سلام کیا
وصل کی آرزو میں جان گئی　　ہجر نے کام ہی تمام کیا
دمِ رخصت پہ چھیڑ تو دیکھو　　اس نے جھک کر مجھے سلام کیا
مے نہ پی ہجر یار میں بیخود　　اور توبہ کا تونے نام کیا

مل جاتا ہے رنجش کے لیے کوئی سبب خوب　　ہے روٹھنے کا وصل کی شب آپ کو ڈھب خوب

کہنا ہی پڑا نذر ہے، تعریف پہ دل کی — ہاتھ آیا ہے ظالم کے یہ اندازِ طلب خوب
دل توڑ کے میرا مجھے دیتے ہیں تسلی — آتا ہے انھیں رحم ستا لیتے ہیں جب خوب
کی بات بھی ہم سے نہ کبھی آنکھ ملا کر — ظالم کو سکھایا ہے کسی نے یہ ادب خوب
بیخود کا کبھی نام جو سنتے ہیں کسی سے — فرماتے ہیں دیوانہ نے پایا ہے لقب خوب

بات کرنے میں گزرتی ہے ملاقات کی رات — بات ہی کیا ہے جو رہ جاؤ یہیں رات کی رات
اس شب تار میں جانے کی اجازت کیا خوب — اور پھر اس پہ یہ طرہ ہے کہ برسات کی رات
عالمِ نور بنا کلبۂ احزان اپنا — یہ شب قدر ہے یا ان کی ملاقات کی رات
سرد مہری نے تری مجھ کو رولا رکھا ہے — کبھی جاڑے میں بھی آجاتی ہے برسات کی رات
اور مہمان ہے دو چار گھڑی کا بیخود — آپ آرام کریں آج یہیں رات کی رات

مجھ کو نہ دل پسند نہ وہ بے وفا پسند — دونوں ہیں خود غرض مجھے دونوں نا پسند
جنس وفا کرتے ہیں اہل وفا کو پسند — دشمن کو کیا تمیز ہے دشمن کی کیا پسند
بیخود تو مر مٹے جو کہا اس نے ناز سے — اک شعر آگیا ہے ہمیں آپ کا پسند

جیب میں رکھ لیا اس شوخ نے پڑھ کر کاغذ — کاش ہوتا مرے خط کا دل مضطر کاغذ
مدعا یہ ہے کہ دل کو ترے پامال کریں — اس نے بھیجا ہے جو مٹھی میں مسل کر کاغذ
باتیں تحریر میں ہوتی ہیں خریداروں سے — پاس محفل میں بھی رکھتا ہے وہ خود سر کاغذ

افسوس تھا کہ قہر تھا کیا تھا کسے خبر — ملتے رہے وہ ہاتھ مرے اضطرار پر

شب وصل کہنا یہ ان کا غضب ہے
کہ ہم بھی تو مرنے لگے ہیں کسی پر

بیچنے آئے کوئی کیا دل شیدا لے کر
دام دیتے ہی نہیں آپ تو سودا لے کر
چار دن بھی تو نہ رکھا دلِ شیدا لے کر
آپ نے ہم سے بھی کمبخت کو کھویا لے کر
قتل کے بعد نزاکت سے جو تھک جاتے ہیں
بیٹھ جاتے ہیں وہ کشتے کا سہارا لے کر
غیر کا قتل کچھ ایسا تو نہیں ہے مشکل
چھوڑ دو ہاتھ کوئی نام ہمارا لے کر
سانس کے ساتھ جو ہوتی ہے کھٹک سینے میں
ضعف سے درد بھی اٹھا ہے سہارا لے کر
آگیا مجھ کو نظر اپنی وفا کا انجام
میں نے تلوار کو قاتل سے جو دیکھا لے کر
اب تو بیخود کو یہ دعویٰ ہے بقول استاد
آدمی عشق کرے نام ہمارا لے کر

نہ جانا حضرت زاہد کبھی ترک عبادت پر
ہمارا بخش دینا منحصر ہے اس کی رحمت پر
بتے کی سن کے مجھ سے گالیاں ملنے لگیں مجھ کو
تصدق اس خجالت کے یہ طرہ ہے ندامت پر
کرے کیا کوئی اب ان سے شکایت شوخی چشمی کی
فدا ہیں آپ اَپنے جی سے وہ اپنی شرارت پر
جہاں اس بزم میں پہنچا نظر پڑنے لگی میری
کبھی اپنے مقدر پر کبھی غیروں کی قسمت پر
زمانہ حضرت بیخود کبھی یکساں نہیں رہتا
کبھی گذری ہے دنیا میں کسی کی ایک حالت پر

ابھی اس قدر مجبوریاں ایسی محبت پر
نہ ان پر زور چلتا ہے نہ قابو ہے طبیعت پر
کہیں میرا مقدر بخت دشمن سے نہ بدلا ہو
وہ کہتے ہیں کہ رشک آتا ہے ہم کو تیری قسمت پر
دعا کے ساتھ میرے لب سے کیا کیا کچھ نہیں نکلا
چڑھائی آج کس کس کی ہوئی باب اجابت پر
وطن کو چھوڑ کر میری طرح کیا یہ بھی نکلی ہے
اداسی کس قدر چھائی ہوئی ہے شام غربت پر
ہوا کرتی ہے اب مجھ سے شکایت در الفت کی
نصیب دوستاں عاشق ہوئے ہیں اپنی صورت پر

ستم سہنے کی بیخود اب کوئی حد بھی رہی باقی ملایا خاک میں پتھر پڑیں ایسی محبت پر

نہ بیٹھو اس طرح تم نعش پر ہر آن بن بن کر کہیں دم آ نہ جائے مجھ میں پھر ارمان بن بن کر
نگاہِ شوخ نے کشتے کو بسمل کر دیا دیکھو رگوں میں دوڑتی پھرتی ہے شوخی جان بن بن کر
مجھے معلوم تو ہو کون بیٹھا ہے پسِ پردہ یہ کس کے واسطے جاتے ہیں آخر یہ پان بن بن کر
عدو کے ذکر پر کہنا یہ کس کا ذکر کرتے ہو نبھانا خوب آتا ہے تمھیں انجان بن بن کر
پریشاں ہو کے کس آشفتہ سر کی لڑ گئی قسمت تری زلفیں بکھر جاتی ہے کیوں ہر آن بن بن کر
بھلا میخانے میں نوعِ بشر کا کام کیا زاہد ترتے ہیں ملا یک چرخ سے انسان بن بن کر
انھیں گذری ہوئی باتوں کا بیخود تجھ کو رونا ہے بگڑ جاتے ہیں کہیں ایسے بہت نادان بن بن کر

کہہ رہا ہے یہ تری تیغ ادا کا انداز ساری دنیا سے نرالا ہے جفا کا انداز
تم دعا مانگتے ہو کیوں مری صحت کے لیے جینے دے گا نہ مجھے دستِ دعا کا انداز
چھین لی حور کی آنکھ اس نے پری کی شوخی چال فتنہ کی اڑائی ہے قضا کا انداز
ہے نیا گل کوئی اس باغ میں کھِنے والا کہے دیتا ہے ابھی سے یہ صبا کا انداز
زاہدوں میں ہے نہ رندوں میں تمھارا بیخود کچھ الگ سب سے ہے اس مردِ خدا کا انداز

شوخی نظر کے پاس شرارت ادا کے پاس اک تمکنت کی شان ہے خالی حیا کے پاس
جاتا تھا دوڑ دوڑ کے ہر مہ لقا کے پاس چھوڑ آئے آج دل کو ہم اک بے وفا کے پاس
موہوم سی ہے آپ کے ملنے کی اک امید رکھا ہی کیا ہے اور دل مبتلا کے پاس
بجلی سی ایک کوند گئی میری آنکھ میں آ بیٹھے ہیں بزمِ غیر میں وہ مسکرا کے پاس
جو لطفِ خاص ہیں وہ تری سادگی میں ہیں رکھا ہے کیا کرشمہ و نازو ادا کے پاس
مرنے کا میرے اس نے کہا یوں عدو سے حال دنیا سے تنگ ہو کے سدھارے خدا کے پاس

مشہور ہے جہاں میں بیخود کا اتقا　　کیا کام دخترِ رز کا ہے اس پارسا کے پاس

دل چرا کر لے گیا تھا کوئی شخص　　نہ پوچھنے سے فائدہ تھا کوئی شخص
بھول جانے پر بھی اتنا یاد ہے　　مانگ کر دل لے گیا تھا کوئی شخص
دے کے خط دینا پتہ یہ نامہ بر　　کان میں کچھ کہہ گیا تھا کوئی شخص

لطف سے مطلب نہ کچھ میرے ستانے سے غرض　　شوخیوں سے کام ان کو مسکرانے سے غرض
اس گلی سے کام اُن کا سامنا ہو یا نہ ہو　　مجھ کو ہو آنا وہاں تک ہر بہانے سے غرض
شکوۂ اغیار پر ظالم نے یوں ٹالا مجھے　　تم کو ہم سے کام ہے تم کو زمانے سے غرض
کوئی موسم کوئی دن ہو اس سے کچھ مطلب نہیں　　حضرت بیخود کو ہے پینے پلانے سے غرض

دشمن کے خط میں اس نے لکھا ہے سلام شوق　　میرے لیے پیام قضا ہے پیام شوق
اتنا اثر تو ضبط محبت نے بھی کیا　　اُن کی زبان پہ آنے لگے ہیں کلام شوق
بھڑکی یہ آگ اس دلِ مشتاقِ دید سے　　پہلے تو جانتا بھی نہ تھا کوئی نام شوق
سوچو کہ چار دن ہیں بہاریں شباب کی　　سمجھو کہ حشر تک نہ رہے گا قیامِ شوق
دیدار کے خیال میں آنسو ٹپک پڑے　　لبریز ہوگیا تھا چھلکتا ہے جام شوق
یہ راز آج بیخود میخوار سے کھلا　　تلخی میں جام عشق سے بڑھ کر ہے جام شوق

کیا ملے آپ کی محفل میں بھلا ایک سے ایک　　رشک ایسا ہے کہ بیٹھا ہے جدا ایک سے ایک
دل ملے ہاتھ ملے اُٹھ کے نگاہیں بھی ملیں　　وصل بھی عید ہے ملنے کو بڑھا ایک سے ایک
ایسے ویسوں کو تو منہ بھی نہ لگایا ہم نے　　ماہرو ہم کو تو اچھا ہی ملا ایک سے ایک
کان سے دل نے لیا دل سے رگوں نے چھینا　　لے رہا ہے تری باتوں کا مزا ایک سے ایک

ظرف دیکھا یہ مئے عشق کے سرشاروں کا   بے خودی میں بھی تو بیخود نہ کھلا ایک سے ایک

تری تیغ کا لال کردوں گا منہ   جو یہ کھیلنے مجھ سے آئے گی رنگ

انھیں تو ستم کا مزا پڑ گیا ہے   کہاں کا تجاہل کہاں کا تغافل

ہے روز ہجر میں بھی اس بات کا خیال   دل میں بسا ہوا ہے وہی رات کا خیال

اب آپ کوئی کام سکھا دیجیے ہم کو   معلوم ہوا عشق کے قابل تو نہیں ہم
مہمان ہیں فصل گل کی طرح اس چمن میں ہم   اپنے کو جانتے ہیں مسافر وطن میں ہم
پیدا ہوئے ہیں دو ہی تو عاشق جہان میں   گلشن میں عندلیب تری انجمن میں ہم
پروانہ بن کے جلتے ہیں جب ہجر یار میں   ایک روح پھونک دیتے ہیں شمع لگن میں ہم
بیخود وہیں ہے قدر کچھ اہل کمال کی   افسوس ہے کہ جا نہ سکے پھر دکن میں ہم

لوٹے پڑتے ہیں یہ ہیں کس کے خریدار تمام   صبح سے بند ہیں کیوں مصر کے بازار تمام
اب رہا کون جو دیدار تمھارا دیکھے   پردہ اٹھتے ہی ہوئی حسرت دیدار تمام
اک جھلک دیکھ لی پردے سے تو ظالم نے کہا   لوٹ لی تو نے مرے حسن کی سرکار تمام
حسن ، انداز ، ادا ، ناز ، نگاہیں ، شوخی   دل مرا چھین کے بن بیٹھے ہیں مختار تمام
اب بھی اپنا کوئی بیخود مجھے سمجھا کہ نہیں   چھپ گئے اب تو مرے حال کے اخبار تمام

ہیں نکہتِ گل باغ میں اے بادِ صبا ہم   دم بھر میں نمودار ہیں دم بھر میں فنا ہم
تشریف تو لے آئیں وہ روٹھے رہیں ہم سے   جھگڑا تو مٹے صلح بھی ہو جائے گی باہم

ہم تیرے شناسا ہیں ہمیں غیر سے کیا کام　　آگاہ کسی سے بھی نہیں تیرے سوا ہم
پوچھا تھا یہ میں نے کہ منائے گا مجھے کون　　قسمت ابھی خاموش تھی جو اس نے کہا ہم
وہ کہتے ہیں دعویٰ ہے اسے ہوش و خرد کا　　بے خود کو پلائیں گے مئے ہوش ربا ہم

سن کے ساری داستانِ رنج و غم　　کہہ دیا اس نے کہ پھر ہم کیا کریں
یاد مژگاں دل سے جاتی ہی نہیں　　اک خلش رہتی ہے پیہم کیا کریں
بعد مردن آپ چھٹ جائے گی مے　　چار دن کے واسطے کم کیا کریں

ڈریں کیوں ہم اگر شمشیر نے جوہر نکالے ہیں　　تمھارے دست و بازو تو ہمارے دیکھے بھالے ہیں
رقیبوں نے وفائیں کون سی کی ہیں کہ اے ظالم　　انھیں کی اب نظریں ہیں انھیں کے اب حوالے ہیں
مرے بخت سیہ کا مجھ سے شکوہ سن کے ظالم نے　　کہا کس ناز سے ہنس کر مرے گیسو جو کالے ہیں
شکست عہد و پیماں میں مزا آتا ہے ساقی کو　　بہت جام سفالیں کی طرح دل توڑ ڈالے ہیں
نہ لینا نام دِلّی کا ہمارے سامنے بیخود　　اسی اجڑے ہوئے گلشن کے ہم بھی رہنے والے ہیں

جان یوں عشق میں اربابِ وفا دیتے ہیں　　یہ تماشا بھی تجھے آج دکھا دیتے ہیں
ایک بوسہ پہ تو سودا نہ بنے گا دل کا　　سوچ کر دیجیے کچھ آپ کیا دیتے ہیں
میری عادت سے ابھی آپ نہیں ہیں واقف　　وعدے کے ساتھ مجھے یہ بھی سنا دیتے ہیں

سب کی طرف ہے اور کسی پر نظر نہیں　　ہر شخص جانتا ہے ادھر ہے مگر نہیں

کیوں کہہ کے دل کا حال اسے بدگماں کروں　　یہ راز وہ نہیں ہے جسے میں بیاں کروں
مجھ کو یہ ضد کہ وصل کا اقرار تم سے لوں　　تم کو یہ ہٹ کہ میں نہ کبھی تجھ سے ہاں کروں

یہ کہہ رہی ہے مجھ سے کسی کی نگاہِ شرم
فرصت اگر حیا سے ملے شوخیاں کروں

تو مجھ کو آزما کے وفاداریوں میں دیکھ
میں بے وفائیوں میں ترا امتحاں کروں

اکتا گیا ہے شرع کی پابندیوں سے جی
دل چاہتا ہے بیعت پیرِ مغاں کروں

بیخود رفیق ہے نہ کوئی ہم طریق ہے
دل پر جو کچھ گذرتی ہے کس سے بیاں کروں

شوق اپنا آپ میں اپنی زباں سے کیوں کہوں
دل جو کچھ کہتا ہے وہ اس بدگماں سے کیوں کہوں

تم سمجھ لو، سوچ لو، تم تاڑ لو، پہچان لو
بات اپنے دل کی میں اپنی زباں سے کیوں کہوں

کان میں سن لو ادھر آ کر مری اک بات تم
تم سے کچھ کہتا ہوں میں سارے جہاں سے کیوں کہوں

داستاں اول سے سنئے میری سنی ہے اگر
آپ کہتے ہیں جہاں سے میں وہاں سے کیوں کہوں

کان میں چپکے سے بیخود جو کہا ہے یار نے
رشک آتا ہے مجھے وہ رازداں سے کیوں کہوں

نہ سہی آپ ہمارے جو مقدر میں نہیں
اب وہ پہلی سی تڑپ بھی دلِ مضطر میں نہیں

آپ کی بات کی وقعت نہیں اصلاً دل میں
آپ دم بھر میں تو ہاں کرتے ہیں دم بھر میں نہیں

مجھ کو باور تو جب آئے کہ کچھ امید بھی ہو
لکھ دیا خط میں وہ اس نے جو مقدر میں نہیں

میں نے پوچھا تھا کہو اور ستاؤ گے مجھے
منہ سے نکلی ہے ستمگر کے گھڑی بھر میں نہیں

آپ کیوں ذکر سے بیخود کے خجل ہوتے ہیں
یہ تو وہ نام ہے جو آپ کے دفتر میں نہیں

نہ ارماں بن کے آتے ہیں نہ حسرت بن کے آتے ہیں
شب وعدہ وہ دل میں دردِ فرقت بن کے آتے ہیں

پریشان زلف منہ اترا ہوا محجوب سی آنکھیں
وہ بزمِ غیر سے عاشق کی صورت بن کے آتے ہیں

بنے ہیں شیخ صاحب نقلِ مجلس بزمِ رنداں میں
جہاں تشریف لے جاتے ہیں حضرت بن کے آتے ہیں

نہ رکھنا ہم سے کچھ مطلب یہ پہلی شرط ہے ان کی — وہ جس کے پاس آتے ہیں امانت بن کے آتے ہیں
ستم کی خواہشیں بیخود غضب کی آرزوئیں ہیں — جوانی کے یہ دن شاید مصیبت بن کے آتے ہیں

عدو کو دیکھ کے جب وہ ادھر کو دیکھتے ہیں — نظر چرا کے ہم ان کی نظر کو دیکھتے ہیں
وہ رکھ کے ہاتھ سے آئینہ تن کے بیٹھ گئے — دہن کو دیکھ چکے اب کمر کو دیکھتے ہیں
کسی کے حسن سے یہ ہم کو بدگمانی ہے — کہ پہلے نامہ سے ہم نامہ بر کو دیکھتے ہیں
یہ امتحانِ کشش حسن و عشق کا ہے نیا — نہ ہم ادھر کو نہ اب وہ ادھر کو دیکھتے ہیں
کبھی وہ آئینہ میں دیکھتے ہیں اپنی شکل — کبھی وہ بیخود آشفتہ سر کو دیکھتے ہیں

ماننے کو تو مری مان لیا کرتے ہیں — چٹکیاں دل میں وہ ہر آن لیا کرتے ہیں
توڑ کر دل مجھے دیتے ہو تسلی ناحق — اور ہوتے ہیں جو تاوان لیا کرتے ہیں
مانتے ہی نہیں سنتے ہی نہیں پھر میری — دل میں مطلب کی جو وہ ٹھان لیا کرتے ہیں
وصل کی شب جو کسی بات کا آتا ہے خیال — تاڑ جاتے ہیں وہ پہچان لیا کرتے ہیں
ضد ہر ایک بات پہ اچھی نہیں ہوتی بیخود — دیکھ کہنا بھی کبھی مان لیا کرتے ہیں

بھولے بھٹکے جو کبھی وہ ادھر آ جاتے ہیں — دل میں اک آگ نئے سر سے لگا جاتے ہیں
جب کبھی مجھ سے وہ کچھ ہو کے خفا جاتے ہیں — خاک میں سب مرے ارمان ملا جاتے ہیں
جلوۂ عشق کی ان کو بھی نہیں طاقت دید — اپنے مشتاق سے وہ آنکھ چرا جاتے ہیں
ان کو مطلب جو سنیں وہ مرے مطلب کی کبھی — کاٹ دیتے ہیں مری بات اڑا جاتے ہیں
بزم دشمن میں خوشی سے بھی کوئی جاتا ہے — ہم کو کھینچے لیے جاتی ہے قضا جاتے ہیں
دیکھنا مجھ کو جو ہوتا دم رخصت کوئی اور — اس نے منہ پھیر کے جس وقت کہا جاتے ہیں

جان دیں ہجر میں یوں آپ کے دشمن بیخود　　آپ گھبرائیں نہیں وہ ابھی آجاتے ہیں

دل میں پھر وصل کے ارمان چلے آتے ہیں　　میرے روٹھے ہوئے مہمان چلے آتے ہیں
ان کے آتے ہی ہوا حسرت وارماں کا ہجوم　　آج مہمان پہ مہمان چلے آتے ہیں
آپ ہوں ہم ہوں مئے ناب ہو تنہائی ہو　　دل میں رہ رہ کے یہ ارمان چلے آتے ہیں
اس نے یہ کہہ کے مجھے دور ہی سے روک دیا　　آپ سے جان نہ پہچان چلے آتے ہیں
روٹھ بیٹھے ہیں مگر چھیڑ چلی جاتی ہے　　کبھی پیغام کبھی پان چلے آتے ہیں
یہ رہا حضرت بیخود کا مکان آؤ چلیں　　ابھی دم بھر میں میری جان چلے آتے ہیں

مری خواہش کہ وہ مجھ سے نباہیں　　زمانہ ہم کو چاہے وہ یہ چاہیں
قیامت ہے تری اٹھتی جوانی　　غضب ڈھانے لگیں نیچی نگاہیں
زمانہ ہم نے ظالم چھان مارا　　نہیں ملتیں ترے ملنے کی راہیں
دم آخر وہ آکر کہہ گئے یہ　　کہاں تک بیوفاؤں سے نباہیں

اپنے جلوے کا وہ خود آپ تماشائی ہے　　آئینے اس نے لگا رکھے ہیں دیواروں میں
اس جبین عرق افشاں پہ نہ چھپے افشاں　　یہ ستارے کہیں مل جائیں نہ سیاروں میں

سچ تو یہ ہے ماہ کی روشن جبیں اتنی نہیں　　روشنی جو تیرے رخ میں ہے کہیں اتنی نہیں
جانتا ہوں بے ثباتی ہے تری ہر بات میں　　چار دن قائم رہے تیری نہیں اتنی نہیں
ہم نے دیکھا ہے زمانہ ہم نے برتے ہیں حسین　　بندہ پرور ظلم کی کثرت کہیں اتنی نہیں
کس قدر مضمون بھرے ہیں دل میں بیخود کیا کہیں　　آسمان ہم تو بنا دیں یہ زمیں اتنی نہیں

گو داغ کے فسانے سب کی زبان پر ہیں رحلت کے خاص صدمے بے خود کی جان پر ہیں
رخسار پر تمھارے بیکیے کے نیل کیسے سو سو گمان دل میں اک اک نشان پر ہیں
مژگان کے وہ اشارے الفت کے یہ شرارے کانٹے جگر کے اندر چھالے زبان پر ہیں
وعدے کی شب الٰہی آ جائیں خیر سے وہ کچھ بجلیاں چمکتی آج آسمان پر ہیں
افتاد عاشقی کی دشمن سے پوچھ لیجے سب عمر بھر کے دکھڑے اس کی زبان پر ہیں
غماز دل بنا ہے بیخود ستم ہوا ہے پوشیدہ راز میرے ان کی زبان پر ہیں

جھوٹ سچ آپ تو الزام دیے جاتے ہیں بات سنتے نہیں دشنام دیے جاتے ہیں
ترچھی نظروں سے کیے اس نے بہت دل زخمی تیر ٹیڑھے ہیں مگر کام دیے جاتے ہیں
کہہ گیا یہ بھی کوئی روٹھ کے جانے والا ہم تجھے موت کا پیغام دیے جاتے ہیں
پاسبان جاگ اٹھیں وہ تو انھیں دے دینا لکھ کے کاغذ پہ یہ ایک نام دیے جاتے ہیں
آپ کے لطف و عنایت کا یہی ہے بدلا غم لیے جاتے ہیں آرام دیے جاتے ہیں
دل ہوا جان ہوئی ان کی بھلا کیا قیمت ایسی چیزوں کے کہیں دام دیے جاتے ہیں
تیر قاتل کو کلیجے سے لگا رکھا ہے ہم تو دشمن کو بھی آرام دیے جاتے ہیں
کام آ جائے گا دشمن کی محبت میں کبھی احتیاطاً دل ناکام دیے جاتے ہیں
اب تو کھل کھیلے وہ بیخود سے خدا خیر کرے اب تو خود بھر کے اسے جام دیے جاتے ہیں

ہمیں اسلام سے اتنا تعلق ہے ابھی باقی بتوں سے جب بگڑتی ہے خدا کو یاد کرتے ہیں

اب کسی بات کا طالب دل ناشاد نہیں آپ کی عین عنایت ہے یہ بیداد نہیں
آپ شرما کے نہ فرمائیں ہمیں یاد نہیں غیر کا ذکر ہے یہ آپ کی روداد نہیں
دم نکل جائے گا حسرت ہی میں ایک دن اپنا سچ کہا تم نے کچھ انسان کی بنیاد نہیں

پہلے نالے کو سنا غور سے پھر ہنس کے کہا ۔۔۔ آپ کی ساری بناوٹ ہے یہ فریاد نہیں
بعد استاد کے ہے ختم غزل بیخود پر ۔۔۔ معجزہ کہیے اسے طبع خداداد نہیں

عرض مطلب پہ ہنس کے فرمایا ۔۔۔ سن لیا ہے ترا خیال ہمیں
شوخیاں ان کی جائیں کیا ممکن ۔۔۔ صبر آجائے کیا مجال ہمیں
آئینہ دیکھ کر وہ یہ سمجھے ۔۔۔ مل گیا حسن بے مثال ہمیں

یہ وہ منزل ہے جہاں سیکڑوں مرجاتے ہیں ۔۔۔ پاؤں رکھتے ہی تری راہ میں سر جاتے ہیں
دیکھیے بار گہ حسن سے کیا حکم ملے ۔۔۔ ہاتھ باندھے ہوئے ہم پیش نظر جاتے ہیں
گل کھلانا کوئی تازہ تو نہیں ہے منظور ۔۔۔ مسکراتے ہوئے یہ آپ کدھر جاتے ہیں
وقت بے وقت وہاں آپ بھی جاتے ہوں گے ۔۔۔ پان بن بن کے جہاں شام وسحر جاتے ہیں
بادۂ عشق کی تاثیر یہ دیکھی بیخود ۔۔۔ خشک ہوتا ہے لہو ہوش بکھر جاتے ہیں

انھیں ٹھوکر پر اپنی ناز مژدے کو جلاتی ہے ۔۔۔ مجھے مر کر یہ دعوئی جان یوں قربان کرتے ہیں

اے کاش مری آہ میں اتنا اثر تو ہو ۔۔۔ میرا خیال اس کو مجھے دیکھ کر تو ہو
یہ شام ہی سے دھوم ہے رخصت کی کس لیے ۔۔۔ میں روکتا نہیں تمھیں جانا سحر تو ہو
پہلی نظر میں وہ مجھے عاشق سمجھ گئے ۔۔۔ پہچان لے نگاہ کو اتنی نظر تو ہو
یہ کیا کہ آج کچھ ہے تو کل کچھ زبان پر ۔۔۔ شکوہ ہو یا ہو شکر مگر عمر بھر تو ہو
یہ کیا کہ دشمنی میں بھی ہونے لگی کمی ۔۔۔ ملتا رہے وہ رنج کہ جس میں گذر تو ہو
وہ بعد امتحان محبت یہ کہہ گئے ۔۔۔ سچ کر دکھائے جھوٹ کو اتنا ہنر تو ہو

بیخود ہوا نہ وصل تو کچھ اس کا غم نہیں — وقت اخیر یار کے زانو پہ سر تو ہو

ملا کر مجھے خاک میں وہ یہ بولے — خبردار اب دل نہ دینا کسی کو
یہ محفل ہے بیخود یہ خلوت نہیں ہے — خبردار تو نے جو چھیڑا کسی کو

دیتا ہوں محبت کی خبر دیکھیے کیا ہو — ان پر مری باتوں کا اثر دیکھیے کیا ہو
انجام محبت کا ہے کھٹکا ابھی باقی — ہے درد زباں شام و سحر دیکھیے کیا ہو
ایسا نہ ہو اس بزم میں آنسو نکل آئیں — غماز ہے یہ دیدۂ تر دیکھیے کیا ہو
اندیشۂ عقبیٰ نے مزا زیست کا کھویا — ہر دم ہے یہی خوف و خطر دیکھیے کیا ہو
ہے شام ہی سے آج تو بیخود کا برا حال — کس طرح سے ہو رات بسر دیکھیے کیا ہو

ہم تو شیدائی ہیں اس دل کے کہ جس میں تو بھی ہو — غنچۂ گل سے غرض کیا اس میں تیری بو بھی ہو
یوں بسر ہو زندگی تو زندگی کا لطف ہے — دل بھی پہلو میں رہے دل کے برابر تو بھی ہو
یوں مبارک باد دیجیے ان کو وصل غیر کی — بات بھی کھلنے نہ پائے چھیڑ کا پہلو بھی ہو
ضبط غم راز نہاں کا پاس رسوائی کا ڈر — یہ تو سب کچھ ہو مگر دل پر مرا قابو بھی ہو

آ گئے پھر ترے ارمان مٹانے ہم کو — دل سے پہلے یہ لگا دیں گے ٹھکانے ہم کو
سر اٹھانے نہ دیا حشر کے دن بھی ظالم — کچھ ترے خوف نے کچھ اپنی وفا نے ہم کو
کچھ تو ہے ذکر سے دشمن کے جو شرماتے ہیں — وہم میں ڈال دیا ان کی حیا نے ہم کو
چار داغوں پہ نہ احسان جتاؤ اتنا — کون سے بخش دیے تم نے خزانے ہم کو
بات کرنے کی کہاں وصل میں فرصت بیخود — وہ تو دیتے ہی نہیں ہوش میں آنے ہم کو

ا بٹھایا تری چوکھٹ پہ خدا نے ہم کو — نہ اٹھیں حشر بھی آئے جو اٹھانے ہم کو
دے کے دم لوٹ لیا ناز و ادا نے ہم کو — باڑ پر رکھ ہی لیا تیغ قضا نے ہم کو
کچھ نہ کچھ رنگ دکھائے گی محبت اپنی — دیکھ جاتے ہیں وہ ملنے کے بہانے ہم کو
لاکھ ہزیمت سے یہ ذلت بھی نہیں عشق میں کم — آپ اٹھتے ہیں وہ محفل سے اٹھانے ہم کو
اب وہ اکتا کے تصور سے مرے کہتے ہیں — آ ہی جاتا ہے یہ کمبخت ستانے ہم کو
غیر سے ان کو سروکار نہیں کچھ بیخود — اس پہ مرتے ہیں کہ عاشق کوئی جانے ہم کو

بات کرنے کی شب وصل اجازت دے دو — مجھ کو دم بھر کے لیے غیر کی قسمت دے دو
تم کو الفت نہیں مجھ سے یہ کہا تھا میں نے — ہنس کے فرماتے ہیں تم اپنی محبت دے دو
ہم ہی چوکے سحر وصل منانا ہی نہ تھا — اب ہے یہ حکم کہ جانے کی اجازت دے دو
مفت لیتے بھی نہیں پھیر کے دیتے بھی نہیں — یوں سہی خیر کہ دل کی ہمیں قیمت دے دو
کم نہیں پیر خرابات نشیں سے بیخود — میکشو تو اسے میخانے کی خدمت دے دو

عدو کے ٹالنے کو تم ادھر دیکھو ادھر دیکھو — مگر ہم تم کو دیکھے جائیں تم چاہو جدھر دیکھو
لڑائی سے یوں ہی تو روکتے رہتے ہیں ہم تم کو — کہ دل کا بھید کہہ دیتی ہے لڑنے میں نظر دیکھو
ادائیں دیکھنے بیٹھے ہو کیا آئینہ میں اپنی — دیا ہے جس نے تم جیسے کو دل اس کا جگر دیکھو
سوال وصل پر کچھ سوچ کر اس نے کہا مجھ سے — ابھی وعدہ تو کر سکتے نہیں ہیں ہم مگر دیکھو
نہ کرنا ترک بیخود محتسب کے ڈر سے میخواری — کہیں دھبا لگا لینا نہ اپنے نام پر دیکھو

قیامت ہے جو ایسے پر دل امیدوار آئے — جسے وعدے سے نفرت ہو جسے ملنے سے عار آئے

مری بیتابیاں چھا جائیں یارب ان کی تمکین پر
تڑپتا دیکھ لوں آنکھوں سے جب مجھ کو قرار آئے

مٹادوں اپنی ہستی خاک کردوں اپنے آپے کو
مری باتوں سے گر دشمن کے بھی دل میں غبار آئے

اجازت مانگتی ہے دختِ رز محفل میں آنے کی
مزا ہو شیخ صاحب کہہ اُٹھیں بے اختیار آئے

خدا جانے کہ وہ بیخود سے اتنے بدگمان کیوں ہیں
کہ ہر جلسے میں فرماتے ہیں دیکھو ہوشیار آئے

حصر کعبہ پہ کیا ہے دیر سہی
حج کا موسم نہیں تو سیر سہی

جو نہ کرنی تھیں التجائیں کیں
اب بھی آزردہ ہیں تو خیر سہی

ایسے ناداں سے گلا کیسا
غیر سمجھا مجھے وہ غیر سہی

صبر آتا ہے جدائی میں نہ خواب آتا ہے
رات آتی ہے الٰہی کہ عذاب آتا ہے

بیقراری دل بیتاب کی خالی تو نہیں
یا وہ خود آتے ہیں یا خط کا جواب آتا ہے

منہ میں واعظ کے بھی بھر آتا ہے پانی اکثر
جب کبھی تذکرہ جام شراب آتا ہے

کس قیامت کی یہ آمد ہے خدا خیر کرے
فتنۂ حشر بھی ہمراہ رکاب آتا ہے

رند مشرب کوئی بیخود سا نہ ہوگا واللہ
پی کے مسجد ہی میں یہ خانہ خراب آتا ہے

خوبیاں ظلم میں کب نہیں یہ بتادے کوئی
جان پر کھیلنے والے کو دعا دے کوئی

شور محشر نہ سہی فتنہ رفتار سہی
میری سوئی ہوئی قسمت کو جگادے کوئی

مرنے والوں کا وہ کہتے ہیں بھروسہ کیا ہے
کہیں ایسا نہ ہو کمبخت دغا دے کوئی

ساتھ ہی شکوۂ بیجا کے یہ ارشاد بھی کیا
میں نے کچھ جھوٹ کہا ہو تو بتادے کوئی

آج تک جس سے ملا رنج ملا داغ ملا
دیکھیے کل کی ملاقات میں کیا دے کوئی

غیر کے عشق کی شہرت کہیں مٹ سکتی ہے
یہ بھی کیا نقشِ قدم ہے کہ مٹادے کوئی

پھر کسی شوخ کا دم بھرنے لگتے ہیں بیخود　　کہیں ایسا نہ ہو پھر دم پہ بنادے کوئی

اور ساقی پلا ابھی کیا ہے　　تیری سرکار میں کمی کیا ہے
اب فقط اس لیے ہے یہ تکرار　　کوئی پوچھے تری خوشی کیا ہے
ہم بھی بیخود سے آج مل آئے　　اک فرشتہ ہے آدمی کیا ہے

کچھ طرح رندوں نے دی کچھ محتسب بھی دب گیا　　چھیڑ آپس میں سرِ بازار ہوکر رہ گئی
وصل کی دیگر زبان دل میں بگڑ بیٹھا وہ شوخ　　داروئے دردِ دل بیمار ہوکر رہ گئی
غیر نے جادو کیا اس کی نگاہِ قہر پر　　برق بن کر رک گئی تلوار ہوکر رہ گئی
جب کسی ظالم کا بیخود ذکر سن پایا کبھی　　دل میں پیدا خواہش آزار ہوکر رہ گئی

عشق میں پھر کوئی برباد رہے یا نہ رہے　　جب نہ ہوں ہم تو یہ افتاد رہے یا نہ رہے
الفت غیر کا انجام پشیمانی ہے　　کہیے لکھ دوں اسے میں یاد رہے یا نہ رہے
جس کی آنکھوں میں تری چال کے فتنے ہوں بسے　　منصفی شرط ہے برباد رہے یا نہ رہے
اور کرلو ستم انصاف ہو جب تک اپنا　　طبع پھر مائل بیداد رہے یا نہ رہے
اس سے اچھے تمھیں مل جائیں گے مرنے والے　　تم رہو بیخود ناشاد رہے یا نہ رہے

جتائے جاتے ہیں احسان بھی ستا کے مجھے　　سکھا رہے ہیں وہ گویا چلن وفا کے مجھے
رکھا نہ ہم کو کہیں کا تری محبت نے　　وہ کہہ رہے ہیں عدو سے سنا سنا کے مجھے
تمیز عشق و ہوس پیشتر نہ تھی ان کو　　وہ اور ہوگئے مغرور آزما کے مجھے
شب وصال ادائیں بھی ہیں جفائیں بھی　　دکھائے جاتے ہیں انداز کس بلا کے مجھے
جو سیر دیکھنی منظور ہے تمھیں بیخود　　بھڑا دو حضرت زاہد سے مے پلا کے مجھے

پچھتاؤ گے پھر ہم سے شرارت نہیں اچھی — یہ شوخ نگاہی دم رخصت نہیں اچھی
بھولے سے کہا مان بھی لیتے ہیں کسی کا — ہر بات میں تکرار کی عادت نہیں اچھی
کیوں کل کی طرح وصل میں تشویش ہے اتنی — تم آج بھی کہہ دو کہ طبیعت نہیں اچھی
جب اتنی سمجھ ہے تو سمجھ کیوں نہیں جاتے — میں بھی یہی کہتا ہوں کہ حجت نہیں اچھی
مل آیئے دیکھ آیئے آج آپ بھی جا کر — بیخود کی کئی روز سے حالت نہیں اچھی

سن کے شکوہ ظلم کا چپکے سے وہ فرما گئے — آپ کی فریاد میں تاثیر ہونی چاہیے
دیر لگتی ہی نہیں ان کو خفا ہوتے ہوئے — جھوٹی سچی نام کو تقصیر ہونی چاہیے

ملا کے خاک میں دل کا خیال ہوتا ہے — ستم کے بعد انھیں انفعال ہوتا ہے
عجب بتوں کا بھی دل کش جمال ہوتا ہے — نگاہ ملتے ہی دل کا سوال ہوتا ہے

ہچکیاں موت کی دو چار تو آنے دیجے — دم تو لیجے ابھی تلوار تو آنے دیجے
سخت جان ہوں مجھے اک وار سے کیا ہوتا ہے — ایسی چوٹیں کوئی دو چار تو آنے دیجے
ہے سر ناز فروشی تو یہ جلدی کیا ہے — لاکھ دو لاکھ خریدار تو آنے دیجے
تو گرفتار محبت ہوں وفا مجھ میں کہاں — کم سے کم دل ابھی سو بار تو آنے دیجے
کوئی روکے نہ اسے حکم ہو دربانوں کو — آئے گر بیخود میخوار تو آنے دیجے

چلنے کی نہیں آج کوئی گھات کسی کی — سننے کے نہیں وصل میں ہم بات کسی کی
جھوٹا جو کہا میں نے تو شرما کے وہ بولے — اللہ بگاڑے نہ بنی بات کسی کی

منہ پھیر کر وہ کہتے ہیں بس مان جایئے — اس شرم اس لحاظ کے قربان جایئے

بھولے نہیں ہیں ہم وہ مدارات رات کی
جی چاہتا ہے پھر کہیں مہمان جائیے
یہ کہہ کے میرے سامنے ٹالا رقیب کو
مجھ سے کبھی کی جان نہ پہچان جائیے
بولے وہ مسکرا کے بہت التجا کے بعد
جی تو یہ چاہتا ہے تری مان جائیے
آگے ہے گھر رقیب کا بس ساتھ ہو چکا
اب آپ کا خدا ہے نگہبان جائیے
الفت جتا کے دوست کو دشمن بنا لیا
بیخود تمھاری عقل کے قربان جائیے

میرے ہمراہ مرے گھر پہ بھی آفت آئی
آسمان ٹوٹ پڑا برق گری چھت آئی
شرم آئی بھی جو اس شوخ کی آنکھوں میں کبھی
شوخیاں کرتی ہوئی ساتھ شرارت آئی
ہجر میں جان ہے دو بھر یہ لکھا تھا ان کو
خط میں لکھی ہوئی مرنے کی اجازت آئی
سوچتا جاتا ہوں رستے میں کہ یہ دوں گا جواب
گفتگو ان سے اگر غیر کی بابت آئی
پھر ہر اک شعر میں کچھ درد کا پاتا ہوں اثر
پھر کہیں حضرت بیخود کی طبیعت آئی

جو تجھے امتحان دیتا ہے
کس خوشی سے وہ جان دیتا ہے
کیا دیا ہم نے جان دی جو اسے
یہ تو سارا جہان دیتا ہے
چاہیے آپ کو تو لے لیجے
جان اک ناتوان دیتا ہے
تجھ سے باوضع ہے ترا خنجر
مرنے والوں پہ جان دیتا ہے
نام سنتا ہے جب وہ بیخود کا
گالیاں بدزبان دیتا ہے

ایسی تو ہم سے وصل کی شب بارہا ہوئی
غصے سے جب کام چلا التجا ہوئی
دشمن کے پیچھے چھپ گئے وہ دیکھ کر مجھے
پردہ ہوا یہ خوب یہ اچھی حیا ہوئی
بیخود ضرور رات کو سوئے ہو پی کے تم
یہ تو کہو نماز پڑھی یا قضا ہوئی

کوئی اس طرح سے ملنے کا مزا ملتا ہے
اوپری دل سے وہ ملتا ہے تو کیا ملتا ہے

مل گئے خاک میں ہم وہ بت کافر نہ ملا — لوگ کہتے ہیں کہ ڈھونڈھے سے خدا ملتا ہے
حور کے ذکر پہ وہ کہتے ہیں معلوم ہوا — تو کسی اور سے بھی میرے سوا ملتا ہے
عالم کیف میں ہستی سے گذر جاتا ہوں — چشم ساقی سے مجھے جامِ فنا ملتا ہے
منتوں سے وہ پلاتا ہے تو پی لے بیخود — تجھ کو انکار میں کیا مرد خدا ملتا ہے

دلِ بیتاب میں شوخی کا پتہ ملتا ہے — مٹنے والے میں کچھ انداز ترا ملتا ہے
حسن سے بڑھ کے کیا ان کی ادا نے بیتاب — ایک سے ایک محبت میں سوا ملتا ہے
بتکدے میں ہے خدائی کا تماشا موجود — اور کعبے میں فقط ایک خدا ملتا ہے
قتل عشاق پہ باندھی ہے کمر ظالم نے — خاک میں مجمع ارباب وفا ملتا ہے
سختیاں ہجر کی بٹ جاتی ہیں سب بعد وصال — قطرہ انجام کو دریا ہی میں جا ملتا ہے
اب تو خاموش ہو بیخود کہ وہ پھر روٹھ گئے — تجھ کو کمبخت ستا کر انھیں کیا ملتا ہے

وہ دشمن کی بیتی سنے جائیں گے — وہ بیٹھے ہوئے سر دھنے جائیں گے
انھیں مجھ کو منظور ہے ٹالنا — وہ ماتھے پر افشاں چنے جائیں گے
دیے جاؤ تم جھڑکیاں گالیاں — پیے جائیں گے ہم سنے جائیں گے
وہ کہتے ہیں تم مر کے جیتے رہے — یہ طعنے نہ ہم سے سنے جائیں گے
پڑھے جاؤ بیخود غزل پر غزل — وہ بت بن گئے ہیں سنے جائیں گے

طرز رنجش کی زمانے سے جدا رکھی ہے — بات کی تو نے گرہ دل میں لگا رکھی ہے
اور خلوت میں شب و روز عدو سے ملیے — سن بھی لی آپ نے جو اس نے اُڑا رکھی ہے
ہجو سے بیٹھ کے رندوں میں نہ کرا ے واعظ — سوجھتا بھی ہے تجھے دیکھ وہ کیا رکھی ہے
سر جھکائے گا ندامت سے وہ توبہ توبہ — ایسے بیباک کی آنکھوں میں حیا رکھی ہے
کیا کہوں کس سے کہوں وہم ہیں کیا کیا مجھ کو — تیری شوخی نے مرے دم پہ بنا رکھی ہے
غیر کے ذکر پہ یہ کہہ کے مجھے ٹال دیا — ہم نے کیا تجھ سے کوئی بات اٹھا رکھی ہے

تکیہ ہٹتا نہیں پہلو سے یہ کیا ہے بیخود — کوئی بوتل تو نہیں تم نے چھپا رکھی ہے

خوب تدبیر ہوئی خوب تشفی کردی — کھینچ کر تیر بغل آپ نے خالی کردی
وار دشمن نے کیا تم نے تسلی کردی — چوٹ دل پر ادھر آئی ادھر اچھی کردی
رشک دشمن بھی تو ہے عشق میں کیا صبر کروں — زہر نے مل کے دوا اور بھی کڑوی کردی
خاک میں خوب ہی ارمان ملائے دل کے — کیسی بستی ستم ایجاد نے سونی کردی
دست قاتل نے بھی اعجاز دکھائے کیا کیا — خون مہدی کا کیا خون کی مہدی کردی
خوب تیر نگہ ناز کی بوچھار ہوئی — آپ نے غیر کی تصویر تو چھلنی کردی
مجھ کو بیخود نہ سمجھ خوب سمجھتا ہوں تجھے — شمع میرے ہی جلانے کو تو ٹھنڈی کردی

وہ اور تسلی مجھے دیں ان کی بلا دے — جاتے ہوئے فرما تو گئے صبر خدا دے
ہر بات کا اللہ نے بخشا ہے سلیقہ — لڑنا بھی مزا دے ترا ملنا بھی مزا دے
اس طرح بھی غش سے کہیں ہوتا ہے افاقہ — یا زلف سنگھایا مجھے دامن کی ہوا دے
دم چڑھنے لگا غصے کے تیور جو بنائے — نازک ہو جو اتنا وہ مجھے خاک سزا دے
کمبخت نے سب کھول دیے راز محبت — یہ کس نے کہا تھا تجھے بیخود کو پلا دے

دل لے کے کرے ان کی بلا بات کسی سے — فرصت ہی نہیں بات کی ہونٹوں کو ہنسی سے
کہہ دی تھی فقط ہم نے تو اک بات ہنسی سے — الفت ہے کسی سے نہ عداوت ہے کسی سے
آیا ہے قیامت میں ستانے کوئی مجھ کو — کس طیش سے غصے سے غضب سے خفگی سے
ہوتا ہے خفا جب کبھی وہ غیر سے دل میں — اس وقت کا عالم کوئی پوچھے مرے جی سے
کیا فکر ہے بیخود جو اٹھاتے نہیں سر بھی — لڑکر تو نہیں آئے ہو تم آج کسی سے

چھدے دل پیشتر اپنا کہ زخمی ہو جگر پہلے — لگے ترچھی نظر کی دیکھیے برچھی کدھر پہلے
کلیجے سے لگا رکھی ہے میں نے عشق کی دولت — چلے آتے ہیں سینے میں وہی داغ جگر پہلے

نظر سے پیشتر دل مل گیا کہتے ہیں کیا اس کو / محبت کا ہے یہ دستور ملتی ہے نظر پہلے
ابھی کچھ تھا ابھی کچھ ہے اسی پر ہے طلب دل کی / ذرا قائم تو ہو لیں آپ اپنی بات پر پہلے
ہمیں بیخود نے برسوں میں یہ اک نکتہ بتایا ہے / کہے جب بات کوئی سوچ لے دل میں بشر پہلے

مل کر رقیب سے تری طینت بدل گئی / شوخی سے وہ حجاب کی عادت بدل گئی
کہتے ہیں اس کو ہجر کہ کہتے ہیں جس سے وہ / تیری تو ایک رات میں صورت بدل گئی
محفل وہی مکان وہی آدمی وہی / یا ہم نئے ہیں یا تری عادت بدل گئی
پروانہ شمع بن کے جلا شمع گل بنی / آتے ہی ان کے بزم کی رنگت بدل گئی
بیخود شراب عشق کی توبہ نہ نبھ سکی / ساقی سے آنکھ ملتے ہی نیت بدل گئی

اس حسن کو سمجھا تھا کیا حسن بشر تو نے / آئینے میں کیا دیکھا انصاف تو کر تو نے
دیکھا جو مجھے مضطر وہ سو نہ سکے دم بھر / کیا ظلم کیا ان پر اے درد جگر تو نے
پھر مجھ سے لڑا ہوتا پھر روٹھ گیا ہوتا / پھر دیکھ لیا ہوتا نالوں کا اثر تو نے
نومید کرم ہو کر پھر مے سے بھرا ساغر / اس آگ کو بھڑکایا اے دامن تر تو نے
دشمن کو لڑایا ہے دل میرا جلایا ہے / اے بانیٔ شر تو نے اے شعبدہ گر تو نے
یہ سحر زباں بھی ہے اعجاز بیاں بھی ہے / دیکھا کہ نہیں دیکھا بیخود کا ہنر تو نے

یوں بزم میں اٹھتی ہے نظر قہر و غضب سے / سمجھے کوئی روٹھے ہوئے بیٹھے ہیں وہ سب سے
پہلے نہ زلیخا نے کہا دست طلب سے / یہ دامن یوسف ہے نہ بڑھ حد ادب سے
یہ داغ یہ صدمے یہ قلق ہم نے اٹھائے / کس واسطے کیا وجہ فقط تیرے سبب سے
ہم نے تو انھیں خواب میں دیکھا تھا سحر کو / غیروں میں یہ چرچا ہے کہ غائب ہیں وہ شب سے
رکتی ہوئی لڑتی ہے نظر مجھ سے عدو کی / اٹھتے ہیں تری بزم میں فتنے بھی ادب سے
اس رشک قمر کو مرے پہلو میں جو دیکھا / خورشید نے منہ ڈھانک لیا دامن شب سے
باتوں میں تو بیخود سے کوئی جیت نہ سکتا / ہارا ہے اگر قول تو یہ بنت عنب سے

ہم کو نہیں ہے تجھ سے ضرورت سوال کی — خود منہ سے بولتی ہے تمنا وصال کی
ہم کیوں یہ سمجھیں ہم بھی ہیں عالم میں ہم کہاں — اپنا خیال ہی غلطی ہے خیال کی
ظلم و ستم کے شکوہ پہ شوخی تو دیکھیے — صورت بنائے بیٹھے ہیں و انفعال کی
کچھ اب کے گر کے برق نے تنکے جلا دیے — کچھ آگ آشیانے میں تھی پچھلے سال کی
بے خود کی خامشی کا سبب ان سے پوچھیے — اس کو تو کچھ خبر ہی نہیں اپنے حال کی

اٹھے تری محفل سے تو کس کام کے اُٹھے — دل تھام کے بیٹھے تھے جگر تھام کے اُٹھے
دم بھر مرے پہلو میں انھیں چین کہاں ہے — بیٹھے کہ بہانے سے کسی کام کے اُٹھے
اُس بزم سے اٹھ کر تو قدم ہی نہیں اٹھتا — گھر صبح کو پہنچے ہیں کہیں شام کے اُٹھے
ہے رشک کہ یہ بھی کہیں شیدا نہ ہوں اُس کے — تربت سے بہت لوگ مرے نام کے اُٹھے
افسانۂ حسن اس کا ہے ہر ایک زبان پر — پردے نہ کبھی جس کے در و بام کے اُٹھے
آغاز محبت میں مزے دل نے اُڑائے — پوچھے تو کوئی رنج بھی انجام کے اُٹھے
دل نذر میں دے آئے ہم اک شوخ کو بیخود — بازار میں جب دام نہ اس جام کے اُٹھے

ترے سر تک پہنچ کر ہو گیا ہے سرخرو سہرا — ترے قدموں پہ گر کر اب بڑھائے آبرو سہرا
نہ ہو فرصت تو کیا ہے جوش رکتا ہے کہیں بیخود — یقین تھا ہم کو لکھ کر لائے گا لاکھوں میں تو سہرا

انتخاب دیوان

بیخود بدایونی شاگرد داغ

تیری طرف سے دل میں جو اے بے نیاز تھا — وہ دردجان فزا تھا وہ غم دلنواز تھا
پائے طلب نے منزل جاناں دکھا ہی دی — گو راہ میں ہزار نشیب و فراز تھا
دو بھر تھی جان صرف ہمیں ورنہ دہر ہیں — دیکھا جسے وہ طالب عمر دراز تھا
کیف وصال زاہد نا فہم کچھ نہ پوچھ — وہ محو ناز تھا میں سراپا نیاز تھا
بیخود فراق یار میں ہم اور شغل مے — مجبور تھے مگر کہ یہ غم جانگداز تھا

یہ شوق ہے کہ اٹھاؤں ستم زمانے کا — خدا بچائے یہ لپکا ستم اٹھانے کا
دیار عشق کی جو بات ہے وہ الٹی ہے — کہ دل کا آنا ہے یاں نام دل کے جانے کا
مری بلا سے گرے برق یا خزان آئے — قفس میں غم نہیں کچھ مجھ کو آشیانے کا
وہ ایک تم ہو کہ ہو دوست اک خدائی کے — یہ اک میں ہوں کہ ہوں مدعی زمانے کا
حیا سے وصل میں کہتی ہیں شوخیاں ان کی — یہی تو وقت ہے بیخود سے منہ چھپانے کا

گردشِ چشمِ یار نے مارا   دورِ لیل و نہار نے مارا
مر رہا ہوں مگر نہیں مرتا   خلشِ انتظار نے مارا
سخت جانی مری جو سن پائی   دم نہ پھر تیغِ یار نے مارا
وصل میں بھی یہ مضطرب ہی رہا   اس دلِ بیقرار نے مارا
ہم تو جیتے ابھی مگر بیخود   ستمِ روزگار نے مارا

یوں ہی رہا جو بتوں پہ نثار دل میرا   کرے گا مجھ کو زمانے میں خوار دل میرا
چلی چلی مژۂ اشکبار آنکھ مری   جلا جلا نفسِ شعلہ بار دل میرا
عجیب مونس و ہمدرد و ذی مروت تھا   غریقِ رحمتِ پروردگار دل میرا
وفورِ شرم سے واں اجتناب مدِنظر   ہجومِ شوق سے یہاں بے قرار دل میرا
بنا دیا اسے خودبیں و خودنما بیخود   ہوا ہے آئینہ حسنِ یار دل میرا

کیوں میں اب قابلِ جفا نہ رہا   کیا ہوا کہیے مجھ میں کیا نہ رہا
ان کی محفل میں اس کے چرچے ہیں   مجھ سے اچھا مرا فسانہ رہا
واعظ و محتسب کا جمگھٹ ہے   میکدہ اب تو میکدہ نہ رہا
اُف رے ناآشنائیاں اس کی   چار دن بھی تو آشنا نہ رہا
لاکھ پردے میں کوئی کیوں نہ چھپے   رازِ الفت تو اب چھپا نہ رہا
اتنی مایوسیاں بھی کیا بیخود   کیا خدا کا بھی آسرا نہ رہا

پیام لے کے جو پیغام بر روانہ ہوا   حسد کو حیلہ ملا اشک کو بہانہ ہوا
وہ میری آہ جو شرمندۂ اثر نہ ہوئی   وہ میرا درد جو منت کشِ دوا نہ ہوا

خیال میں نہ رہیں صورتیں عزیزوں کی   وطن سے چھوٹے ہوئے اس قدر زمانہ ہوا
وہ داغ جس کو جگہ دل میں دی تھی جیتے جی   چراغ بھی تو ہمارے مزار کا نہ ہوا
پری وشوں کو سناتے ہیں قصہ خوان بیخود   ہمارا حال نہ ٹھہرا کوئی فسانہ ہوا

نالے میں کبھی اثر نہ آیا   اس نخل میں کچھ ثمر نہ آیا
اللہ رے مری بیقراری   چین ان کو بھی رات بھر نہ آیا
کہتا ہوں کہ آہی جائے گا صبر   یہ فکر بھی ہے اگر نہ آیا
غفلت کے پڑے ہوئے تھے پردے   وہ پاس رہا نظر نہ آیا
آنکھوں سے ہوا جو کوئی اوجھل   بیخود مجھے کچھ نظر نہ آیا

کبھی حیا انھیں آئی کبھی غرور آیا   ہمارے کام میں سو سو طرح فتور آیا
ہزار شکر وہ عاشق تو جانتے ہیں مجھے   جو کہتے ہیں کہ ترا دل کہیں ضرور آیا
جو باحواس تھا دیکھا اسی نے جلوۂ یار   جسے سرور نہ آیا اسے سرور آیا
خدا وہ دن بھی دکھائے کہ میں کہوں بیخود   جناب داغ سے ملنے میں رام پور آیا

اسی قدر شوق ہے کیوں تم کو خود آرائی کا   اب کسے حوصلہ باقی ہے شکیبائی کا
دل مرحوم سے کچھ جی تو بہل جاتا تھا   مرثیہ لکھیں گے اس مونس تنہائی کا
حشر تک مجھ کو در یار سے اٹھنے نہ دیا   ناتوانی نے کیا کام توانائی کا
سر شوریدہ کو تسکین تو ہو جاتی ہے   کچھ نتیجہ نہ سہی ناصیہ فرسائی کا
ان کی حسرت بھی نہیں میں بھی نہیں دل بھی نہیں   اب تو بیخود ہے یہ عالم مری تنہائی کا

شکوہ سن کر جو مزاج بت بدخو بدلا — ہم نے بھی ساتھ ہی تقریر کا پہلو بدلا
کہیے تو کس کے پھنسانے کی یہ تدبیریں ہیں — آج کیوں چین جبین سے خم گیسو بدلا
اک ترا ربط کے دو دن کبھی یکساں نہ رہا — ایک مرا حال کہ ہرگز نہ سرِ مو بدلا
ان حسینوں ہی کو زیبا ہے تلوّن اے دل — ہاں خبردار جو بھولے سے کبھی تو بدلا
دل مضطر کی تڑپ سے جو میں تڑپا بیخود — چارہ گر خوش ہیں کہ بیمار نے پہلو بدلا

طومار غم خدا کو سنایا نہ جائے گا — یہ ماجرا زبان پہ لایا نہ جائے گا
ہاں ہاں نہیں ہو بے سبب آزار تم مگر — پوچھیں گے ہم سبب تو بتایا نہ جائے گا
ان کے خیال ان کی نظر کا تو ذکر کیا — بیخود سے آپ میں بھی تو آیا نہ جائے گا

وہ ان کا وصل میں یہ کہہ کے مسکرا دینا — طلوع صبح سے پہلے ہمیں جگا دینا
بہت دنوں میں ہوئی ہے نصیب وصل کی رات — ہجوم شوق تمنا کو راستا دینا
وہ بات بات میں تلوار کھینچنا ان کا — وہ شوق قتل میں بیخود کا سر جھکا دینا

ساتھ ساتھ اہل تمنا کا وہ مضطر جانا — اللہ اللہ رے ترا بزم سے اٹھ کر جانا
رہبری کر کے مری خضر بھی چکر میں پڑے — اب انھیں جلوہ گہہ یار میں اکثر جانا
داغ کم حوصلگی دل کو گوارا نہ ہوا — ورنہ کچھ ہجر میں دشوار نہ تھا مرجانا
سادگی سے یہ گماں ہے کہ بس اب رحم آیا — مطمئن ہوں کہ مجھے آپ نے مضطر جانا
نشہ میں بھی ترے بیخود کی تعلّی نہ گئی — بادۂ ہوش ربا کو مئے کوثر جانا

نہاں ہو آنکھ سے دم بھر یہ جلوہ ہو نہیں سکتا — مری جان دیکھنے والے سے پردا ہو نہیں سکتا

وہی ہے زندہ جاوید جو مر جائے فرقت میں　　وہی بیمار اچھا ہے جو اچھا ہو نہیں سکتا
کچھ ایسا حشر ڈھایا ہے خرام ناز نے ان کے　　کہ اب شرمندگی سے حشر برپا ہو نہیں سکتا
مٹاتے ہو مٹاؤ ہم کو لیکن یہ بھی سن رکھو　　کہ ایسا مٹنے والا مٹ کے پیدا ہو نہیں سکتا
وصال یار تمہید فراق ہر دو عالم ہے　　کہ اس کا ہو کے پھر کوئی کسی کا ہو نہیں سکتا
وہ میرا اشتیاق ہمکناری وصل میں بیخود　　وہ اس کا ہنس کے یہ کہنا کہ ایسا ہو نہیں سکتا

حشر پہ وعدۂ دیدار ہے کس کا تیرا　　لاکھ انکار اک اقرار ہے کس کا تیرا
نہ دوا سے اسے مطلب نہ شفا سروکار　　ایسے آرام میں بیمار ہے کس کا تیرا
لاکھ پردے میں نہاں شکل ہے کس کی تیری　　جلوہ ہر شے سے نمودار ہے کس کا تیرا
اور پامال ستم کون ہے تو ہے بیخود　　اس ستمگر سے سروکار ہے کس کا تیرا

کہتے ہو حشر میں فریاد کروگے کیا تم　　تم کہو وہاں بھی یہ بیداد کروگے کیا تم
خاک میں میری کدورت نے ملایا ہے مجھے　　مجھ سے بڑھ کر مجھے برباد کروگے کیا تم
شیوہ مہر مروت تمھیں آتا ہی نہیں　　کسی ناشاد کا دل شاد کروگے کیا تم
دل میں کیا سوچتے ہو غیر کی تعریف کے بعد　　اب مرے حق میں کچھ ارشاد کروگے کیا تم
بیخودی سے تمھیں فرصت ہی نہیں ہے بیخود　　صفت حسن خداداد کروگے کیا تم

گزر رہا ہے جو مجھ پر عذاب دیکھے کون　　سوا مرے یہ مرا اضطراب دیکھے کون
تمھارا جلوۂ رخ بے نقاب دیکھے کون　　نگاہ بھر کے سوئے آفتاب دیکھے کون
یہاں یہ دید کی حسرت کہ دم ہے آنکھوں میں　　وہاں یہ شرم الٹ کر نقاب دیکھے کون
تمھیں کو جب نہ ہوا امتیاز عشق و ہوس　　تو پھر کسی کا عذاب و ثواب دیکھے کون
یہ ساری پردہ دری ہے تمھارے پردہ کی　　الٹ دو چہرے سے گر تم نقاب دیکھے کون

آئینہ دیکھ کے حیران ہوئے جاتے ہیں — ہوش آتا ہے تو قربان ہوئے جاتے ہیں
کہتے ہیں کثرت عشاق سے ہے ناک میں دم — تنگ آئے ہیں پریشان ہوئے جاتے ہیں
تنگیٔ دل سے بہت تنگ ہیں پیکاں ان کے — ہائے ناخوش مرے مہمان ہوئے جاتے ہیں
میکدے والوں میں آجائیں پئیں یا نہ پئیں — شیخ صاحب ابھی انسان ہوئے جاتے ہیں
غیر سے وصل کا وعدہ نہ کیا ہو بیخود — خود بخود کیوں وہ پشیمان ہوئے جاتے ہیں

ہیں درد و غم و یاس و تمنا مرے دل میں — اللہ رے وسعت کہ ہے کیا کیا مرے دل میں
کہتے ہو کہ ہم مفت بھی لیتے نہیں اس کو — کہیے تو وہ کیا عیب ہے اچھا مرے دل میں
آنسو مری آنکھوں میں ہیں نالے مرے لب پر — سودا مرے سر میں ہے تمنا مرے دل میں
خلوت میں بھی جلوت کے مزے لوٹ رہا ہوں — دنیا مرے دل میں ہے زمانہ مرے دل میں
بیخود مجھے اس پردہ نشیں کا ہے تصور — بے پردہ تصور نہیں جس کا مرے دل میں

جس میں سودا نہیں وہ سر ہی نہیں — درد جس میں نہیں جگر ہی نہیں
لوگ کہتے ہیں وہ بھی ہیں بے چین — کچھ یہ بیتابیاں ادھر ہی نہیں
دل کہاں کا جو دردِ دل ہی نہ ہو — سر کہاں کا جو دردِ سر ہی نہیں
بیخبر جن کی یاد میں ہیں ہم — خیر سے ان کو کچھ خبر ہی نہیں
بیخود محو و شکوہ ہائے عتاب — اس منش کا تو وہ بشر ہی نہیں

آہ کرتا دل حزیں نہ کہیں — آگ لگ جائے گی کہیں نہ کہیں
مرے دل سے نکل کے دنیا میں — چین سے حسرتیں رہیں نہ کہیں

بے حجابی نگاہ الفت کی   دیکھے وہ شرمگین کہیں نہ کہیں
آ گئے لب پہ دل نشیں نالے   جا ہی پہنچیں گے کہیں نہ کہیں
ہم سمجھتے ہیں حضرت بیخود   چوٹ کھا آئے ہو کہیں نہ کہیں

حاصل اس مہ لقا کی دید نہیں   عید ہے اور ہم کو عید نہیں
چھیڑ دیکھو کہ خط تو لکھا ہے   میرے خط کی مگر رسید نہیں
جانتے ہوں امیدوار مجھے   ان سے یہ بھی مجھے امید نہیں
یوں ترستے ہیں مے کو گویا ہم   پیر میخانہ کے مرید نہیں
خون ہو جائیں خاک میں مل جائیں   حضرت دل سے کچھ بعید نہیں
آؤ میرے مزار پر بھی کبھی   کشتۂ ناز کیا شہید نہیں
ہم تو مایوس ہیں مگر بیخود   دل نافہم ناامید نہیں

کشتۂ جور و جفا دادِ وفا دیتے ہیں   ہر لب زخم سے قاتل کو دعا دیتے ہیں
سچ تو کہتے ہیں انھیں جور و ستم سے کیا کام   وہ مجھے جرم محبت کی سزا دیتے ہیں
حال دل کا میں اشاروں میں بتا دیتا ہوں   بات مطلب کی وہ باتوں میں اڑا دیتے ہیں
آپ جاتے تو ہیں اس بزم میں بیخود لیکن   ایسے لوگوں کو وہ محفل سے اٹھا دیتے ہیں

فکر دنیا نہ کہوں یا غم عقبانہ نہ کہوں   سننے والا کوئی مل جائے تو کیا کیا نہ کہوں
سن چکے غیر کی روداد تو خوش ہو ہو کر   میں بھی حال دل ناشاد کہوں یا نہ کہوں
کہتے ہو اپنے رقیبوں کا تو کچھ حال کہو   تو سہی یوں بھی جو اپنی ہی تمنا نہ کہوں
نہ سنیں میری کوئی بات وہ ہرگز نہ سنیں   نہ کہوں میں بھی کوئی بات اب اصلا نہ کہوں

مصلحت کچھ ہے اس میں کہ میں چپ ہوں بیخود　　ورنہ کہنے ہی پہ آ جاؤں تو کیا کیا نہ کہوں

دلدادگان ناز و ادا اور بھی تو ہیں　　ہم پر ہی کیوں ہے جور و جفا اور بھی تو ہیں
یہ کیا کہ مجھ سے ٹوٹ کے دشمن سے مل گئے　　انداز جور طرز جفا اور بھی تو ہیں
دیکھو تو خود نمائی کا لپکا کسی کو ہے　　خوش رو حسین ماہ لقا اور بھی تو ہیں
آیا سوئے جگر جو وہ پیکان دل نشیں　　بیتاب ہو کے دل نے کہا اور بھی تو ہیں
بیخود تمہیں نہیں ہو بتوں پر فریفتہ　　اس دھن میں بندگان خدا اور بھی تو ہیں

آرزو مند شہادت خنجر قاتل سے ہوں　　دل میں کیا کیا منفعل اس سعی بے حاصل سے ہوں
رحم کر اے رشک قرب مدعی بس رحم کر　　میں جدا اس بزم دلکش سے بھلا کس دل سے ہوں

واہ رے شوق لقا اللہ رے جوش جنوں　　جلوۂ جاناں کا طالب پردۂ محمل سے ہوں
رشک دشمن تو نہیں درد جدائی ہے تو ہو　　میں تو خلوت ہی میں اچھا کچھ تری محفل سے ہوں
غرق گرداب فنا ہوتے ہی بیڑا پار ہے　　میں لب ساحل ہوں بیخود دور اگر ساحل سے ہوں

ان کو دماغ پرسشِ اہل محن کہاں　　یہ بھی سہی تو ہم کو مجال سخن کہاں
اک بوند ہے لہو کی مگر بیقرار ہے　　دل کو چھپائے زلف شکن در شکن کہاں
تمکین خامشی نے انھیں بت بنا دیا　　سب اس گمان میں ہیں کہ ان کے دہن کہاں
وہ شام وعدہ محو ہیں آرائشوں میں اور　　پہنچا ہے لے کے مجھ کو مرا سوئے ظن کہاں
بیخود نہ کیوں ہوں دوری استاد سے ملول　　سوچو تو مار واڑ کہاں ہے دکن کہاں

ہیں وصل میں شوخی سے پابند حیا آنکھیں　　اللہ رے ظالم کی مظلوم نما آنکھیں

آفت میں پھنسائیں گی دیوانہ بنائیں گی — وہ غالیہ سا زلفیں وہ ہوش رُبا آنکھیں
کیا جانیے کیا کرتا کیا دیکھتا کیا کہتا — زاہد کو بھی میری سی دیتا جو خدا آنکھیں
رحم ان کو نہ آیا تھا تو شرم ہی آجاتی — بیداد کے شکوے پر جھکتیں تو ذرا آنکھیں
تم جان کو کھو بیٹھو یا آنکھوں کو رو بیٹھو — بیخود نہ ملائیں گے وہ تم سے ذرا آنکھیں

اسیر زلف روتا اور کون ہے میں ہوں — رہین دامِ بلا اور کون ہے میں ہوں
یہ حوصلے ہوئے بندوں کو اے خدا کی شان — وہ کہہ رہے ہیں خدا اور کون ہے میں ہوں

رخصت طلب ہے جان حزیں ہجر یار میں — دل کس حساب میں ہے جگر کس شمار میں
واعظ ہر ایک بات ہے موقوف وقت پر — توبہ کسی نے کی بھی ہے فصلِ بہار میں
پھر دیکھنا تم اپنے تصور کی شوخیاں — دو چار دن رہے تو دلِ بے قرار میں
ہے وصل میں فراق کا کھٹکا لگا ہوا — فکرِ خزاں بھی ہے ہمیں عیش بہار میں
بیخود تو ہوں ضرور مگر خود غلط نہیں — میں اور جانِ دوں قلقِ انتظار میں

وہ کہتے ہیں کہ باتیں پیچ کی ہم کم سمجھتے ہیں — یہ ہم پر ہو رہی ہے اس کا مطلب ہم سمجھتے ہیں
کسی کا دل دکھے یا جان جائے ان کو کیا پروا — وہ دل کو دل سمجھتے ہیں نہ دم کو دم سمجھتے ہیں

قید راحت سے مصیبت نے نکالا مجھ کو — خوب بگڑا تھا مگر خوب سنبھالا مجھ کو
میں اسی بات سے ہوں شاد کہ او محوِ جفا — لوگ کہتے ہیں ترا چاہنے والا مجھ کو
رشک اغیار کو روتا ہوں کہ اس نے بیخود — بزم دلدار سے سو بار نکالا مجھ کو

کون کہتا ہے کہ تم حال ہمارا دیکھو — لے کے آئینہ ذرا رنگ تو اپنا دیکھو
ملک الموت کے قدموں پہ گرے پڑتے ہیں — جان پر کھیلنے والوں کا تماشا دیکھو
رند اور بادہ کشی حضرت واعظ کیا خوب — تم کو باور نہیں آتا ہے تو منگوا دیکھو

کیوں مرا حال قصہ خواں سے سنو — یہ کہانی مری زباں سے سنو
غم ہی غم ہے مرے فسانے میں — دکھ ہی دکھ ہے اسے جہاں سے سنو
مجھ سے پوچھو تم اپنے جی کا حال — راز کی بات رازداں سے سنو
غم مرے دل میں تم ہو پردے میں — سچ تو ہے تم اسے کہاں سے سنو
چھپ گیا ہے فسانہ بیخود — کبھی تم بھی تو قصہ خواں سے سنو

آئینہ لے کے پہلے اپنی نظر کو دیکھو — پھر میرے دل کو دیکھو میرے جگر کو دیکھو
مرے بیانِ غم پر وہ مسکرا رہے ہیں — سنتے ہیں کس خوشی سے غم کی خبر کو دیکھو
تقدیر کے لکھے کو کیا رو رہے ہو بیخود — اس سنگِ در کو دیکھو اور اپنے سر کو دیکھو

کیا کہوں ہم دم دلِ پر آرزو کی آرزو — آرزو اور اُس بتِ بیگانہ خو کی آرزو
ساقی بیگانہ وش کو ایک چلو بھی دریغ — میکشوں کو جام کی خم کی سبو کی آرزو
کون سمجھے اس دلِ بے مدعا کا مدعا — کون پوچھے اس دلِ پر آرزو کی آرزو
مبتلائے عشق کا اللہ رے ذوقِ ابتلا — غم کا غم حسرت کی حسرت آرزو کی آرزو
اس دلِ پر آرزو میں اس کو آنا ہی نہ تھا — سچ یہ ہے بیخود بڑی یہ چال چوکی آرزو

ہے صلح میں تکلیف لڑائی سے زیادہ — ہم وصل میں مضطر ہیں جدائی سے زیادہ
زاہد وہ گناہوں سے بھی بیزار ہے لیکن — نفرت ہے اُسے زہد ریائی سے زیادہ
تاثیر کا رونا بھی ہے ساتھ آہ کے بیخود — لیکن نہ غمِ نارسائی سے زیادہ

دل بھی پہلو سے گیا نالۂ شبگیر کے ساتھ
اب یہ ماتم ہے نیا ماتمِ تاثیر کے ساتھ
منکرِ معجزہ حسن کدھر ہیں دیکھیں
کھنچنے والے کی ادا کھنچ گئی تصویر کے ساتھ
اب بھویں تن گئیں ظالم تو نگاہیں بھی لڑیں
اب ذرا تیر بھی چل جائیں نہ شمشیر کے ساتھ
گردش بخت سے بڑھتی ہی چلی جاتی ہیں
مری وابستگیاں زلف گرگیر کے ساتھ

نوبتِ دید فقط وقتِ سزا ہی آئی
کام آئی تو محبت میں خطا ہی آئی
نہ مدارات ہماری نہ عدو سے نفرت
نہ وفا ہی تمھیں آئی نہ جفا ہی آئی
جاں بلب دیکھ کے منہ پھیر لیا ظالم نے
رحم کے وقت بھی بیخود سے حیا ہی آئی

اک دھوم ہے جہاں میں ترے فیضِ عام کی
ساقی بھلا ہو ہم کو بھی مولا کے نام کی
دل ان کا مبتلا ہے جگر ان کا شیفتہ
دونوں میں ایک چیز نہیں میرے کام کی
غم کی دوا مرض کی شفا یعنی یہ شراب
کیا جانے بے نیاز نے کیوں کر حرام کی
بیخود بتاؤ تو تمھیں اللہ کی قسم
کیا ہے جو صبح سے یہ دعائیں ہیں شام کی

یہ بے گناہ کسے تم حلال کر بیٹھے
یہ کس کے خون سے تم ہاتھ لال کر بیٹھے
وہ ہم سے آج قیامت کی چال کر بیٹھے
کہ بے چلے ہی ہمیں پائمال کر بیٹھے
بتاوں کیا انھیں کہتے ہیں کس کے بندے ہو
فرشتے قبر میں یہ کیا سوال کر بیٹھے
کسے ہے طاقتِ نظارہ رخ روشن
نقاب کیوں کوئی چہرے پر ڈال کر بیٹھے

اس بزم میں نہ ہوش رہے گا ذرا مجھے　　اے شوق ہرزہ تاز کہاں لے چلا مجھے
یہ دردِ دل ہی زیست کا باعث ہے چارہ گر　　مرجاؤں گا جو آئی موافق دوا مجھے
اس ذوقِ ابتلا کا مزہ اس کے دم سے ہے　　سب کچھ ملا ملا ہو دل مبتلا مجھے
دیرِ حرم کو دیکھ لیا خاک بھی نہیں　　بس اے تلاشِ یار نہ در در پھرا مجھے
یہ دل سے دور ہو نہ دکھائے خدا وہ دن　　ظالم ترا خیال ہے دل سے سوا مجھے
رنج و ملال و حسرت و ارمان و آرزو　　جانے سے اک دل کے بہت کچھ ملا مجھے
میں جانتا ہوں آپ ہیں مست اپنے حال میں　　بیخود نہیں ہے آپ سے مطلق گلا مجھے

رقیبوں کا مجھے گلا ہو رہا ہے　　یہ کیا کر رہے ہو یہ کیا ہو رہا ہے
دعا کو نہیں راہ ملتی فلک کی　　کچھ ایسا ہجوم بلا ہو رہا ہے
وہ جو کر رہے ہیں بجا کر رہے ہیں　　یہ جو ہو رہا ہے بجا ہو رہا ہے
وہ نہ آشنا بیوفا میری ضد سے　　زمانے کا اب آشنا ہو رہا ہے
چھپائے ہوئے دل کو پھرتے ہیں بیخود　　کہ خواہاں کوئی دل ربا ہو رہا ہے

یہ کیا کہ جب آئے کسی بے مہر پر آئے　　آتی ہے طبیعت تو ذرا دیکھ کر آئے
طالب ہیں وفا کے نہ یہ شاکی ہیں جفا کے　　یہ حضرت دل ہیں جدھر آئے ادھر آئے
اے جانِ حزیں تیرے نکلنے کی خوشی کیا　　حسرت کوئی نکلے کوئی امید بر آئے
کچھ بھید ہے اس میں بھی جو کہتا ہوں میں ان سے　　ہاں تم کو قسم ہے جو کبھی میرے گھر آئے
فرقت میں بھی بیخود نے مزے وصل کے لوٹے　　جب بند ہوئی آنکھ تمہیں تم نظر آئے

تمھارے جلوۂ زیبا کی دید باقی ہے   سبھوں کی عید ہوئی مری عید باقی ہے

ہیں مائل بیداد وہ یوں روز جزا بھی   گویا کہ انھیں کا ہے طرف دار خدا بھی
امید بھی ہے یاس بھی ہے ہجر میں دل کو   جینے کی تمنا بھی ہے مرنے کی دعا بھی
ہاں مطرب طناز وہ پہلو میں ہیں مرے   ہاں ساقی گلفام گھٹا بھی ہے ہوا بھی
عرض قلق و غم پہ زبان کاٹیے صاحب   جھوٹا ہوں تو آخر کوئی جھوٹے کی سزا بھی
غیروں کے جلانے کو ملا مجھ سے وہ بیخود   خالی نہیں بیداد سے ظالم کی وفا بھی

بیان شور آہ تاب فرسا ہم سے ہوتا ہے   نئی ترکیب سے شکوہ ہمارا ہم سے ہوتا ہے
خدا کے سامنے بھی حشر میں چپکے کھڑے ہیں ہم   بھلا راز محبت آشکارا ہم سے ہوتا ہے
وہ تقریر طرب افزا تو ہے دشمن کے حصہ میں   سمجھ میں جو نہ آئے وہ اشارا ہم سے ہوتا ہے
امید لطف پر ساری جفائیں بھول جاتے ہیں   شکایت ہم سے ہوتی ہے نہ شکوا ہم سے ہوتا ہے
عدو کی التجا کرتے لگے مجبور ہو ہو کر   خدا کی شان ہے فرقت میں کیا کیا ہم سے ہوتا ہے
یہ شوخی دیکھنا دل کے تقاضے پر وہ کہتے ہیں   ملایا خاک میں خود اور تقاضا ہم سے ہوتا ہے
کھڑے ہو حشر میں منہ کو چھپائے سر جھکائے کیوں   یہ ہے شرم ستم یا اب بھی پردا ہم سے ہوتا ہے
نہ پاس وعدہ و پاس مروت ان کو رہتا ہے   نہ ترک الفت و ترک تمنا ہم سے ہوتا ہے
اطبا اٹھ گئے بالیں سے مرے اب تو یہ کہہ کر   بھلا ان مرنے والوں کا مداوا ہم سے ہوتا ہے
ادا دیکھو کہ پردے میں نگاہیں سب سے لڑتی ہیں   حیا دیکھو محفل میں پردا ہم سے ہوتا ہے
یہاں تک کہ خاک اڑائی ہے جنوں میں ہم نے اے بیخود   کہ اب جاتے ہیں تو روپوش صحرا ہم سے ہوتا ہے

نہ گلا تم سے نہ شکوہ فلک پیر سے ہے   مجھ کو جو رنج و شکایت ہے وہ تقدیر سے ہے

تم مجھے ناوکِ مژگان سے ڈراتے کیا ہو   جانتا ہوں کہ مری موت اسی تیر سے ہے

آپ کو چاہنے والوں کی ضرورت نہ رہی   خوش رہیں آپ یہاں بھی وہ طبیعت نہ رہی
حشر کے دن تری رفتار جو یاد آئی مجھے   پھر قیامت مری نظروں میں قیامت نہ رہی
دشمنوں کو بھی ہے اب ان سے جفا کا شکوہ   مری قسمت سے کسی بات میں لذت نہ رہی
اتنے بدنام ہوئے عشق بتان میں بیخود   منہ دکھانے کی خدا کو کوئی صورت نہ رہی

کیا ہوگئے اب جلوۂ دیدار کے طالب   بے پردہ کسی کو سر محشر کوئی دیکھے
برسوں یہ کسی شوخ کی آنکھوں میں رہا ہے   اے کاش ہمارا دل مضطر کوئی دیکھے
کیا حشر کیا ہے نگہ شرم نے برپا   اتنا تو ذرا آنکھ اٹھا کر کوئی دیکھے
جینے کے مزے وصل میں جیکر کوئی لوٹے   مرنے کے مزے ہجر میں مرکر کوئی دیکھے
اس آنکھ کے پھرتے ہیں پھرا مجھ سے زمانے   بیخود مری تقدیر کا چکر کوئی دیکھے

جفا کیا کر نہیں سکتے ہیں ہم لیکن نہیں کرتے   ولا کیا کر نہیں سکتے ہم لیکن نہیں کرتے
شفا کیا ہو نہیں سکتی ہمیں لیکن نہیں ہوتی   دوا کیا کر نہیں سکتے ہیں ہم لیکن نہیں کرتے

کہتے ہو ہمارا رخ انور کوئی دیکھے   یہ بھی تو بتا دو اسے کیوں کر کوئی دیکھے

انتخاب دیوان
ظہیر شاگرد ذوق

ہستی کی اسیری سے غضب ناک میں دم تھا　　جب دام سے چھوٹے تو نہ غم تھا نہ الم تھا
کیں بند ادھر سے تو ادھر کھل گئیں آنکھیں　　جو پردہ اٹھا چشم سے جلباب حرم تھا
حیرت نے عجب ہرزہ خرامی سے بچایا　　بے ہودہ سر کشمکش دیر و حرم تھا
تھا روز ولادت مرا ہنگامہ ماتم　　مجھ کو تری دوری کا اسی روز سے غم تھا
میں اور ظہیر اس کی طرف دست مناجات　　اس عجز کے قابل نہ مرا روئے دژم تھا

تعلق اور تعلق خاطر بیداد ساماں کا　　شہید تیغ احساں ہوں نوازشہائے پنہاں کا

مری وحشت میں شوخی ہے مزاج لاابالی کی — مری خاطر میں عالم ہے تری زلف پریشاں کا
بڑھے دست دعا جتنا یہ کافر دور کھنچتا ہے — فلک بھی کوئی گوشہ ہے تمھارے دور داماں کا
لب جاں بخش پر جھوٹے مسیحائی کے دعوے ہیں — کہ تم پر دم نکلتا ہے مریض درد ہجراں کا
مرے ماتم کدہ میں نور و ظلمت سب برابر ہے — سویدائے شب غم ہے سپیدہ صبح ہجراں کا
ہمارے ساتھ کیا وحشت بھی ناصح قید ہوتی ہے — رکا ہے بند و زنداں سے کہیں سودا بیاباں کا
اگر منظور ہے ناصح جنون کی چارہ فرمائی — ہمارے پیرہن میں ٹانک دے دامن بیاباں کا
انھیں اغیار کو اپنی وفاداری جتانی تھی — وگرنہ پوچھنا کیا تھا مریض درد ہجراں کا
ظہیر خستہ و آفت رسیدہ بس غنیمت ہے — چراغ صبح گاہی ہے کسی بزم سخنداں کا

غضب رحمت سے دل توڑا ہے واعظ میکساروں کا — ستمگر صبر تیری جان پر امیدواروں کا
گرے گا خود فلک جان عدو پر برق بن بن کر — پڑے گا صبر آخر تو کہیں ہم بیقراروں کا
ملی ہیں خاک میں کیا کیا مرے دل کی تمنائیں — زمین شعر دیتی ہے نشان کچھ کچھ مزاروں کا
ستم دیکھو کہ دل لے کر مکرنا اور یہ کہنا — تمھیں کیوں اعتبار آنے لگا بے اعتباروں کا
تکلف ہر طرف اے میکشاں محفل رنگیں — ظہیر مردہ دل بھی تھا کبھی کہیں تو یاروں کا

رہتا تو ہے اس بزم میں چرچا مرے دل کا — اچھا ہے یہ اچھا ہو نہ سودا مرے دل کا
ہے جوش قلق معرکہ آرا مرے دل کا — ہنگامہ ہے دل پر مرے برپا مرے دل کا
ہے سیر نگاہ ہوں میں شبستاں عدو کی — کیا مجھ سے چھپاتے ہو تماشا مرے دل کا
اک مشغلہ ٹھہری ہے تمھیں رنجش بیجا — اک کھیل ہوا تم کو ستانا مرے دل کا
بے خود ہوں تصور میں کسی برق ادا کے — سرمایۂ تسکین ہے تڑپنا مرے دل کا
برباد نہ جائے گی ظہیر اپنی مصیبت — آخر تو کہیں صبر پڑے گا مرے دل کا

نہ فکر کچھ چاک آستین کا نہ وہم کچھ زلف عنبریں کا حجاب اک چشم شرگیں کا جواب ہے نہیں نہیں کا
کہاں ہیں آنکھوں میں اشک خونیں تمام دامن ہوا جو رنگیں دھرے ہیں اس نے کف نگاریں یہ رنگ ہے دست نازنیں کا
ادا ادا میں جو گرمیاں ہیں یہ حسن دلکش کی خوبیاں ہیں جو طبع نازک میں شوخیاں ہیں اثر ہے رخسار آتشیں کا

رندان بادہ کش کو بلانا ضرور تھا واعظ اگر بیان شراب طہور تھا
آئینہ دیکھتے ہی تحیر میں آگئے اتنی سی کائنات پہ اتنا غرور تھا
محفل فروزیاں تھیں غضب بزم غیر میں کوئی تو دل کی آگ میں جلتا ضرور تھا

غوغائے پند گو نہ رہا نوحہ گر رہا ہنگامہ اک نہ اک مرے بالیں پر رہا
اعجاز دلفریبی انداز دیکھنا ہر ہر ادا پہ مجھ کو گمان نظر رہا
قاصد بھی کوئی صبر دل نا شکیب تھا آتے ہی آتے راہ میں کمبخت مر رہا
بے رمز عشق سے مجھے وحشت فزوں ہوئی میں کچھ دوا سے اور بھی رنجور تر رہا
ہے پائے ہرزۂ ناز میں کیا گردش نصیب دو دن نہ چین سے سرشوریدہ سر رہا
اُٹھ اُٹھ کے ساتھ ساتھ مرے تھک کے رہ گیا میں کچھ تپش میں درد سے بیتاب تر رہا

عدو جو شایان ظلم ہوتے تو لطف درد والم نہ ہوتا مزے محبت کے کون لیتا جو میں قتیل ستم نہ ہوتا
یہ کہیے اپنا ہی جی نہ چاہا وگرنہ رقیب کیا تھا کہ آپ آتے تو اڑ کے آتے زمیں پہ نقش قدم نہ ہوتا
غلط ہے یہ شورش قیامت سوا ہے دوزخ سے سوز لف وگرنہ جان حزیں پہ اپنا کبھی عذاب الم نہ ہوتا
تنگ اتنے ہیں زندگی سے کہ مانگے غیر گر خوشی سے تو سر کے دینے میں عذر ہم کو تمہارے سر کی قسم نہ ہوتا
ظہیر ملتی نہ راہ ایمان جو کفر کرتا نہ رہنمائی لبوں پہ یاد خدا نہ ہوتی جو درد ہجر صنم نہ ہوتا

ہر ایک زخم پہ ہے قصد لوٹ جانے کا   کہ فکر ہے مجھے قاتل کے دل بڑھانے کا
برنگ غنچۂ تصویر باغ ہستی میں   ہوا نہ حکم کبھی ہم کو لب ہلانے کا
وہ بے نصیب ازل ہوں کہ بجلیاں ٹوٹیں   جو منہ سے نام لیا آشیاں بنانے کا
کسی کے ناز و نزاکت پہ مر مٹے ہم تو   دل و دماغ کہاں اب ستم اٹھانے کا
قرار وصل پہ ایفائے وعدہ تو معلوم   بہا نہ اور ہوا ان کو منہ چھپانے کا
بھلا ظہیر کو کیا بزم وعظ سے نسبت   وہ ایک رند ہے بگڑا ہوا زمانے کا

سخت دشوار ہے پہلو میں بچانا دل کا   کچھ نگاہوں سے برستا ہے چرانا دل کا
ہائے دل اور دل زار کے ہم سے برتاؤ   اور پھر تم سے دل آزار پہ آنا دل کا
شمع سے زینت پہلو ہے نہ پروانے سے   تم کو منظور ہے ہر طرح جلانا دل کا
ناصحو زلف کے الجھاؤ برے ہوتے ہیں   کچھ ہنسی کھیل سمجھتے ہو چھڑانا دل کا
قہر ڈھائے ترے اظہار تمنا نے ظہیر   حال کہتا ہے کسی سے کوئی دانا دل کا

نہیں شرمندۂ یکبار بھی دامن اپنا   سر خجالت سے فرو ہے تہ گردن اپنا
ہم وہ حرمان زدۂ دشت طلب ہیں کہ مدام   اپنی شمشیر سے پے کرتے ہیں توسن اپنا
سر پہ احسان رہا بے سروسامانی کا   خار صحرا سے نہ الجھا کبھی دامن اپنا
آستیں کا ہے بدن پر نہ گریباں کا لگاؤ   اب تو خس پوش قفس ہے قفس تن اپنا
اے ظہیر آہ چلیں سوئے درخان حمید   وہی ملجا ہے ہمارا وہی مامن اپنا

رنگ جمنے نہ دیا بات کو چلنے نہ دیا   کوئی پہلو مرے مطلب کا نکلنے نہ دیا

صبر تجھ پر مری وحشت کا پڑے گا ناصح　　پاؤں بڑھنے نہ دیا ہاتھ کو چلنے نہ دیا
دل بیتاب پہ کیوں دست حنائی رکھا　　ہاتھ دو ہاتھ بھی سینے میں اچھلنے نہ دیا
شکوے کیا کیا تھے مرے دل میں مگر خیر ہوئی　　تلخ کامی نے مجھے زہر اگلنے نہ دیا
چاہتے تھے کہ لکھیں کوئی غزل اور ظہیر　　قافیہ ہم کو طبیعت نے بدلنے نہ دیا
شوق نے دل سے تصور کو نکلنے نہ دیا　　گھر سے مہمان کو مہمان نے ٹلنے نہ دیا
بزم دشمن میں مجھے زیر نظر کیوں رکھا　　کوئی ارمان نہ تھا میں کہ نکلنے نہ دیا
زور تم پر نہ چلا کچھ تو تمھارے بدلے　　ہم نے گھر سے شب ہجراں کو نکلنے نہ دیا
سرگیں چشم نے مارا مجھے کس لطف کے ساتھ　　حرف تک بھی تو مرے منہ سے نکلنے نہ دیا
طرز مومن سے نہ آگاہ تھے جب تک کہ ظہیر　　سچ تو یہ ہے کہ کبھی رنگ غزل نے نہ دیا

کچھ شکوے گلے ہوتے کچھ طیش سوا ہوتا　　قسمت میں نہ ملنا تھا ملتے بھی تو کیا ہوتا
جاتے تو قلق ہوتا آتے تو خفا ہوتے　　ہم جاتے تو کیا ہوتا وہ آتے تو کیا ہوتا
شکووں کا گلہ کیا ہے انصاف تو کر ظالم　　کیا کچھ نہ کیا ہوتا گر تو مری جا ہوتا
گو صلح ٹھہر جاتی سو فتنے اٹھے ہوتے　　اچھا ہے نہ ملنا ہی ملتے تو برا ہوتا
سونچو تو ظہیر آخر وہ جور تو کرتا ہے　　میں اس سے گلہ کرکے محروم جفا ہوتا

عجب ادا سے وہ آشوب روزگار آیا　　کہ خفتگان لحد کو نہ پھر قرار آیا
نفس نفس میں رہی یاس و آرزو خلش　　امید دل سے گئی درد انتظار آیا
بہت ظہیر کو ہم یاد کرکے واں روئے　　کہیں جو ذکر حریفان بادہ خوار آیا

عشق ہے عشق تو اک روز تماشا ہوگا　　آپ جس منہ کو چھپاتے ہیں دکھانا ہوگا
واں بھی کچھ جلوۂ دیدار کی امید نہیں　　وعدۂ حشر نہ کس کس سے تمھارا ہوگا

بزم دشمن میں جا کے دیکھ لیا　　　لے تجھے آزما کے دیکھ لیا
پند ناصح کا اعتبار نہ تھا　　　تم سے دل کو لگا کے دیکھ لیا
کچھ نہیں کچھ نہیں محبت میں　　　خوب جی جلا کے دیکھ لیا
نہ ملے وہ کسی طرح نہ ملے　　　غیر کو بھی ملا کے دیکھ لیا
کیا ملا نالۂ و فغاں سے ظہیر　　　حشر سر پہ اٹھا کے دیکھ لیا

گل افشانی کے دم بھرتی ہے چشم خونفشاں کیا کیا　　　ہمارے زیب دامن ہے بہار گلستاں کیا کیا
کشودِ مطلب عاشق کے ہیں لب پر گماں کیا کیا　　　ادائے خامشی میں بھر دیا رنگ بیاں کیا کیا
فقط اک سادگی پر شوخیوں کے ہیں گماں کیا کیا　　　نگاہ شرمگیں سے ہے نہاں کیا کیا عیاں کیا کیا
دل خون گشتہ حسرت نے کیا کچھ گل کھلائے ہیں　　　بہار آگیں ہے کچھ اب کی برس فصل خزاں کیا کیا
جنون سے کم نہیں ہے کچھ ہجوم شادمانی بھی　　　ہوائے گل میں ہے جامہ سے باہر باغباں کیا کیا
تصور میں وصال یار کے سامان ہوتے ہیں　　　ہمیں بھی یاد ہیں حسرت کی بزم آرائیاں کیا کیا
چلی آتی ہے اترائی ہوئی کچھ کوئے جاناں سے　　　بسی ہے رشک کی بو میں نسیم بوستاں کیا کیا
قدم رکھتے نہیں ہیں وہ زمین پر بے نیازی سے　　　بڑھا جاتا ہے یاں شوق سجود آستاں کیا کیا
ظہیر خستہ جان سچ ہے محبت کچھ بُری شے ہے　　　مجازی میں حقیقی کے ہوئے ہیں امتحاں کیا کیا

شب ان کو ذکر غیر پہ کیا شک گذر گیا　　　نیچی نگاہ ہوگئی چہرہ اتر گیا
اس کوچہ میں ضرور مرا نامہ بر گیا　　　جس جا دعا گئی نہ دعا کا اثر گیا
لڑتے ہو مجھ سے اور نہیں لڑتی نگاہ قہر　　　معلوم ہوگیا مجھے غصہ اتر گیا
آنکھیں سی کھل گئیں ترے جلوؤں کو دیکھ کر　　　گویا نظر سے ایک زمانہ اتر گیا
وہ بدنصیب ہوں کہ دم پرورش ظہیر　　　میرا خیال یاد سے شہ کی اتر گیا

ممتاز نبوت سے ہیں شایان نبوت
اے نور خدا تجھ سے بڑھی شان نبوت
سلطان زمن ختم رسل سرور کونین
گلچین بہار چمنستان نبوت
ہے عالم اجساد سے تابزم گہ قدس
اک روشنی شمع شبستان نبوت
میں کیا ہوں کہ ہے خود چمن آرائے دو عالم
شیدائے قدسرو خرامان نبوت
پڑتی ہے نظر حد ادب سے بھی گذر کر
ہیں دور بہت رتبہ شناسان نبوت
حضرت نے یتیمی میں سہے جور اقارب
بچپن میں مہیا ہوئے سامان نبوت
موقوف رسالت پہ ہے اظہار خدائی
لازم ہوئی وحدت کے لیے شان نبوت
وہ حصر فقط ذات مقدس کے لیے تھے
باقی تھے نبوت میں جو ارکان نبوت
کیا خوف ظہیر آتش دوزخ سے ہے تجھ کو
ہے سر پر ترے سایۂ دامان نبوت

بڑھے کاش نامہربانی کی صورت
کسی طور ہو زندگانی کی صورت
تصور میں بھی کچھ سراسیمگی ہے
رہے دل میں وہ بدگمانی کی صورت

جاتی ہے سوئے در جو نظر بار بار آج
کیونکر کہوں عدو کا نہیں انتظار آج
دیکھی ہے کچھ نہ کچھ تو رقیبوں کی سرکشی
بیٹھے ہیں سر جھکائے ہوئے شرمسار آج
لینا خبر ظہیر کی اے اہل میکدہ
بیٹھا ہے بن کے زاہد شب زندہ دار آج

ہے جلوۂ حق آئینہ روئے محمد
کیوں چشم خدابین نہ اٹھے سوئے محمد
گرنے نہ دیا حورو ملایک نے زمین پر
آنکھوں میں لیا سایہ گیسوئے محمد
دیکھیں گے ترے گلشن فردوس کو رضواں
آئے ہیں مقیمان در کوئے محمد
ہے سلسلۂ صورت آزادی محشر
دل بستگی حلقہ گیسوئے محمد
ایک ایک سے ہوتے ہیں شفاعت کے اشارے
طرار ہے کیا چشم سخن گوئے محمد

اب ہم پہ کھلے معنی ایمائے یداللہ　　ہے دست خدا قوت بازوئے محمد
یا رب ہو وہ دن بھی کہ ظہیر جگر افگار　　آنکھوں سے ملے خاک سرکوئے محمد

طرز نگہ نرگس مستانہ سمجھ کر　　ہم پی گئے شکوے ترے پیمانہ سمجھ کر
ہر سنگ کو سنگ درجاناں نہ سمجھ کر　　سوبار گئے کعبہ کو بتخانہ سمجھ کر

میکشو رحمت باری ہے گنہگاروں پر　　بجلیاں کوندتی ہیں باغ کی دیواروں پر
بدگمان تم بھی مجھی سے ہو تکلف موقوف　　ورنہ تکرار ہو کیوں وصل کے اقراروں پر
دل شکستہ ہیں قفس توڑ کے جائیں کیا خاک　　بجلیاں ٹوٹ پڑیں تازہ گرفتاروں پر
حسن کی گرمئی بازار الٰہی توبہ　　آگ سی آگ برستی ہے خریداروں پر
رشک کی جا ہے ستمگر کہ گوارا ہے تجھے　　ناتوانی کے ستم ہوں ترے بیماروں پر
حوصلے جرم کے کچھ اور بڑھا دیتے ہو　　تم کچھ اس ڈھب سے بگڑتے ہو خطاداروں پر
سر کے بل جادۂ تسلیم کرو قطع ظہیر　　کہ قدم رکھتے ہیں اس راہ میں تلواروں پر

گدگدایا جو انھیں نام کسی کا لے کر　　مسکرانے لگے وہ منہ پہ دوپٹہ لے کر
آج تک کوئی نہ ارمان ہمارا نکلا　　کیا کرے کوئی تمھارا رخ زیبا لے کر
کل اٹھا لے گئے اس بزم سے سنتے ہیں ظہیر　　مفت معتوب ہوئے نام ہمارا لے کر

درد کی طرح نہ رہ رہ کے ستانا ہرگز　　داغ بن بن کے مرے دل میں نہ آنا ہرگز
ہمنشیں قصہ دہلی نہ سنانا ہرگز　　زخم نو داغ کہن پہ نہ لگانا ہرگز
گرد کلفت سے تہ خاک دبے بیٹھے ہیں　　چھیڑ کر ہم کو قیامت نہ اٹھانا ہرگز
ہم تو بھولے ہوئے بیٹھے ہیں کہانی اپنی　　پھر کہیں فتنہ خفتہ نہ جگانا ہرگز

اور ہیں گل کے رجھانے کے ترانے بلبل	سرگزشت دل محزوں نہ سنانا ہرگز
آگ لگ جائے ترے شوق میں اے حب وطن	مجھ کو نقشہ نہ مرے دل کا دکھانا ہرگز
بچ کے اس دامگہ غم سے نکل جاؤ ظہیر	کسی دمباز کے فقروں میں نہ آنا ہرگز

ہم جستجوئے دل میں پھرے دل کے آس پاس	گم کردہ راہ ہیں تری منزل کے آس پاس
بڑھ کر نگاہ ناز سے ہیں کم نگاہیاں	سو حسرتیں شہید ہوئیں دل کے آس پاس
کہتے ہیں اختلاط میں ہنس کر رقیب سے	وہ تنگ خانماں نہ ہو محفل کے آس پاس
شکر خدا ظہیر کہ ہیں جمع اہل فضل	پروانہ وار داور عادل کے آس پاس

فتنہ گر شوخی حیا کب تک	دیکھنا اور نہ دیکھنا کب تک
بتکدہ کچھ درقبول نہیں	یاس ناکامی دعا کب تک
درد اور درد بھی جدائی کا	ایسے بیمار کی دعا کب تک
ایک میں کیا عدد بھی مرتے ہیں	نگہ لطف آشنا کب تک
دل میں جوش حدیث کفر ظہیر	لب پہ شور خدا خدا کب تک

عشق اور عشق شعلہ ور کی آگ	آگ اور الفت بشر کی آگ
جس کو کہتے ہیں برق عالم سوز	ہے وہ کافر تری نظر کی آگ
ہائے رے تیری گرمی رفتار	خاک تک بھی ہے رہگذر کی آگ
لو شب وصل بھی تمام ہوئی	آسمان کو لگی سحر کی آگ
عشق کیا شے ہے حسن ہے کیا چیز	کچھ ادھر کی ہے کچھ ادھر کی آگ
طور سینا بنا دیا دل کو	اف رے کافر تری نظر کی آگ

حق تعالےٰ بچائے اس سے ظہیر　　قہر ہے الفت بشر کی آگ

ہیں تو کیا ہیں اپنے پیراہن میں ہم　　کیا سمائیں دیدۂ دشمن میں ہم
نعش دشمن پر وہ آئے اشکبار　　نغمہ آمیزی کریں شیون میں ہم
دیکھتے ہیں ہم تمھیں تم اور کو　　آئینہ ہیں کیا کف دشمن میں ہم
نقش پائے غیر ہے یاں خضر راہ　　ہیں تلاش جادۂ رہزن میں ہم
کیا بتائیں طرز مومن اے ظہیر　　طاق ہیں لاریب اپنے فن میں ہم

گیسو سے عنبری ہے صبا اور صبا سے ہم　　مہکی ہوئی ہے آج ہوا اور ہوا سے ہم
شوخی سے ایک جا تجھے دم بھر نہیں قرار　　بےچین تجھ سے تیری ادا اور ادا سے ہم
آرائشوں سے کشتن عاشق مراد ہے　　ہوتی ہے پائمال حنا اور حنا سے ہم
ہم سے وصال میں بھی ہوئے وہ نہ بےحجاب　　لپٹی رہی بدن سے ردا اور ردا سے ہم
کس منہ سے ہاتھ اٹھائیں فلک کی طرف ظہیر　　مایوس ہے اثر سے دعا اور دعا سے ہم

تلخ شکوے لب شیریں سے مزہ دیتے ہیں　　گھول کر شہد میں وہ زہر پلا دیتے ہیں
یوں تو ہوتے ہیں محبت میں جنوں کے آثار　　اور کچھ لوگ بھی دیوانہ بنا دیتے ہیں
پردہ اٹھے کہ نہ اٹھے مگر اے پردہ نشیں　　آج ہم رسم تکلف کو اٹھا دیتے ہیں
آتے جاتے نہیں کمبخت پیامی ان تک　　جھوٹے سچے یوں ہی پیغام سنا دیتے ہیں
وائے تقدیر کہ وہ خط مجھے لکھ لکھ کے ظہیر　　میری تقدیر کے لکھے کو مٹا دیتے ہیں

انداز محبت کے جو کچھ پا گئیں آنکھیں　　بے باکئ بےصرفہ سے شرما گئیں آنکھیں

اے دستِ ہوش تو نے بڑے کفر کو توڑا
وہ وصل کے اقرار پہ شرما گئیں آنکھیں

تم پہلوئے دشمن میں رہے اور نہ شرمائے
آنکھوں کی خطا کیا ہے شرما گئیں آنکھیں

کچھ حال ظہیر جگر افگار نہ پوچھو
کمبخت کیا کچھ نہ ستم ڈھا گئیں آنکھیں

پان بن بن کے مری جان کہاں جاتے ہیں
یہ مرے قتل کے سامان کہاں جاتے ہیں

سر اگر جائے تو جائے مگر اے خنجر یار
سر سے اپنے ترے احسان کہاں جاتے ہیں

بعد مرنے کے بھی مٹی میری برباد رہی
مری تقدیر کے نقصان کہاں جاتے ہیں

حال کھلتا نہیں ان خویش فراموشوں کا
روز کے روز یہ مہمان کہاں جاتے ہیں

کس کی آشفتہ مزاجی کا خیال آیا ہے
آپ حیران پریشان کہاں جاتے ہیں

آج کس منہ سے مری دل شکنی ہوتی ہے
آج وہ آپ کے مہمان کہاں جاتے ہیں

اے ظہیر اب یہ کھلا حال بڑی دور ہیں آپ
آپ جاتے ہیں جہاں دھیان کہاں جاتے ہیں

دل میں وہ زینت کاشانہ بنے بیٹھے ہیں
اور اس ربط پہ بیگانہ بنے بیٹھے ہیں

کوئی پوچھے تو سہی ہم سے ہماری روداد
ہم تو خود شوق میں افسانہ بنے بیٹھے ہیں

ہم نشیں ان کے طرفدار بنے بیٹھے ہیں
میرے غمخوار دل آزار بنے بیٹھے ہیں

بات کیا ان سے کروں ان کو اٹھاؤں کیونکر
مدعی بیچ میں دیوار بنے بیٹھے ہیں

ناتوانی نے ادھر پاؤں پکڑ رکھے ہیں
وہ نزاکت سے گرانبار بنے بیٹھے ہیں

کیا بری شے ہے محبت بھی الٰہی توبہ
جرم ناکردہ خطاوار بنے بیٹھے ہیں

بیوفائی کے گلے جن کے ہوئے تھے کل تک
آج دنیا کے وفادار بنے بیٹھے ہیں

وہ ہیں اور غیر ہیں اور عیش کے سامان ظہیر
ہم الگ سب سے گنہگار بنے بیٹھے ہیں

نہیں کیا یہ بھی قدرت انقلاب چشم فتاں کو
کہ صبح وصل سے بدلے ہماری شام ہجراں کو

سر عاجز نوازی بھی تو شان سرفرازی ہے
گھٹا دو بے نیازی کو بڑھا دو دور داماں کو

ہماری بدنصیبی پر بھی حسرت ناز کرتی ہے
نہ ہم سے ساز قسمت کو نہ سر سے ربط ساماں کو

حساب دوستان در دل سمجھ لیجیے تو بہتر ہے
کہ ہم نے دل کے بدلے میں لگا رکھا ہے پیکاں کو

سخن کیا چیز ہے جس کی بدولت یاد کرتے ہیں
ظہیر و مومن و آزردہ و ذوق سخنداں کو

کسی کی آرزو نکلے کسی کا مدعا نکلے
خدنگ ان کی نگاہوں کے عجب کچھ دلکشا نکلے

تمھیں ہم اپنے دل میں پا کے کیا سمجھے تھے کیا نکلے
بہت کچھ بے وفا نکلے بہت نا آشنا نکلے

قیامت پر نہ رکھو فیصلہ دل کا خدا جانے
تمھارے منہ سے کیا نکلے ہمارے منہ سے کیا نکلے

نہ دل میں ایک دم ٹھہرے نہ پہلو میں ذرا بیٹھے
تمھارے تیر تم سے بھی سوا کچھ بے وفا نکلے

ستم پر دم فنا ہے دشمنی پر جان جاتی ہے
برے ہو کر بھی تم تو اک جہاں سے خوشنما نکلے

نیا اک حشر اٹھے گا تمھارے دادخواہوں کا
تمھارے ظلم کے دفتر اگر روز جزا نکلے

زبان خاص اردوے معلی اس کو کہتے ہیں
غضب جادو بیان تم تو ظہیر خوشنوا نکلے

کیا کیا درازی شب غم جان نواز ہے
عاشق کی عمر خضر سے بھی کچھ دراز ہے

اپنے جلوے دل حیران میں فروزاں کیجیے
بحر مواج کو قطرہ میں نمایاں کیجیے

پہلے کچھ شغل صفائی دل حیراں کیجیے
پھر جہاں چاہیے نظارہ جاناں کیجیے

پردہ وہ کیجیے میں آنکھ اٹھا ہی نہ سکوں
مجھ کو یہ لطف سے شرمندۂ احساں کیجیے

گرہ زلف نہیں عقدۂ تقدیر نہیں
ناخن تیغ سے مشکل میری آساں کیجیے

سچ تو یہ ہے کہ نئی بات میں ہے لطف نیا
عہد پھر توڑیے پھر وعدہ و پیماں کیجیے

خون آنکھوں میں نہیں کیا کہ رگ و پے میں نہیں
گل ہوں گلشن میں تو آرایش داماں کیجیے

شدت دستور رحمت حق کی ہے تو کیا باک ظہیر
خوب آلودہ مئے خرقہ و داماں کیجیے

جب آپ اپنے راز کو افشا کرے کوئی
کیوں دوسرے کو خلق میں رسوا کرے کوئی

بیجا ہیں شکوہ ہائے بدآموزیٔ رقیب
کیوں التفات نرگس شہلا کرے کوئی

آسان نہیں ہے شرح تف سوز اشتیاق
پہلے زبان درد تو پیدا کرے کوئی

منظور اس حجاب سے افشائے راز ہے
چھپ چھپ کے یوں کسی کو نہ رسوا کرے کوئی

آخر ملے ہیں ہاتھ کسی کام کے لیے
پھاڑے اگر نہ جیب تو پھر کیا کرے کوئی

واں ایک ہی جواب ہے لاکھوں سوال کا
کس منہ سے عرض حال تمنا کرے کوئی

ہم دل میں ایک جہان تمنا بسائیں گے
ہاں انسداد نرگس شہلا کرے کوئی

انسان کو امتیاز نظر ہو اگر ظہیر
اپنے کو آپ ہی نہ تماشا کرے کوئی

رنگ دل کا جس میں ہو کاشانہ ایسا چاہیے
ٹوٹ کر کعبہ بنے بتخانہ ایسا چاہیے

ہے ترے گیسو سے کچھ آشفتہ تر حال ظہیر
اس اسیری کے لیے دیوانہ ایسا چاہیے

منتہائے شوق امکان بشر سے دور ہے
ہے نظر اپنی وہاں جو دور تر سے دور ہے

بھول جانا عہد و پیمان کا تو کچھ مشکل نہیں
ہاں مگر ایفائے عہد اس بے خبر سے دور ہے

اے عدو بیباک محو خانہ آرائی نہ ہو
کیا بھڑک اٹھنا مرے درد جگر سے دور ہے

ہے مرے گھر پر ابھی سے تیرگی چھائی ہوئی
گو ابھی شام شب ہجراں سحر سے دور ہے

پارسائی اور ظہیر رند مشرب کیا کیا
خیر کی امید رکھنی اس بشر سے دور ہے

خاک میں پیکر ہستی کو ملا کر اٹھے
خوب کوچے کی ترے خاک اڑا کر اٹھے

قلق مرگ عدو ان سے سوا مجھ کو ہے
شمع ساں بزم میں وہ اشک بہا کر اٹھے

منہ چھپانے میں تو ہے شرم و حیا کا پردہ — ہاں مگر دل بھی تنگ تھا کہ چڑا کر اٹھے
گر نہ ہو مونس جان ذوق تصور تیرا — درد کیا کیا نہ مرے دل کو ستا کر اٹھے
آج آئے تھے گھڑی بھر کو ظہیر ناکام — آپ بھی رو کے ہمیں ساتھ رلا کر اٹھے

کوچے میں ترے بیٹھ کے فریاد کریں گے — بدنام تجھے بھی ستم ایجاد کریں گے
دھمکی ہے ڈراوا ہے بناوٹ کی ہیں باتیں — ہم اور خدا سے تری فریاد کریں گے

وہ زود رنج ہے اور کس قدر ہے کیا کہیے — اور اپنا حال دل اک درد سر ہے کیا کہیے
غضب میں آئے تمھارے مزاج داں بن کر — کہ بات بات میں رنجش کا ڈر ہے کیا کہیے
وہ پوچھتے ہیں بہائے متاع حسن اپنی — اگر نہ کہیے کہ جان و جگر ہے کیا کہیے
وفائے وعدہ تری شوخیوں سے دور نہیں — مری زبان بھی کچھ بے اثر ہے کیا کہیے
ظہیر قصۂ زلف بتاں ہے طولانی — زمان عمر بہت مختصر ہے کیا کہیے

تغافل اور دل بیداد گر سے — محبت ٹپکی پڑتی ہے نظر سے
بجھاؤں کیا چراغ صبح گاہی — مرے گھر شام ہوتی ہے سحر سے

وہ جو کچھ کچھ نگہ ملانے لگے — ہم ہر اک سے نظر چرانے لگے
دیکھیے کیا ہو جور کا انجام — وہ مرے حوصلے بڑھانے لگے
یہ وہ کافر ہے عشق خانہ خراب — تم مرے غمکدے میں آنے لگے
کاوشوں میں بھی اب مزا نہ رہا — ہر کسی کو وہ جب ستانے لگے
موت آئی ظہیر کب ہم کو — جب محبت کے لطف آنے لگے

حریم ناز یہ کس شوخ دلستاں کا ہے — حجاب نور جہاں پردہ درمیاں کا ہے
مدینہ وہ کہ دل و چشم اک جہاں کا ہے — حصار روضہ سلطان انس و جاں کا ہے

گنہ سے رحمت حق کی سوا ہے ازانی جہاں سے لو وہیں سودا اسی دکاں کا ہے
نمائشیں ہیں یہ جتنی ازل سے تا بہ ابد غبار قافلہ سالار کا رواں کا ہے
ظہیر میں ہوں شاگرد خسرو لولاک مرا کلام بھی ہم مرتبہ آسماں کا ہے

رنج راحت اثر نہ ہو جائے درد کا دل میں گھر نہ ہو جائے
منہ چھپانا پڑے نہ دشمن سے اے شب غم سحر نہ ہو جائے
کفر منظور ہے مجھے دل سے وہ مسلمان اگر نہ ہو جائے
ہاتھ الجھا رہے گریبان میں چاک دامن ادھر نہ ہو جائے
ہے ظہیر ایک مرد سنجیدہ ہاں جو آشفتہ سر نہ ہو جائے

واں طبیعت دم تقریر بگڑ جاتی ہے بات کی بات میں توقیر بگڑ جاتی ہے
چونک پڑتا ہوں خوشی سے جو وہ آ جاتے ہیں خواب میں خواب کی تعبیر بگڑ جاتی ہے
کچھ وہ پڑھنے میں الجھتے ہیں مرا نامہ شوق کچھ عبارت دم تحریر بگڑ جاتی ہے
چارہ گر کیا مری وحشت سے جنوں بھی ہے تنگ روز مجھ سے مری زنجیر بگڑ جاتی ہے
داغ الفت وہ بری شے ہے کہ کہنے سے ظہیر مہر و مہتاب کی تنویر بگڑ جاتی ہے

سب کچھ ملا ہمیں جو تیرے نقش پا ملے ہادی ملے دلیل ملے رہنما ملے
آئے تو قہر آئے ملے تو خفا ملے ایسے تنک مزاج سے اب کوئی کیا ملے

مہکی ہوئی کسی کے جو عطر قبا میں ہے کچھ آج بوئے رشک بھی شامل ہوا میں ہے
کچھ کم نہیں ادائے تغافل عتاب سے شوخی میں کب ہے وہ جو قیامت حیا میں ہے

یہ کیسی شوخیاں ہونے لگیں ہر بار دامن سے کہ منہ کو ڈھانک لیتے ہو دم گفتار دامن سے
الجھ کر تو نے دست شوق کیوں گستاخ دستی کی وہ کافر اور بھی رہنے لگا ہشیار دامن سے

چھپاتے بات کو ہو مجھ سے یا تم آپ چھپتے ہو — یہ کیوں ہونے لگے پردے دم اقرار دامن سے
یہ شوخی ہے کہ تمکین ہے الٰہی کیا قیامت ہے — الجھتے ہیں دم رفتار سو سو بار دامن سے
اولجھ کر خار دامن سے مرے کیا کیا پشیماں ہیں — کہ اب دامن چھوڑنا ہو گیا دشوار دامن سے
بہار جامۂ گلگوں نہ مانوں گا نہ مانوں گا — یہ پونچھے ہیں کسی نے دیدہ خونبار دامن سے
شب وصل اس ستمگر نے نیا پردہ نکالا ہے — کہ پیش چشم کھینچی ہے مری دیوار دامن سے
ظہیر اب سر پہ اس کے دامن دولت کا سایہ ہے — کہ وابستہ ہیں جس کے کافر و دیندار دامن سے

بے وجہ بے سبب جو وہ رنجیدہ ہو گئے — معلوم دل کے عقدہ پیچیدہ ہو گئے
کھودی رہی سہی دل خانہ خراب نے — وہ کیا کھنچے ہم اور بھی گرویدہ ہو گئے
کہتے تھے یوں کہیں گے مگر ان کے سامنے — سب محو فقرہ ہائے تراشیدہ ہو گئے
دشمن کا تذکرہ تھا بڑی بات تو نہ تھی — تم تو ذرا سی بات میں رنجیدہ ہو گئے
ہے کل کی بات رند خرابات تھے ظہیر — حضرت کہاں کے عاقل و سنجیدہ ہو گئے

شرکت گناہ میں بھی رہی کچھ ثواب کی — توبہ کے ساتھ توڑیے بوتل شراب کی

ایسے کی محبت کو محبت نہ کہیں گے — اس عام عنایت کو عنایت نہ کہیں گے
کہیے تو کہوں انجمن غیر کو روداد — کیا اب بھی اسے آپ کرامت نہ کہیں گے
سمجھیں گے نہ اغیار کو اغیار کہاں تک — کب تک وہ محبت کو محبت نہ کہیں گے
جب عربدہ جو تم ہو تو کیوں صبر سمیٹیں — ہم اس میں رقیبوں کی شرارت نہ کہیں گے
ہے یاد ظہیر ان کا شب وصل بگڑنا — وہ تلخی دشنام کی لذت نہ کہیں گے

انتخاب دیوان

ظہیر حصہ دوئم

ادا ہو شکر کیا بندے سے تیری رہنمائی کا — چراغ راہ ہے جو داغ ہے دل میں جدائی کا
امیدیں سب کو یکساں ہیں تری نکتہ نوازی سے — غلط ہے سچ ہے باطل ہے دعویٰ پارسائی کا

سخت مشکل ہے طلبگار کو پانا تیرا — جستجو سے کہیں ملتا ہے ٹھکانا تیرا
تجھ کو دیکھا بھی مگر آہ نہ دیکھا تجھ کو — تجھ کو جانا بھی مگر راز نہ جانا تیرا
خوش نصیبوں پہ ترے لطف و کرم ہوتے ہیں — عین راحت ہے محبت میں ستانا تیرا
دل بڑھاتی ہے حسینوں کا نئی چاہ ظہیر — کیا سنے کوئی کہ قصہ ہے پرانا تیرا

خوب وہ دن تھے کہ کچھ جان کو آزار نہ تھا — تم سے اخلاص نہ تھا رنج نہ تھا پیار نہ تھا
تم نے چھیڑا ہے تو ناچار زبان تک آیا — آشنا شکوے سے اب تک لب اظہار نہ تھا
تھا مرے حال سے دانستہ تجاہل اس کو — یہ بھی ایک باخبری تھی کہ خبردار نہ تھا
کیا سمجھ کر مجھے محفل سے اٹھایا تم نے — فتنۂ حشر نہ تھا فتنۂ رفتار نہ تھا
امتحان روز مصیبت یہ ہوا خوب ظہیر — کہ غم دل کے سوا کوئی بھی غمخوار نہ تھا

تم نے بڑھا چڑھا کے نظر سے گرا دیا — دنیا کا اک نظر میں تماشا دکھا دیا
درپردہ شوق وصل جو اس کو جتا دیا — ظالم نے مسکرا کے انگوٹھا دکھا دیا
سرمایہ زندگی کا محبت میں کھو چکے — جو کچھ تھا اپنے پاس ٹھکانے لگا دیا
کیا خوب خط کا یاد ہوائی دیا جواب — کاغذ کے پرزے کرکے ہوا میں اڑا دیا
نواب نامدار کو دو تم دعا ظہیر — اچھی جگہ پر رزق خدا نے لگا دیا

جن دنوں طغیانیوں پر دیدۂ نمناک تھا — عالم ایجاد یکمشت کف خاشاک تھا
رخصت ان کی وصل کی شب حشر سے کچھ کم نہ تھی — میں تو میں غم سے گریباں سحر تک چاک تھا
حیف اس صید زبوں پر جو سسکتا رہ گیا — رحم اس نخچیر پر جو بستہ فتراک تھا
مسکرا کر بزم میں تم کیوں ہوئے رسوائے خلق — میری بربادی کو کافی دیدۂ نمناک تھا
کل ظہیر خستہ کو دیکھا تھا باحال عجیب — چشم گریاں سینہ کوباں جیب و داماں چاک تھا

تنہا وہ فتنہ گر نہ کبھی عمر بھر ملا — تقدیر سے ملا بھی تو دشمن کے گھر ملا
پشتارۂ گناہ ہے پشت خمیدہ پر — دنیا سے آخرت کا یہ زاد سفر ملا
ہاں نا کا دے جواب بلا ہو جو صاف صاف — باتیں نہ دل سے جوڑ کے پیغامبر ملا

میں کینہ سے بھی خوش ہوں کہ تجھ کو لگاؤ ہے　　دل میں جگہ ملی تری آنکھوں میں گھر ملا
تو اور اس خرابہ میں شامت تری ظہیر　　مرد خدا ادھر تو نظر سے نظر ملا

لاتقنطو پہ حصر ہے ہر تیرہ کار کا　　کیا پوچھتا ہے رحمت پرور دگار کا
میں دل میں سوچتا ہوں کہ میں جا کے کیا کہوں　　تم کو تو فکر کچھ نہیں روز شمار کا
اپنا سا جانتے ہیں وہ اہل جہاں کا حال　　شوخی رکھا ہے نام مرے اضطرار کا
وعدہ کا آپ کے نہ قسم کا ہے اعتبار　　رنجش کا آپ کی نہ بھروسہ ہے پیار کا
نظارگی کو چشم تماشا کہاں ظہیر　　الجھا ہے خارخار سے دامن بہار کا

تیری شوخی دشمن شرم و حیا تھی میں نہ تھا　　پردہ دار سے خود نما تیری ادا تھی میں نہ تھا
آبرو رکھ لی خدا نے حشر میں اچھا ہوا　　دادخواہوں میں ترے خلق خدا تھی میں نہ تھا
وہ جوانی کی ترنگیں کیا قیامت تھیں ظہیر　　ان دنوں کچھ اور ہی میری ہوا تھی میں نہ تھا

بیالی سے وہ کہتے ہیں کہ ایسا ہو نہیں سکتا　　میں ان کے واسطے دنیا میں رسوا ہو نہیں سکتا
وہ آجائیں گے خود مجھ تک ذرا کھینچ کر تو دیکھ اے دل　　ارے کمبخت تجھ سے صبر اتنا ہو نہیں سکتا
خدا جب مہربان ہوگا تو تم بھی مہربان ہوگے　　کہ بے حکم خدا کوئی کسی کا ہو نہیں سکتا
برا ہوتا ہے وقت بد خدا ہرگز نہ دکھلائے　　عدو تو غیر ہے اپنا بھی اپنا ہو نہیں سکتا
ظہیر اس کج ادا کا بل نکلنا غیر ممکن ہے　　کجی ہے جس کی طینت میں وہ سیدھا ہو نہیں سکتا

دل کو ہو جاتی ہے کچھ دل کی خبر آپ سے آپ　　بول اٹھتی ہے محبت کی نظر آپ سے آپ

حریف راز ہیں اے بے خبر در و دیوار　　کہ گوش رکھتے ہیں سب سربسر در و دیوار

نوید مقدم فصل بہار سن سن کر — اڑیں گے شوق میں بے بال و پر در و دیوار
شب فراق میں گھر مجھ کو کاٹنے کھاتا ہے — بنا ہے اک سگ دیوانہ ہر در و دیوار
تمھارے غم نے وہ صورت مری بنائی ہے — کہ رو رہے ہیں مرے حال پر در و دیوار
ہجوم رنج و قلق میں ظہیر کیا کہیے — نہیں ہیں مونس خلوت مگر در و دیوار

ملنے کا نہیں رزق مقدر سے سوا اور — کیا گھر میں خدا اور ہے غربت میں خدا اور
تم سامنے آتے ہو تو چھپتے ہو سوا اور — پردے کی حیا اور ہے آنکھوں کی حیا اور
کچھ آگ لگائے گا نئی شعلۂ رخسار — کچھ رنگ دکھائے گا ترا رنگ حنا اور
انسان وہ کیا جس کو نہ ہو پاس زباں کا — یہ کوئی طریقہ ہے کہا اور کیا اور
آپہنچے ہیں منزل کی نواحی میں ظہیر اب — ہاں پائے طلب ہار یو ہمت نہ ذرا اور

دے حشر کے وعدے پہ اسے کون بھلا قرض — تم لے کے نہ دیتے ہو کسی کا نہ دیا قرض
ہے دل میں اگر اس کی محبت کا ارادہ — لے لیجیے دشمن کے لیے ہم سے وفا قرض
عاشق کے ستانے میں دریغ ان کو نہ ہوگا — موجود ہیں لینے کو جو مل جائے جفا قرض
اس ہاتھ سے دو قول تو اس ہاتھ سے لو دل — دیتا ہے کوئی حشر کے وعدے پر بھلا قرض
مانا کہ جفاؤں کی تلافی ہیں وفائیں — ہوگا نہ ظہیر ان کی اداوں کا ادا کا قرض

گل ہوا یہ کس کی ہستی کا چراغ — مدعی کے گھر جلا گھی کا چراغ
خیر سے رہتا ہے روشن نام نیک — حشر تک جلتا ہے نیکی کا چراغ
وہ حقیقت ہے دل افسردہ کی — ٹمٹمائے جیسے سردی کا چراغ
ہم سے روشن ہے تمھاری بزم یوں — ناگوارا جیسے گرمی کا چراغ
ہو قناعت تجھ کو تو بس ہے ظہیر — خانہ آرائی کو دمڑی کا چراغ

پھولے ہیں بزم شاہ میں باغ سخن کے پھول
چلے نگاہ شوق سے اس انجمن کے پھول

رہتے ہیں کیوں دریدہ گریبان چمن کے پھول
ہیں داد خواہ کیا کسی گل پیرہن کے پھول

دنیا سے لے چلے ہیں جو تھوڑے سے داغ دل
حوروں کو ہم دکھائیں گے اپنے چمن کے پھول

غافل فریب گلشن ہستی نہ کھائیو
اس گل کدے کے پھول ہیں سب مکروفن کے پھول

عاشق کے دل سے پوچھیے ان چٹکیوں کے لطف
کیا گل کھلا رہے ہیں تمھارے دہن کے پھول

ہائے اس شوخ کا انداز سے آنا شب وصل
اور رہ رہ کے وہ احسان جتانا شب وصل

ضد کو جانے دو خدا کے لیے مانو کہنا
ظلم ہے قہر ہے حجت کا بڑھانا شب وصل

حاصل اس ذکر تغافل سے گزشت انچہ گذشت
فائدہ فتنہ خفتہ کو جگانا شب وصل

کہتے ہیں وہ کہ دغاباز فریبی مکار
پھر اسی طرح ہمیں گھر سے بلانا شب وصل

وعدۂ وصل نئی شرط سے ہوتا ہے ظہیر
بھول کر بھی نہ ہمیں ہاتھ لگانا شب وصل

جم گئے در پہ ترے صورت دیوار قدم
ایسے سوئے ہیں کہ ہوتے نہیں بیدار قدم

شوخیاں دیتی ہیں گلگشت کی ترغیب خرام
شرم کہتی ہے نہ رکھنا کبھی زنہار قدم

وہ نہ گردش سے نہ یہ جامہ دری سے قاصر
ہاتھ بے صرفہ نہ وحشت میں نہ بیکار قدم

دو گھڑی گورغریباں پہ بھی ہوتے جاؤ
تھام لے گا نہ کوئی کشتہ رفتار قدم

ہم ترے کوچے سے یوں آئے ہیں گرتے پڑتے
جس طرح گھر سے اٹھائے کوئی بیمار قدم

مفت آ کر ترے کوچے میں گنہگار ہوئے
یہ سمجھتے تو نہ رکھتے کبھی زنہار قدم

محفل وعظ سے میخانہ بھی ہے پاس ظہیر
اور تکلیف قدم رنجہ سبھی چار قدم

ناخوش نہ دشمنی سے نہ خوش دوستی سے ہم
تم دشمنی سے خوش ہو تمھاری خوشی سے ہم

جاتے ہو تم جو روٹھ کے جاتے ہیں جی سے ہم
تم کیا خفا ہو خود ہیں خفا زندگی سے ہم
تم وعدۂ وصال تو ایفا کرو کبھی
مرجائیں گے خدا کی قسم خود خوشی سے ہم
یہ جانتے تو شکوے نہ کرتے رقیب کے
کہتے ہیں تیری ضد سے ملیں گے اسی سے ہم
مجرم ہے کون دونوں میں انصاف کیجیے
چھپ چھپ کے آپ ملتے ہیں یا مدعی سے ہم

برے دن جبکہ آتے تو شامت بن کے آتے ہیں
محبت بن کے آتے ہیں طبیعت بن کے آتے ہیں
کچھ ایسے کھوئے جاتے ہیں کہ اک اک منہ کو تکتا ہے
ہم ان کی بزم سے تصویر حیرت بن کے آتے ہیں
یہی شرم و حیا ہے جو بدل جاتی ہے شوخی سے
یہی انداز ہیں جو ناز و نخوت بن کے آتے ہیں
یہ دو حرف تمنا ہیں سمجھ لو جس طرح چاہو
حکایت بن کے آتے ہیں شکایت بن کے آتے ہیں
وہ آتے ہیں تو آئیں اے ظہیر اتنا مگر کہہ دیں
مقدر بن کے آتے ہیں کہ قسمت بن کے آتے ہیں

محبت سے جو قول ہارے ہوئے ہیں
وہ کمبخت عاشق تمھارے ہوئے ہیں
نہ بیٹھے ہیں نچلے نہ بیٹھیں گے دشمن
یہ موذی تمھارے ابھارے ہوئے ہیں

وہ کس پیار سے کوسنے دے رہے ہیں
بلائیں عداوت کی ہم لے رہے ہیں
پڑے ہیں وہ عشرت کدے آج ویران
جہاں یار لوگوں کے جلسے رہے ہیں
بُرے اور اچھوں کے ہیں ذکر باقی
بُرے ہی رہے ہیں نہ اچھے رہے ہیں
پیامی سے کہتے ہیں کس نے کہا تھا
وہ کیوں رات بھر یوں تڑپتے رہے ہیں
ظہیر آہ دن زندگانی کے اپنے
بہت جا چکے اور تھوڑے رہے ہیں

کھلی چشم حقیقت میں آج رونے کی رویت میں
مجازی سے نہ ابھرے تھے کہ جا ڈوبے حقیقت میں
یہاں دیکھوں وہاں دیکھوں اسے دیکھوں اُسے دیکھوں
تمھاری خود نمائی نے مجھے ڈالا ہے حیرت میں

غضب ہے سادگی آفت یہ شرمیلی نگاہیں ہیں   خدا ہی جانے کیا کیا قہر ہیں اس بھولی صورت میں

الٰہی خیر ہو بے طرح وہ بن ٹھن کے بیٹھے ہیں   نگاہیں کہہ رہی ہیں منتظر دشمن کے بیٹھے ہیں
بگڑ کر وہ جو کہتے ہیں وہی کہنا ہمارا   جہاں میں بیچنے والے بہت جوبن کے بیٹھے ہیں

کوئی مول لے تو بکا چاہتا ہوں   میں صاحب سے بندہ ہوا چاہتا ہوں

اٹھائے وہ گل رعنا اگر ایک بار چٹکی میں   گل تصویر بن جائے گل بے خار چٹکی میں
شکست وعدہ و پیماں ہنسی ہے کھیل ہے گویا   اڑا دیتے ہیں اگلے پچھلے سب اقرار چٹکی میں
ظہیر اشعار کا بھی لطف کھویا ضعف پیری نے   قلم تھمتا نہیں وقت رقم زنہار چٹکی میں

حرف مطلب انھیں پہلو میں بٹھالوں تو کہوں   جذبۂ شوق کی تاثیر دکھا لوں تو کہوں
عرض احوال کی بنتی نہیں کوئی تقریب   سامنے غیر کے کچھ بات بنالوں تو کہوں
کیا کہوں شرح تپ سوز غم ہجر ظہیر   ان کی تصویر کو چھاتی سے لگالوں تو کہوں

وہ سب کو یونہیں بے وفا جانتا ہے   زمانے کو اپنا ہی سا جانتا ہے
کچھ ایسی تو دشمن میں خوبی نہیں ہے   مگر تو خدا جانے کیا جانتا ہے
خدا کے لیے کچھ نہ کہنا پیامی   برے دل کا وہ مدعا جانتا ہے
یہ منہ سے تو کہتا ہوں چھوڑی محبت   مگر حال دل کا خدا جانتا ہے

سب ظلمت اندوہ مرے دل کے لیے ہے   لیلائے شب غم اسی مجنوں کے لیے ہے

ناقوس برہمن ہو کہ لبیک حرم ہو   جو شور ہے اس فتنہ شمایل کے لیے ہے
حاصل نہیں کچھ اور تو وعدوں سے تمھارے   ایک گونہ تشفی تپش دل کے لیے ہے
رہنے دو مجھے بھی نہ سہی مجھ سے سروکار   اک گرمیٔ ہنگامہ تو محفل کے لیے ہے
مطلب ہے ظہیر اپنا تو سلطاں کی ثنا سے   انعام و کرم خسرو و بادل کے لیے ہے

لو پھر گئے اقرار و وفا کرکے ابھی سے   کہتے ہیں کہ ہم نے کہا تھا یہ ہنسی سے
ہوتے ہیں گلے شکوے رقیبوں کے مجھی سے   اور اس پہ یہ طرّہ ہے کہ کہنا نہ کسی سے
کہتے ہیں کہ ملنے کو ملیں ہم تو خوشی سے   وسواس گزرتے ہیں تری برتری سے
تم چٹکیاں لیتے ہو جو ہنس ہنس کے جگر میں   اس کاوش در پردہ کو پوچھو مرے جی سے
بیزار ہے دنیا سے ظہیر جگر افگار   کیا کام ہے کمبخت کو راحت طلبی سے

انتخاب دیوان

انور دہلوی شاگرد ذوق

دونوں عالم سے جدا کار محمد دیکھا　　فکر کو قاصر کردار محمد دیکھا
یہ وہی نور ہے موسیٰ پہ رہا جو مستور　　اے تماشائی دیدار محمد دیکھا
صدقے اس آنکھ کے اس شوق کے قربان انور　　کہ تصور ہی میں دیدار محمد دیکھا

طور پر عرش پہ دیدار محمد دیکھا　　جابجا جلوہ انوار محمد دیکھا
وہ بھی اک رنگ کہ موسیٰ سے چھپایا طور　　یہ بھی اک جلوہ کہ دیدار محمد دیکھا
رنگ پر ہے شب معراج چمن بندئ اُنس　　عالم قدس پر گلزار محمد دیکھا
آپ جو کرتے ہیں اللہ وہی کرتا ہے　　عقل کو حیرتیٔ کار محمد دیکھا
جو دقیقہ کہ کسی پر نہ کھلے گا نہ کھلا　　آشنائے لب اظہار محمد دیکھا
دوست کا بار شفاعت بھی اٹھاتے ہو نبی　　حق کو لذت کش تکرار محمد دیکھا

جلوۂ حق ہے محمد میں نمایاں انور　　چار سو جلوہ دیدار محمد دیکھا

تیری صورت کو دیکھا اور آنکھیں کھل گئیں کیا کیا　　نظر یا جمال معنی حسن آفریں کیا کیا
وہاں مستی کے عالم میں بھی ایک رنگ مدادا ہے　　جھکی جاتی ہے پیش غیر چشم شرگیں کیا کیا
بڑھائی اس نے قدر کم نگاہی کس قدر یا رب　　کہ اس کی ترک خود بینی پہ ہوتا ہے یقیں کیا کیا
نمود حشر ہے موقوف اس کی چال پر شاید　　کہ دل کی شورشیں اٹھ اٹھ کر دل میں رہ گئیں کیا کیا
نظر ملتے ہی وہ کچھ ہوگیا جو کچھ کہ ہونا تھا　　پشیماں ہو رہا ہے دیدۂ انجام میں کیا کیا
کیا غماز اپنا ہم نے پیدا ہاتھ سے اپنے　　زباں بن کر کہے دیتا ہے چاک آستیں کیا کیا
جفا سے وہ خجل ہیں کون اب جاتا ہے محشر تک　　ہمارا فیصلہ بس ہوگیا انور یہیں کیا کیا

نہاں سینہ میں راز غم ہے اور پیدا نہیں کیا کیا　　کہے دیتی ہے دل کی صورت اندوگیں کیا کیا
وہ آشوب تجلی جلوہ آرائے نمایش ہے　　مرے پاؤں تلے کی نکلی جاتی ہے زمیں کیا کیا
مقابل اپنے جلوہ کے نظر آتا نہیں کچھ بھی　　ہماری حسرتیں ان کی نظر میں چھا گئیں کیا کیا
مجھے اس کی نگاہ مصلحت اندیش نے مارا　　لڑیں آنکھیں عدو سے مجھ سے مل کر جھک گئیں کیا کیا
یہ کافر ماجرائے طاعت اصنام میں انور　　ہوئے تھے حق سے آخر عہد و پیماں متیں کیا کیا

یہ حسن اور اس سے پیدا غمزہ سحر آفریں کیا کیا　　شکستہ ہوگیا پیاں ارباب یقین کیا کیا
دو چار اس چشم سے ہوتے ہی اک چپ لگ گئی گویا　　خدا جانے نگاہیں چپکے چپکے کہہ گئیں کیا کیا
ادھر شوخی اٹھاتی ہے ادھر تمکین بٹھاتی ہے　　کشاکش میں ہے اپنے ہاتھ سے وہ نازنین کیا کیا
رہے امروز فردا مشق ضبط شکوہ اچھا ہے　　ہوگی پرسش روداد روز آخریں کیا کیا
مجال دم زدن ہے وقت ناوک خوردگی مشکل　　ہوئی ہے دل میں اپنے خون صدائے آفریں کیا کیا
مذاق مدعی ہے تلخ وکام دوست ہے شیریں　　سخن میں بھر دیا انور نے زہر و انگبین کیا کیا

ہوا جو پیوند میں زمین کا طفیل ہے فہم دوربین کا　　اشارہ اس چشم شرگیں کا شریک ہے جذب ماء طین کا

ہوا ہے بے ڈھب ہی ماجرا کچھ عذر پھیکے ہیں ان کے کیا کچھ نصیب دشمن مگر ہوا کچھ اثر نہیں لب میں انگبین کا
وصال بے سوز ہو رہا ہے پیام کچھ روز ہو رہا ہے عدو بد آموز ہو رہا ہے حرف سیکھا نہیں نہیں کا

نہ ہو جو امکان میں وہ ہوا ہے تحیر آنکھوں میں چھا گیا ہے جو پردہ اس نے اٹھا دیا ہے حجاب ہے روئے شرمگین کا
وہ ناتوانی سے بے نشان ہوں کہ لاکھ ڈھونڈھو مگر کہاں ہوں یہ دیکھنے میں جو کچھ عیاں ہوں طلسم ہے جیب و آستین کا
ابھی ہے کچھ رسم و راہ باقی کہ دل میں ہے اشک و آہ باقی رہی ہے کچھ کچھ جو چاہ باقی تو وار اوچھا ہے تیغ کین کا
اگرچہ اٹھنے نہ پشت و پا سے نہ جائے ہرچند اپنی جا سے ملا ہے لیکن ہزار ہا سے اشارہ اس چشم شرمگین کا
جو ہاتھ آئے وسیلہ انور عروج پستی میں ہو مقرر کہ اس کے کوچے کی خاک ہو کر دماغ ہے عرش پر زمین کا

بسمل ناز رہا کشتہ رفتار رہا زندگی بھر مجھے مرنے سے سروکار رہا
طور تو برق تجلی سے ہوا خاکستر اور میں سوختہ حسرت دیدار رہا
بس کہ دل میں رہی اک کشمکش یاس و امید درد جو دل میں رہا جان سے بیزار رہا
پی بھی جا شیخ کہ ساقی کی عنایت ہے شراب میں ترے بدلے قیامت میں گنہگار رہا
گرچہ کیا کچھ تھے مگر آپ کو کچھ بھی نہ گنا عشق برہم زن کا نشانہ پندار رہا
تم نے یوں گھر میں تو کیا کچھ تھے اٹھائے فتنے اک قیامت کا اٹھانا سر بازار رہا
ہائے وہ چشم کہ دیکھے تجھے سرگرم ادا وائے وہ دل کہ ترا محرم اسرار رہا
کچھ خبر ہوتی تو میں اپنی خبر کیوں رکھتا یہ بھی اک بے خبری تھی کہ خبردار رہا
تھک کے بیٹھے ہو در صومعہ پر کیا انور دو قدم اور کہ یہ خانۂ خمار رہا

خدنگ نگہ دل کشا ہو گیا ستم قابل مرحبا ہو گیا

شب کو بغل میں تھا بھی تو وہ دلستاں نہ تھا شوخی یہ کہہ رہی تھی کہ یہاں تھا وہاں نہ تھا
بے وجہ منہ چھپانے سے جو تھا نہاں نہ تھا پر خیر تھی کچھ اس میں کہ میں بدگماں نہ تھا
کیسی حیا کہاں کی وفا پاس خلق کیا ہاں یہ سہی کہ آپ کو آنا یہاں نہ تھا

کچھ اپنے دل کے ولولے کچھ زاہدوں کی ضد — سر پھوڑنے کو ورنہ وہی آستاں نہ تھا
حسن جہاں فروز سے جس جا نہ تھا وہ بت — میں بے نشانیوں سے جہاں تھا وہاں نہ تھا
آنا یہ ان کا صبح کو میری اجل کے ساتھ — یعنی کہ نالۂ شب غم رایگاں نہ تھا
بے مہریوں نہ ہو کہ یہ خوش ہو کے میں کہوں — شاید کہ تو رقیب پہ بھی مہرباں نہ تھا
انور نے بدلے جان کے لی جنس درد دل — اور اس پہ ناز یہ کہ یہ سودا گراں نہ تھا

شور ہے غل ہے جہاں میں مردن دشوار کا — ایک چلتا وار ہے تیغ نگاہ یار کا
نالہ میرے لب پہ آتا ہے جو سو سو ناز سے — کوئی پر تولے اڑا شاید تری رفتار کا
ہاتھ سنبھالا رکھیو اے مشاطۂ جادو طراز — اک جہاں دل ہے بستہ طرۂ طرار کا
ہوں تو دیوانہ و لے ہشیاری مطلب تو دیکھ — سر بھی پھوڑا ڈھونڈ کر پتھر تری دیوار کا
ایک جلوہ پر چمک اٹھتی ہے سب اقلیم عشق — کون عالم ہے ہمارے دیدۂ بیدار کا
ناخن شمشیر قاتل کو دعا دیتے ہیں ہم — عقدہ کھولا خوب انور مُردن دشوار کا

یہاں تو کبھی جگر کو کبھی دل کو دیکھنا — ہے وہ کس اضطراب میں قاتل کو دیکھنا
کیا جانے کیا سوال ہے اس خون گرفتہ کا — کس طرح دیکھتے ہیں وہ سائل کو دیکھنا
اللہ رے فرط شوق اسیری کہ شوق میں — پھیروں اٹھا اٹھا کے سلاسل کو دیکھنا
تو اور عدو سے گرمیٔ ہنگامہ ہائے ہائے — میں اور یاس سے تری محفل کو دیکھنا
انور یہ ایک قہر ہے اس خود پسند کا — یوں آئینہ میں عکس مقابل کو دیکھنا

حد سے گزر گیا ہے قلق انتظار کا — کھلتا ہے آج پردہ ترے پردہ دار کا
کیا جانے کس کے دم سے ہے آباد میکدہ — ساقی وظیفہ بند کر بادہ خوار کا
سونچے تو اب سے بات نہ پوچھے رقیب کی — تیرا ہی تو گلا ہے گلا روزگار کا
انور نہ بیٹھ یوں غم عصیاں میں بند بند — دروازہ وا ہے رحمت پروردگار کا

چمن میں قصد ہوا بھی جو ان کو آنے کا تو غنچہ آپ میں پھولا نہیں سمانے کا
ادھر یہ شوق کہ اک غم کی داستان کہیے ادھر یہ ضد کہ نہیں حکم لب ہلانے کا
تمھارے آنے کے وعدہ پہ کون جاتا ہے یہاں خیال نہیں خواب میں بھی آنے کا
ہوا بھی دیں گے نہ ہم دل کی بھول کر تم کو مآل سوچ گئے ہیں نظر چرانے کا
خدا بٹھائے کسی کو نہ پاس انور کے یہی ایک رندہ رہے بگڑا شراب خانے کا

گریہ بے تاثیر و فریاد دل مضطر خراب کار عشق و عاشقی ناقص تمام اکثر خراب
اک ہمارا نام جو پہنچے نہ تیری بزم تک اک ہماری خاک ہے جو پھرتی ہے دردر خراب
میرے دل میں ایک دم آتے نہیں مثل مراد ہو گئے اغیار کی آنکھوں میں تم رہ کر خراب
تم کسی وعدہ سے پھر جاؤ کہ ہو جاؤں تمام ہو اگر پھرنے میں میرے حلق پر خنجر خراب
یوں خرابات مغاں بھی ہے خراب روزگار لیکن اس سے بھی ہے کچھ تیرا دل انور خراب

دل سینہ میں ہے معرکہ آرائے قیامت آئینہ ہے ہنگامۂ صحرائے قیامت
کس ڈھب سے چلے آتے ہیں وہ ہائے قیامت کہہ دو کسی گوشے میں سرک جائے قیامت
قامت ہی لکھا ہم نے سدا جائے قیامت قامت نے بھلایا ترے املائے قیامت
آئے بھی تو ہمراہ عدو ہائے قیامت اک اور بھی ساتھ اپنے لگا لائے قیامت

نظر آئے کیا مجھ سے فانی کی صورت کہ پنہاں ہوں درد نہانی کی صورت
تم اور ذکر اغیار پر چپ رہو گے کہے دیتی ہے بے دہانی کی صورت
وہ دل رونمائی میں لیتے ہیں پہلے دکھاتے ہیں جب جانستانی کی صورت
نظر بن کے پھرتی ہے آنکھوں میں اپنی کسی عالم تو جوانی کی صورت
جو نقش فنا ہوں تو وہ دل پہ انور کھنچی اور ایک بدگمانی کی صورت

مر مٹے ہم تو یہ رمز دل ستانی دیکھ کر مسکرا کر دیکھنا آنکھیں جھکانی دیکھ کر

قہر جب اٹھتا نہیں تو بار احساں کیا اُٹھے   لطف بھی کیجیے تو میری ناتوانی دیکھ کر
رنگ یک رنگی میں چھا گیا اچھا ہوا   شاد ہوں مژگان کو وقت خونفشانی دیکھ کر
ہوں ازل سے بسکہ میں پروردۂ آغوش غم   خواب میں ڈرتا ہوں روئے شادمانی دیکھ کر
قطع سر سے دم نہ نکلا اف رے حیرت کا ہجوم   رک گیا دم اس کے خنجر کی روانی دیکھ کر
مانتا ہوں اس نزاکت کو کہ استعجاب سے   آ گیا غش اس کو میری ناتوانی دیکھ کر
ہم سراپا ہو گئے نظارہ فرط شوق سے   اس بت خود بین کو صرف لن ترانی دیکھ کر
سر پہ عالم کا اٹھانا ضعف میں یہاں فرض ہے   اس نزاکت پر تمھاری سرگرانی دیکھ کر
ان کے تیر دلنشیں کو دل سمجھتا ہی نہ تھا   ظلم وہ کرتے ہیں میری قدردانی دیکھ کر
انوار اس مہمان عالم کی طلب میں خوار ہوں   ہر جگہ اک رسم و طرز میزبانی دیکھ کر

ان سے ہم لو لگائے بیٹھے ہیں   آگ دل میں دبائے بیٹھے ہیں
وہ جو گردن جھکائے بیٹھے ہیں   حشر کیا کیا اٹھائے بیٹھے ہیں
ہم نہیں آپ میں خوشی سے کہ وہ   گھر میں مہمان آئے بیٹھے ہیں
حسن نظارہ سوز ہے پردہ   گو وہ پردہ اٹھائے بیٹھے ہیں
اس کے عارض سے روکشی کیسی   گل پہ ہم خار کھائے بیٹھے ہیں
شرم بھی اک طرح کی چوری ہے   وہ بدن کو چرائے بیٹھے ہیں
اس کے در سے لگا کے مقتل تک   جان فدا جائے بیٹھے ہیں
ہے یہ روشن کہ ہے حجاب میں چاند   آپ کیا منہ چھپائے بیٹھے ہیں
کیا سکھائے گا ان کو ظلم فلک   خود وہ سیکھے سکھائے بیٹھے ہیں
ہے جہاں اس سے فیضیاب انور   جس کے در پر ہم آئے بیٹھے ہیں

محفل میں تم کو آنکھ چرانی روا نہیں   دل کو خدا نخواستہ میں پوچھتا نہیں
دیوانگی کے پردے میں رکھا ہے چاک دل   اپنا کسی پہ راز محبت کھلا نہیں
بدلا یہ ہے کہ کوئی درد دل پسند   عذر جفا تلافی جور و جفا نہیں

قاصد تو نامہ لیتے اک برق بن گیا مضمون اضطراب تو کچھ لکھ دیا نہیں
اک آس تو ہے وعدے پہ انور بندھی ہوئی گو جان بلب ہوں پر ابھی مرنا روا نہیں

یہ مستیوں کا رنگ ہے جوشِ شباب میں گویا کہ وہ نہائے ہوئے ہیں شراب میں
لائے ہیں مرے قتل پہ تم کو کشاں کشاں گستاخ ہیں رقیب تمہاری جناب میں
تعبیر ہے کہ مضطر یا نہ جیون سدا لعل نمک فشاں ترے دیکھے ہیں خواب میں

کیا کہیے ذوق سعی میں ہوں گامزن کہاں ہوں میں جہاں وہاں سرِ سایا فگن کہاں
دل ہے تو ساتھ دل کے ہے سامان صد شکست جاتی ہے یاد زلف شکن در شکن کہاں
کچھ اس سے فرط شوق ستم کا گلا نہیں ہے آپ میں وہ دلبر بیداد فن کہاں
دلچسپ لب ہیں بات سے معذور کیوں نہ ہوں جائے تو اس کے لب سے نکل کر سخن کہاں
انور شکایت ستم یار خیر ہے سوچیں تو دل میں آپ کہ پہنچا سخن کہاں

بیداد دوست ہوں مجھے تاب سخن کہاں دم ہے تو ہو مگر نفس دم زدن کہاں
حسرت میں صید ہونے کے ہوں ایک سے ہزار جائے گا مجھ سے بچ کے وہ ناوک فگن کہاں
جرم اس لیے کیا کہ سُنیں اس کے منہ سے کچھ ہم تو زبان دراز ہیں پرواں سخن کہاں
شیریں کے بدلے تلخی جان کھچ کے آ گئی پہنچا ہے زور جذب دل کوہکن کہاں
مجبور چند بیٹھے ہیں اک بت کے سامنے واقع میں انجمن ہے تری انجمن کہاں
مستانہ ایک ایک پہ گرتی ہے دیکھ لو جاتی ہے آپ سے نگہ سحر فن کہاں
کہتا ہے اپنی اپنی ہر اک درد ناشناس یا رب ہے ایک جلوۂ بیخود فگن کہاں
راہ وفا پہ آئے وہ بھی نہیں قبول پرخار ہے طریق وہ گل پرہن کہاں
انور ایک آفتاب قیامت سے خوف تھا جائے گا سایۂ علم پنجتن کہاں

ہاں جو بھولے سے ہے اک بار تو سو بار نہیں لفظ اقرار مگر داخل گفتار نہیں
وہ عیادت کو گئے ہیں جو عدو ہے بیمار ہم ہیں اس فکر میں بیمار کہ بیمار نہیں

تیغ وہاں ہاتھ میں ہے دل میں غم پرسش حشر — میں خطاوار سہی گرچہ خطاوار نہیں
لے ہی بیٹھے گا کبھی گریہ گستاخ اپنا — ہے فلک کچھ ترے کاشانے کی دیوار نہیں

محبت ہو تو برق جسم و جان ہو — وہ آتش کیا کہ سینے میں نہاں ہو
رکا جاتا ہے دم سینے میں کیا کیا — گلے پرکاش خنجر ہی رواں ہو
زلیخا پر نہ ہو کیوں نازش عشق — کہ جب یوسف متاع کارواں ہو
تم اور خلوت میں آئینہ سے کیا کام — کوئی دیکھے تو کیا کچھ بدگماں ہو
خمار مئے کا پردہ ہے وگرنہ — حقیقت میں مجھی سے گراں ہو
یہ تھوڑا ہے کہ جو چپ چپ ہے انور — خدا ناکردہ جو گرم فغاں ہو

ہوگئی آتش بیانی قہر مجھ دلگیر کو — کان رکھ کر وہ نہیں سنتے مری تقریر کو
گر فلک سے ہم بگڑ بیٹھیں تو کیجے کیا بنے — تم تو آخر جانتے ہو نالہ شبگیر کو
وہم یہ گذرا کہ صورت آشنا ہوگا جہاں — ہم نے اک عالم میں جب دیکھا تری تصویر کو
ہم سے کیوں دامن بچائے ہو کہ حفظ وضع سے — پہلے ہی یہاں توڑ بیٹھے دست دامنگیر کو
پند واعظ پر نہ پوچھ انور کہ کس کس فکر میں — دیکھتا ہوں دم بہ دم دست گریباں گیر کو

اب نہ شرمائے کوئی عذر جفا سے مجھ کو — کچھ تو کہنا ہے کسی روز خدا سے مجھ کو
دھیان یہ ہے کہ محبت کی نباہوں رسمیں — آگہی ہے نہ جفا سے نہ وفا سے مجھ کو
ان کی مٹی میں مگر آب بقا ساری ہے — زندگی مل گئی خاک شہدا سے مجھ کو
میں گنہ کرکے گنہگار تمہارا ٹھہرا — نسبت خاص لگی ہاتھ خطا سے مجھے کو
شوق کامل سے نکل آئی جدا راہ وصول — کچھ تعلق نہ رہا راہ نما سے مجھ کو

کرتے ہیں زندگی شب غم میں قضا کے ساتھ — پاس رضائے یار ہے حکم خدا کے ساتھ
گویا کہ سب غلط ہیں مری بدگمانیاں — دیکھے تو کوئی شکل تمہاری حیا کے ساتھ
اے جان زار کچھ تو رہے پاس ہمدمی — لب تک تو آ وصال صنم کی دعا کے ساتھ

دل کا عجیب حال ہے امید وصل میں　　اک دلکشا خوشی ہے غم جانگزا کے ساتھ
پرسش سیاہ کاری انور کی ہی وہاں　　ہوگی شب فراق بھی روز جزا کے ساتھ

کیونکر بٹھائے دل رشک آشنا کے ساتھ　　مرتا ہے ایک ایک قتیل ادا کے ساتھ
ہر ہر قدم پر بیٹھتا آتا ہے راہ میں　　لایا ہوں کس کی بزم سے دل کو لگا کے ساتھ
ہیں نقش دل میں غیر کی جادو بیانیاں　　باتوں میں لے گیا انہیں گھر تک لگا کے ساتھ
بیٹھو نہ آکے بزم میں بے شرم و بے حجاب　　مجھ کو اٹھا دو پردہ شرم و حیا کے ساتھ
کم التفاتیوں کا سبب کچھ نہیں مگر　　بڑھتے ہیں ان کے ناز مری التجا کے ساتھ
ہنس ہنس کے قتل کرتے ہیں عاشق کو بے گناہ　　ہے لطف بے محل ستم ناروا کے ساتھ
ترک حجاب کرتے ہیں کیا کیا خوشی خوشی　　مطلب جو غیر کا ہے مرے مدعا کے ساتھ
شرمائے اور عدو کے نہ پہلو سے اٹھ سکے　　تمکین نے اور حشر اٹھایا حیا کے ساتھ
دیوانگی کی حد بھی ہے اب کی بہار میں　　بڑھتا جنوں ہے جنبش موج صبا کے ساتھ
انور وہ قتل کرتے ہیں دیتا ہوں میں دعا　　اک ربط بھی ہے اپنے وفا کو جفا کے ساتھ

شوخی نگہ کے ساتھ تغافل جفا کے ساتھ　　عشاق پر ہجوم بلا ہے بلا کے ساتھ
تیرے ستم سے مجھ کو ملا منصب کلیم　　اک وجہ گفتگو نکل آئی خدا کے ساتھ
یا رب غلط ہو فہم کج اندیش کا گماں　　کچھ کہہ رہا ہے ان سے عدو التجا کے ساتھ
کیوں شوق میں گرایئے ساتھ اپنے شان عشق　　اغماض بھی ضرور ہے کچھ التجا کے ساتھ
ہم عالم خیال میں کچھ بھی نہ خوش ہوئے　　ہے رشک غیر یا دلب جانفزا کے ساتھ
آتا ہے بوئے دوست میں کافر بسا ہوا　　قاصد بھی اک رقیب ہے اپنا صبا کے ساتھ
کیا ڈھونڈھتے ہو دہر میں انور جمال دوست　　چندے پھرو چلو کسی مرد خدا کے ساتھ

ان کے یاں آنے کی حکمت ہی سہی　　اپنے مرجانے کی شہرت ہی سہی

کچھ تو مل جائے لب شیریں سے — زہر کھانے کی اجازت ہی سہی
مجھ کو اور بادہ کشی سے نسبت — مگر ایک شیخ سے حجت ہی سہی
دل میں بیاں آکے نکلنا کیا — اے وہ ارمان شہادت ہی سہی
ایسے مجبور کیوں ہوئے اے انور — جان کھودینے کی قدرت ہی سہی

ہے بھی اور پھر نظر نہیں آتی — دھیان میں وہ کمر نہیں آتی
تیرے کشتوں کا روز حشر حساب — غیرت او فتنہ گر نہیں آتی
مختصر حال درد دل یہ ہے — موت اے چارہ گر نہیں آتی
نیند کا کام گرچہ آنا ہے — میری آنکھوں میں پر نہیں آتی
بے طرح پڑتی ہے نظر ان کی — خیر دل کی نظر نہیں آتی
جان دینی تو ہم کو آتی ہے — دل کو تسکین اگر نہیں آتی
ان کا آنا تو ایک آنا ہے — موت بھی وقت پر نہیں آتی
انور اس شب کی دیکھ لو تاخیر — صبح ہوتی نظر نہیں آتی

ماجرا دار ورسن کا خلق میں مشہور ہے — اب کس کی تقلید خوش گفتاری منصور ہے
اور کیا ہوگی شہیدان محبت کی دیت — بس تڑپنا لوٹنا مقبول ہے منظور ہے
کوہ و وادی پر نہیں کچھ منحصر طالب شرط ہے — ہر قدم پر دشت ایمن ہر قدم پر طور ہے
ایک تجلی سی ادا ہے آپ کی دونوں طرف — وہ حکایت حضرت یوسف کی جو مشہور ہے
لوٹنا کیا ہمنوایان سفر کی یاد کا — خیر ہے انور یہ کچھ دتی نہیں جے پور ہے

کیا نمود لذت دردجگر منظور ہے — جو حریص عشق ہے دلشاد ہے مسرور ہے
یوں دکھاتا ہے تماشا وہ امید ویاس کا — میرے دل کے پاس ہے میری نظر سے دور ہے
مجھ سے اور بے طاقتی کی پرسشیں کچھ بات ہے — جانتے ہو تم کہ جو حال دل رنجور ہے
ہو فنا پر منحصر دیدار اور جیتا رہے — واقعی عاشق مگر ناچار ہے مجبور ہے

طور پر غش ہیں تو دم دیتے ہیں شمع دیر پر　　عاشقوں کو کب سر تمیز نار و نور ہے
مصلحت ہے کچھ کہ کچھ کھلتے نہیں ارباب ذوق　　ورنہ اس حلقہ میں اک اک اہل دل منصور ہے
اس مقام لاتعین پر وصول انور کہاں　　آ کے منزل پر جہاں سنیے کہ وتی دور ہے

وہ جس کو بلاتے ہیں پھر آنے نہیں دیتے　　منہ دیکھنے والوں کو دکھانے نہیں دیتے
وہ حُسن کے انوار وہ انوار کے اظہار　　کچھ بات ہے ایسی کہ چھپانے نہیں دیتے
کہتے ہیں سدا سوز محبت کے فسانے　　اس آگ کو سینے میں دبانے نہیں دیتے
انجام کی ہے فکر تو ناکام جہاں ہوں　　یاروں مجھے تم ربط بڑھانے نہیں دیتے
بیزار ہیں اور پھر مجھے آنکھوں سے گرا کر　　ہر جا سر تسلیم جھکانے نہیں دیتے
حسن نظر افروز کے یہ حسن یہ دعوے　　عاشق کو کبھی پاس بٹھانے نہیں دیتے
عشاق ہیں اور داغ تمنا مگر انور　　کچھ یاد وہ اپنی سی بھلانے نہیں دیتے

نہ میں سمجھا نہ آپ آئے کہیں سے　　پسینہ پوچھیے اپنی جبیں سے
چلی آتی ہے ہونٹوں پر شکایت　　ندامت ٹپکی پڑتی ہے جبیں سے
کہاں کی دل لگی کیسی محبت　　مجھے اک لاگ ہے جان حزیں سے
ادھر لاؤ ذرا دست حنائی　　پکڑ دیں چور دل کا ہم یہیں سے
برنگ بو نکلتے ہیں کرشمے　　تمھاری نرگس سحر آفریں سے
وہاں عاشق کشی ہے عین ایماں　　انھیں کیا بحث انور کفر و دیں سے

کیا بچ کے مرے دل سے تیرا تیر نظر جائے　　وہ جائے جدھر سایہ صفت یہ بھی ادھر جائے
ہو کچھ تو علاج تف خورشید قیامت　　محشر میں کوئی جائے تو با دیدہ تر جائے
جاں بخشی ہے گفتار تو لب چشمۂ حیواں　　پھر کہیے کہ ان پر کوئی کس بات پر مر جائے

تدبیر، کو حوالۂ تقدیر کر چکے　　ہم بے زباں بھی یار سے تقریر کر چکے

مرتا ہوں یوں کہ بستہ فتراک کیوں نہیں　　میں ہوں وہی کہ تم جسے نخچیر کر چکے
کہیے کہ شان عشق میں کیا ہوگئی کمی　　گو آپ خوب سی مری تحقیر کر چکے
دل ہے یہاں دو نیم قصور تپش معاف　　تم بھی نگاہ بزم کو شمشیر کر چکے
صورت چھپائے کسی صورت پرست سے　　ہم دل میں نقش آپ کی تصویر کر چکے

مجھ کو پوچھا غیر کے ارشاد سے　　داد بھی ملتی ہے تو بیداد سے
داد خواہی اپنی ہے اس پر ستم　　کچھ وہ چپ چپ ہیں میری فریاد سے
تم پر جو گذرا عدو کے عشق میں　　ایک فقرہ ہے مری روداد سے
اک نہیں مٹتا تو دل سے رشک غیر　　ورنہ کیا کیا کچھ بھلایا یاد سے
دل میں کیوں کھٹکا رہائی کا رہے　　مول لے لیجیے قفس صیاد سے
مر گیا وہ رہگوار یار میں　　حشر جو اٹھا مری فریاد سے
انور اس کا انس ہرجا ساتھ ہے　　ہم کہاں جائیں جہان آباد سے

مجھ کو حیرت میں مرا راہنما کرتی ہے　　کچھ ہوں اور کچھ نگہ ہوش رہا کرتی ہے
غیر کی ہم سخنی مرگ ہے اور مرگ مراد　　بات اس کی مرے مطلب کو ادا کرتی ہے
تیری صورت بھی تصور میں ہے مجھ سے بے چین　　کبھی دل میں کبھی آنکھ میں نہیں رہا کرتی ہے
ہاتھ ہردم سوے جیب اٹھتے ہیں اور جیب نہیں　　تنگ کیا کیا مجھے تحریک صبا کرتی ہے
صبر کر ہجر میں انور کہ ہر اک عاشق پر　　ہوتی آئی ہے کہ بیداد ہوا کرتی ہے

پردہ رُخ وفا سے اٹھایا نہ جائے گا　　داغ اس نے جو دیا ہے دکھایا نہ جائے گا
وہ دل میں آگئے بھی تو فرط سرور سے　　آنکھوں میں اپنے آپ سمایا نہ جائے گا
اس وقت ہم کہیں گے تمھیں جان ناز کی　　جب دست ظلم تم سے اٹھایا نہ جائے گا
یاں دل جفا پسند سہی پر نہ اس قدر　　نازو وصال غیر اٹھایا نہ جائے گا
انور لکھو اک اور بھی اس بحر میں غزل　　اور یوں تو زور طبع دکھایا نہ جائے گا

انتخاب دیوان
مذاق بدایونی شاگرد ذوق

ہر رنگ میں ہے وہ چمن آرائے مدینہ
ہر گل میں ہے بوئے گل زیبائے مدینہ

پردوں میں حیا کے اسے خالق نے چھپایا
کس طرح نہ عشاق سے شرمائے مدینہ

ہر دیدہ میں وہ اور سواد مدنی ہے
ہر دل میں نمایاں ہے سویدائے مدینہ

ہم خاک نشینوں کی وہ شب ہے شب معراج
جس رات میں ہم دیکھ لیں بیدائے مدینہ

سب ہے جنون خاک میں اس دشت کی مل جائیں
مل جائے جو دیوانوں کو صحرائے مدینہ

یاں حُسن کی شہرت ہے تو واں عشق کا چرچا
تم ہند میں مشہور میں رسوائے مدینہ

یاد اپنی غلامی میں کبھی کیجیے صاحب
کیا بھول گئے بندہ کو مولائے مدینہ

ہیں تازہ مضامین مذاق اپنی غزل میں
بہتر ہیں سبھی یوں تو غزلہائے مدینہ

زبان پر آہ رہی لب سے لب کبھو نہ ملا
تری طلب تو ملی کیا ہوا جو تو نہ ملا

بدل کے روپ ملا وضع عامیانہ میں
لباس خاص پہن کر وہ خوبرو نہ ملا

وہ آرزو سے ملا جب کچھ آرزو نہ رہی — نہ جب تلک گئی ملنے کی آرزو نہ ملا
پیالہ روبرو آئے تو اشک خون نہ بہا — شراب ناب میں اے چشم ترا لہو نہ ملا
سنا دے ساقیِ دوراں کو نالہائے مذاق — پھر خاک میں مستوں کی ہائے وہو نہ ملا

کھڑکی سے اس صنم کا مکھڑا نظر پڑا — طاق حرم سے جلوہ خدا کا نظر پڑا
مات آسمان کی سیر ہے پردوں میں آنکھ کے — آنکھیں کھلیں تو طرفہ تماشا نظر پڑا
دیکھا ہے آنکھ نے ترا جی چاہے پوچھ دیکھ — اے دل میں کیا کہوں مجھے کیا کیا نظر پڑا
نسان ان کو دیکھ رکے کیونکہ آنکھ سے — حور و پری کو جن کا نہ سایا نظر پڑا
میں مست ہوں مذاق مے انتظار سے — ساقی نہ مے نہ جام نہ مینا نظر پڑا

کوئی سبب نہ ترے منزل در کا نکلا — خضر بھی نابلد اس راہ گزر کا نکلا
ہائے سودائے رخ وزلف کی آوارا گیاں — گھر پہ میں شام کو جاتا ہوں سحر کا نکلا
جس کو ہم جانتے تھے جو ہر جان دل میں مذاق — وہ تو ٹکڑا کسی پیکان نظر کا نکلا

پڑا ہوں زیر قدم خاک رہ گزر بن کر — جھکا ہوں میں ہمہ تن اس گلی میں سر بن کر
نکل گیا مری آنکھوں سے مثل خواب وخیال — گذر گیا دل روشن سے وہ نظر بن کر
کتاب وخط ہی کے دھوکے میں رہ گئے اغیار — وہ یار آپ ہی آیا پیام بر بن کر
کسی کی تیغ نگہ نے مٹا دیے دھبے — ہمارے داغ جگر کٹ گئے سپر بن کر
مذاق ساقی کوثر مجھے سنبھالیں گے — نشے میں بگڑی طبیعت مری اگر بن کر

دیپک کو جو تو گائے تو ہے خام خیالی — خود شعلۂ آتش ہے تری ناز کی آواز
مرجائے ہے سن کر کوئی جی جائے ہے سن کر — اس شوخ کی ہے کچھ عجب اعجاز کی آواز

تھا ذکر مرا جانیے کیا اس کے مکان میں
دروازے تک آئی نہ درانداز کی آواز
اس خاک کے پتلے میں خود آئی بخدا روح
سنتے ہیں مذاق اس بت طناز کی آواز

دلا نہیں یہ مئے سرخ فام شیشے میں
بھرا ہے شیشہ جاں کا قوام شیشے میں
جو دوں شراب کو آب حیات سے تشبیہ
تو اتریں خضر علیہ السلام شیشے میں
خیال دل میں ہے ساقی کی چشم میگوں کا
شراب جام میں ہے اور جام شیشے میں
شگاف دل میں بھرا مرہم مئے انگور
کیا ہے کیا ہی کرامت کا کام شیشے میں
میں خرق عادت پیر مغاں کا قائل ہوں
کہ بعد خرق کیا التیام شیشے میں
کھلا جو بزم میں مینا تو چاندنی چھٹکی
یہ دخت رز ہے کہ ماہ تمام شیشے میں
مذاق ملتی ہے ان روزوں وقت شام شراب
رکھے ہے دختر رز کو صیام شیشے میں

خواب میں دکھلائیں انھیں ایسی پیاری انکھڑیاں
رہ گئیں دل لے کے جی کو بیقراری انکھڑیاں
سبزی و سرخی سیاہی سے ہے پھولا اک چمن
اس گل رعنا کی ہیں فصل بہاری انکھڑیاں
مستیاں مدھوشیاں بیماریاں خون ریزیاں
دیکھیے کیا کیا دکھاتی ہیں تمھاری انکھڑیاں
خاک میں مل جائیں مارے شرم کے نرگس کے پھول
سرنگوں دیکھیں جو اس گل کی خماری انکھڑیاں
چشمہائے خلد سے کیا کام مستوں کو مذاق
ساقی کوثر کی دیکھیں گے خماری انکھڑیاں

آنکھوں میں جو آئیں دل دلگیر سے آنسو
پی جاؤں چرا کر کسی تدبیر سے آنسو
جس طرح کہ مینہ برسے ہے تاثیر ہوا سے
برسے ہیں مری آہ کی تاثیر سے آنسو
کچھ خیر مذاق اب نظر آتی نہیں دل کی
آتا ہے مری آنکھوں میں تاخیر سے آنسو

واعظ بتوں کے آگے نہ فرقان نکالیے　　صورت سے ان کی معنی قرآن نکالیے
ہے دل میں مدعا کہ عوض جان نکالیے　　جی کھوئیے پہ جی کا نہ ارمان نکالیے
اس دل میں ایسے تیر ہیں کتنے ہی بے نشان　　آپ اپنا دیکھ بھال کے پیکاں نکالیے
ہے جی میں رکھیے آہ کے شعلہ پہ لخت دل　　پریوں کے سر پہ تخت سلیمان نکالیے
زخم اور آئے لیک مری جان خلش نجائے　　دل چیریے جگر سے نہ پیکاں نکالیے
دکھلائیے نہ کاوش پیکاں کا انتظار　　نشتر سے جلد دیدۂ حیراں نکالیے
رہیے مذاق حشر کے میدان میں سرخ رو　　مضمون روئے شاہ شہیداں نکالیے

کلی گلنار کی یا آگ کا اک لال لوکا ہے　　لباس سرخ سے وہ رشک گل شعلہ بھبوکا ہے
نشہ میں بیخودی کے کرتا ہے باتیں خدائی کی　　مذاق مست کو کچھ ہوش من کا ہے نہ تو کا ہے

مر کر بھی چھوٹتی نہیں اکثر لگی ہوئی　　ہوتی بہت بری ہے مقرر لگی ہوئی
اس شعلہ رو کو لاگ ہے ہر دل سے کیا مجھے　　ہے سب گھروں میں آگ برابر لگی ہوئی
دل کی خبر جو آتی ہے ہر دم زباں پر　　رہتی ہے دم کی ڈاک برابر لگی ہوئی
سوز دروں نے پھونک دیا جسم و جان و دل　　اک آگ ہے کلیجہ کے اندر لگی ہوئی
بھولے ہیں ذوق مئے سے مذاق اپنی جان تو کیا　　دل سے ہے یاد ساقی کوثر لگی ہوئی

انتخاب دیوان
میرزا مائل دہلوی

جب سے سنا ہے غلغلہ عفوالہ کا — ہے عرش پر دماغ ہمارے گناہ کا
اک زلزلہ ہے دل سے لگا لامکاں تلک — کرنے لگا ہے ضبط مرا کام آہ کا
مائل تو در پہ کعبے کے ہوگا پڑا ہوا — کیا کام میکدے میں ہے اس رو سیاہ کا

قہر ہے اضطراب بسمل کا — وار خالی دیا ہے قاتل کا
جان پر پھر بنائی یاروں نے — چھیڑ کر ذکر اس کی محفل کا
سعی کی انتہا نہیں معلوم — کیا بتاؤں نشان منزل کا
یہ تماشا بھی دیکھتے جاؤ — شوق بڑھتا چلا ہے بسمل کا

دل لگا بیٹھے ہیں کہیں حضرت　　چہرہ اترا ہوا ہے مائل کا

نظر پڑا ہے کوئی بے حجاب اپنا سا　　کہ مانتے ہیں مرا اضطراب اپنا سا
نہ مانیں آپ تو اس کا جواب ہی کیا ہے　　وگرنہ دے تو چکے ہم جواب اپنا سا
دکھاؤں آئینے میں ان کی چشم مست انھیں　　کہ ڈھونڈھتے ہیں وہ پی کر شراب اپنا سا
نہ جام مے ہے نہ ساقی نہ سبزہ لب جو　　ملے کسی کو نہ یا رب شباب اپنا سا
غضب کے ڈھب ہیں تمھیں یاد حضرت مائل　　بنا لیا ہے اسے بے حجاب اپنا سا

باتیں ہیں واعظوں کی عذاب و ثواب کیا　　دو دن کی زندگی میں حساب و کتاب کیا
چاہی وفائے وعدہ تو پایا جواب کیا　　ہاں کہیے تو یہ آپ نے دیکھا ہے خواب کیا
دل میں غضب کے جوش ہیں توبہ کی خیر ہو　　کرتی ہے دیکھیے یہ شب ماہتاب کیا
یہ سب سہی کہ زلزلہ ہے تا فلک مگر　　شوخی تو اپنی دیکھ مرا اضطراب کیا
اس نے تو جو لکھا سو لکھا پر غضب یہ ہے　　اک ایک پوچھتا ہے کہ آیا جواب کیا
اچھا گمان و وہم ہمارے غلط سہی　　کہیے تو کہتی ہے نگہ پر حجاب کیاَ
اے ہم نشیں بھلا دو اگر سُن کے حالِ دل　　کہہ دیں کہ سب غلط ہے پھر اس کا جواب کیا
کرتے ہیں لوگ واعظ و مائل پہ طعن کیوں　　پیتا نہیں جہاں میں کوئی شراب کیا

شکر اس نے کیا لب پہ مگر نام نہ آیا　　مرنا بھی مرا ہائے مرے کام نہ آیا
اللہ شب ہجر پھر ایسی نہ دکھائے　　گھڑیوں تو مجھے یاد ترا نام نہ آیا
یہ طرز جفا کس نے سکھائی تھی ستمگر　　سو ظلم ہوئے ایک بھی الزام نہ آیا
بتخانہ تو بتخانہ ہے اللہ ری قسمت　　کعبہ سے بھی مائل کبھی ناکام نہ آیا

یہ کون تھا کہ دور سے جلوہ دکھا گیا / حیرت کدہ فضائے جہاں کو بنا گیا
مرنے کی بھی امید تھی جینے کی بھی امید / قاصد پیام یار کچھ ایسا سنا گیا
یہ غم بھی کیا بلا ہے کہ دوچار روز میں / چپکے ہی چپکے دل کو جگر کو اُڑا گیا
ایمان جائے یار ہے جو ہو بلا سے ہو / اب تو نظر میں وہ بت کافر سما گیا

عاشق پہ ہے الزام عبث پردہ دری کا / ہر ذرہ ہے آئینہ تری جلوہ گری کا
دیکھا تو شب غم کی درازی نظر آئی / سنتے ہی رہے نام نسیم سحری کا
تھی فکر مری چارہ گروں کو اور ابھی تک / چرچا نہ ہوا تھا تری بے دادگری کا
ہوتی کبھی تاثیر تو یہ چھیڑ بھی جاتی / ممنوں ہوں اے آہ تری بے اثری کا
پیری میں تو کیا جانیے کیا حال ہو مائل / عالم ہے جوانی میں چراغ سحری کا

بزم میں شب کو جو وہ کافر مغرور نہ تھا / شمع جلتی تھی مگر نام کو بھی نور نہ تھا
یاد کوثر میں ہوا شیخ غریق رحمت / مے کے پینے کا تو کمبخت میں مقدور نہ تھا
رنگ چھلایا تھا عجب مردہ دلی کا سب پر / شب کو محفل میں مگر مائل مغفور نہ تھا

کچھ نہ ہوتا تو نوا سنج فغاں کیوں ہوتا / دل کی جانب وہ ستمگر نگراں کیوں ہوتا
ستم آمیز نہ ہوتی جو کسی کی غفلت / تو خموشی میں مرے رنگ فغاں کیوں ہوتا
کوئی تسکین کی اگر اور بھی ہوتی صورت / اس طرح نام ترا ورد زباں کیوں ہوتا
گر دعا میں مرے تاثیر ذرا بھی ہوتی / آپ ہوتے ملک الموت یہاں کیوں ہوتا

غیر کے دل میں اگر کچھ بھی محبت ہوتی　　یہاں ہوتا وہ ستمگار وہاں کیوں ہوتا
جلوہ طور چھپاتا جو نہ ہوتا منظور　　نسل آدم میں نوائے جان جہاں کیوں ہوتا
دعویٰ عشق ہوس پیشہ جو چاہیں سو کریں　　کچھ بھی ہوتا تو یہ انداز بیاں کیوں ہوتا
مائل آغاز جوانی ہی میں دنیا سے اٹھا　　تھی طبیعت ہی بلا کی وہ جواں کیوں ہوتا

اللہ رے انتظام تری بزم ناز کا　　نالہ نہ جا سکا کسی اہل نیاز کا
پھر جس کو دیکھیے وہی ناصح ہے کوئی ہو　　کھلنا ہی تو غضب ہے محبت کے راز کا
کیسی حیا کہاں کی حیا کوئی بات ہے　　ہم خوب جانتے ہیں سبب احتراز کا
بے اختیار جلوہ گری کر رہا ہے حسن　　تم سے مواخذہ نہیں انداز و ناز کا
کچھ حسن و عشق کے تو غضب ہیں معاملے　　عالم جدہ ہے عالم ناز و نیاز کا
مائل کو جانتے بھی ہو حضرت ہیں ایک رند　　کیا اعتبار آپ کے روزے نماز کا

کیا وقت تھا وہ بھی کہ نہ اندوہ نہ غم تھا　　تھا پیش نظر جام تو پہلو میں صنم تھا
کل شب کو غم ہجر سے کیا ناک میں دم تھا　　مرنا تو کہاں تھا مجھے جینا بھی ستم تھا
کیا کیا تھے شب ہجر میں اشغال دل آویز　　مرنے کی تمنا تھی جو جینے کا الم تھا
کیوں آرزوئے سجدہ میں جھکتا تھا مرا سر　　کیا غیر کے کوچے میں ترا نقش قدم تھا
امید یہ کس کو ہے کہ ہو اس کی طرف سے　　کہتے تو ہیں جو میں نے اٹھایا وہ ستم تھا
مدت ہوئی قاصد نہ پھرا واں سے جو جا کے　　کیا حرف محبت بھی مرے خط میں رقم تھا
تم سے نہ سہی پیر فلک سے تھی مری چھیڑ　　تم کو نہ سہی ہائے مجھے ذوق ستم تھا
اب شکوہ ہو یا رشک وہ کہتے ہیں یہ مجھ سے　　ہاں پاس عدو مجھ کو تیرے سر کی قسم تھا

کوثر کی طرح مے کو یہیں عام کردیا   یاروں نے میکشی میں بھی اک نام کردیا

کون ہے جو کسی طرح پریشاں نہ گیا   کون محفل سے تری بے سروساماں نہ گیا
خاک کو بھی تو مری ہے سرکیواں کی تلاش   سر گیا سر سے مگر عجب کا ساماں نہ گیا
سنگ اسود کے سوا اور ہے کیا کعبہ میں   خیر گذری کہ کوئی طالب ایماں نہ گیا
بیخودی کہیے زلیخا کی کہ وحشت کہیے   کھل گیا راز مگر ہاتھ سے داماں نہ گیا

واعظ پیے ہوئے ہوں خدا کے لیے نہ چھیڑ   دھڑکا مٹا ہوا ہے عذاب و ثواب کا
یارب انھیں بہشت میں جانا نہ ہو نصیب   جو لطف اٹھا چکے ہیں شب ماہتاب کا
کیا کیا بگڑ رہے ہیں وہ بن بن کے بزم میں   آشوب روزگار ہے عالم عتاب کا
پھر چاہتا ہے دل کہ وہی تاک جھانک ہو   پھر ڈھونڈھتا ہوں لطف سوال و جواب کا
زاہد کو بادہ خواری کا چسکا لگا دیا   یہ کام عمر بھر میں ہوا ہے ثواب کا
شوخی تو یہ ہے بزم میں بیٹھے ہیں اس طرح   گویا کھنچا ہوا ہے مرقع حجاب کا

ہر دل میں نہاں نالۂ مستانہ ہے اس کا   ہر گل سے عیاں جلوۂ جانانہ ہے اس کا
کیا طرۂ لیلےٰ کا کیا قیس نے پردہ   وحشت تو کھلے کہتی ہے دیوانہ ہے اس کا

پھر آگئی اک بت پہ طبیعت کو ہوا کیا   ٹلتی ہی نہیں سر سے مصیبت کو ہوا کیا
محروم پھر آیا درمیخانہ سے واعظ   رندان قدح خوار کی ہمت کو ہوا کیا
مقبول دعا ہو نہ اثر آہ و فغاں میں   اس دور میں تاثر محبت کو ہوا کیا
اس حسن و لطافت پہ کیا سنگدل ایسا   حیرت میں ہوں اللہ کی حکمت کو ہوا کیا
جاگے تو کوئی انجمن غیر میں شب بھر   اور چھائی مرے منہ پہ ندامت کو ہوا کیا

دانستہ نقاب الٹے ہوئے ہیں سر بازار
اور اس پہ یہ کہتے ہیں کہ خلقت کو ہوا کیا
لو ہم تو چلے کوثر و تسنیم پہ زاہد
تم یوں ہی کہے جاؤ کہ رحمت کو ہوا کیا
مائل نہیں کیا اور زمانے میں الٰہی
مجھ پر ہی اُترتی ہے یہ آفت کو ہوا کیا

دل کیا نگاہ مست سے مے خانہ بن گیا
مضمون عاشقانہ بھی رندانہ بن گیا
نیت کے ساتھ ہوتے ہیں مائل تمام کام
ڈالی بنا تھی کعبہ کی بت خانہ بن گیا

وہ درد وہ اثر جو صدائے درا میں تھا
گم گشتہ کارواں کوئی راہ فنا میں تھا
آخر کو اپنی جان پہ کھیلا ہے کوہکن
بیچارہ ایک عمر سے فکر وفا میں تھا
پھر کیا جواب اے دل نادان جو وہ کہے
سن کر شکایتیں کہ اثر بھی دعا میں تھا
ہر دم امید لطف پہ بڑھتی تھی زندگی
مرنا مجھے محال نزول بلا میں تھا
پرواز مرغ روح نے کی کس خوشی کے ساتھ
گویا کہ ایک عمر سے دست قضا میں تھا
اس نے خرام ناز سے چل کر مٹا دیا
جھگڑا جو مدتوں سے شمال و صبا میں تھا
دو دن سے آ کے کعبہ میں بیٹھا تو کیا ہوا
مائل صنم کدہ میں بھی یاد خدا میں تھا

اشک گلگوں کو نہ خون شہدا کو دیکھا
شوخ جیسا کہ ترے رنگ حنا کو دیکھا
تجھ کو دیکھا نہ ترے ناز و ادا کو دیکھا
تیری ہر طرز میں ایک شان خدا کو دیکھا
ہیں تجھے دیکھ کے حوران بہشتی بیتاب
یا ترے کشتۂ انداز ادا کو دیکھا
تشنہ آب دم تیغ نے پینا کیسا
آنکھ اٹھا کر نہ کبھی آب بقا کو دیکھا
مجھے کافر ہی بتاتا ہے یہ واعظ کمبخت
میں نے ہندوں میں کئی بار خدا کو دیکھا
نکہت زلف معنبر کو چمن میں پایا
آتے جاتے ترے کوچے میں صبا کو دیکھا
مائل ایمان ہے بالغیب ہمیں لوگوں کا
کہ پیمبر کو ہے دیکھا نہ خدا کو دیکھا

تم خوب اڑاتے رہو خاکہ مرے دل کا — پیدا نہیں دشمن کوئی تم سا مرے دل کا
پھرتی ہے نظر میں کسی گیسو کی درازی — بڑھتا ہی چلا جائے گا سودا مرے دل کا
الٹی ہے نہ الٹیں گے نقاب رخ روشن — مانا ہے نہ مانیں گے وہ کہنا مرے دل کا
وہ سوختہ جان ہوں کہ نہیں شمع کا جلنا — مذکور ہے ہر بزم میں گویا مرے دل کا
مائل ترے اشعار سنوں بزم میں کیونکر — یہ راز کیے دیتے ہیں افشا مرے دل کا

تم لے کے اپنے ہاتھ میں خنجر نہ دیکھنا — اور دیکھنا تو تن پہ مرے سر نہ دیکھنا
دشمن بھی میرے ساتھ ہی آتا ہے بزم میں — تم کو قسم ہے آنکھ اٹھا کر نہ دیکھنا
گر دیکھتے نہیں ہو ندامت سے جور کی — تم اب تو دیکھ لو دم محشر نہ دیکھنا
دل پر رہیں گی نقش یہ بے مہریاں تری — جانا اور اس طرح سے مڑ کر نہ دیکھنا
مائل جو توبہ کرتے ہو کیسا ہی ابر ہو — پھر آنکھ اٹھا کے شیشہ و ساغر نہ دیکھنا

آسمان کے بھی ستم کا متحمل نہ ہوا — نہ ہوا ہائے کسی کام کا یہ دل نہ ہوا
ایک جلوے میں کیا دونوں جہاں کو روشن — تجھ سے بڑھ کر تو کوئی زینت محفل نہ ہوا
کچھ سمجھ کر ہی مجھے قتل کیا تھا اس نے — کہ مرے بعد کسی کا بھی وہ قاتل نہ ہوا
شوق کہتے ہیں اسے دل میں جو دیکھا اس کو — تو جگر کو یہ ہوا رشک کہ میں دل نہ ہوا
اس طرح راہ محبت کو کیا طے میں نے — کہ مرے بعد تخلص بھی تو مائل نہ ہوا

بزم سے غیر بھی تو سر بگریباں نکلا — وہ ستمگار بہت زود پشیماں نکلا
دوڑ کر فتنۂ محشر نے قدم چوم لیے — ے پئے گھر سے جو وہ فتنۂ دوراں نکلا
ہم تو سنتے تھے حرم گھر ہے خدا کا مائل — واں تو ہر ایک صنم دشمن ایماں نکلا

کچھ اس کو تو میں لطف و ستم کہہ نہیں سکتا — کیا چیز ہے یہ عشق کا غم کہہ نہیں سکتا
کچھ محو ہے ایسا تری رفتار کے احوال — کہتا ہے مگر نقش قدم کہہ نہیں سکتا
میں نے جو کہا غیر کے ملنے میں ہے کیا لطف — کہتا ہے ترے سر کی قسم کہہ نہیں سکتا
کیا چیز بنائی ہے محبت بھی خدا نے — ہوتے ہیں ستم اور ستم کہہ نہیں سکتا
جھپکی تھی ذرا آنکھ کہ وہ خواب میں آئے — اس رات کو اب میں شب غم کہہ نہیں سکتا
اس ڈر سے کہ پوشیدہ نہ ہو جائے نظر سے — کوچے کو ترے باغ ارم کہہ نہیں سکتا

جو آگیا زبان پہ سخن ناز ہوگیا — بل جو پڑا جبیں پہ وہ انداز ہوگیا
نالے کی تنگ حوصلگی سے خجل ہوں میں — کمبخت لب پہ آتے ہی غماز ہوگیا
طول شب فراق کا اب ڈر نہیں رہا — مرغ خیال قابل پرواز ہوگیا
آیا ادھر نظر مہ شوال چرخ پر — دروازہ مے کدہ کا ادھر باز ہوگیا
پروانہ تجھ پہ بزم میں ہونے لگا نثار — یہ بھی خدا کی شان نظر باز ہوگیا
اس کے کرم سے اپنی ہر ایک بات بن گئی — جو کام آپڑا وہ خدا ساز ہوگیا
رندان معتبر کی زبانی سنا ہے یہ — واعظ کا میکدہ میں کچھ اعزاز ہوگیا
کچھ ایسے آج بن کے وہ نکلے تھے سیر کو — عالم تمام کشتہ انداز ہوگیا
مائل چلے تھے عزم صنم خانہ کرکے ہم — آنا سوے حرم تو خدا ساز ہوگیا

جب تک کہ شیخ صحبت زنداں سے دور تھا — آنکھوں میں تھا سرور نہ کچھ دل میں نور تھا
اتنا ہی کھینچ کے ہم سے وہ بیٹھا ہے پُر غرور — جتنا کہ ہم کو جذبۂ دل پر غرور تھا
ہر دم نئے نئے تھے مزے وصل و ہجر کے — جب تک ہمارے پاس دل ناصبور تھا

ستم ہے داستاں کو ہکن سن کر وہ کہتا ہے — یہ ہے اک فقرۂ رنگین محبت کی کہانی کا
خدا کی شان مائل آج شیخ وقت بن بیٹھے — لیے جاتے تھے کل سامان شراب ارغوانی کا

دل کی طرح مضطرب کیوں ہے جگر دیکھنا — اس میں کہیں رہ گیا تیر نظر دیکھنا
عشق بھی کیا چیز ہے سہل بھی دشوار ہے — ان کو ادھر دیکھنا مجھ کو ادھر دیکھنا
آہ بھی نارسا نالہ سہی بے اثر — رنگ مگر لائے گا دیدۂ تر دیکھنا
جاتے ہیں ہم بزم سے ہوتے ہو تم کیوں خفا — ہم کو تو منظور تھا ایک نظر دیکھنا
پوچھتے ہیں اس طرح حال مرا جان کر — جیسے نہیں آج تک کچھ بھی خبر دیکھنا
صلِ علیٰ کہتے ہیں ان کو ملک دیکھ کر — قدرت حق دیکھنا حسن بشر دیکھنا
ہجر نہ اب وصل ہے دل میں تری شکل ہے — چھپکے الگ بیٹھنا آٹھ پہر دیکھنا
مائل بیکس سے اب کچھ نہ کرو عار تم — بعد ملاقات کیا عیب و ہنر دیکھنا

کیا جانے آ کے کیا دل بسمل میں رہ گیا — اُٹھ کر جو حشر کوچۂ قاتل میں رہ گیا
اس شہر میں ہے جو کوئی خوشرو پری ادا — اک بار تو ضرور مرے دل میں رہ گیا
گو اُن سے رسم اب نہیں پر سن کے ذکر غیر — شعلہ سا ایک اٹھ کے مرے دل میں رہ گیا
کعبہ میں جا مرے در بتخانہ چھوڑ کر — اتنا ہی نقص حضرت مائل میں رہ گیا

اے ستمگر نہیں دیکھا جاتا — زخم دل پر نہیں دیکھا جاتا
ہم سے زاہد کو برابر اپنے — لب کوثر نہیں دیکھا جاتا
دشت کی جس میں کوئی بات نہ ہو — ہم سے وہ گھر نہیں دیکھا جاتا
ہم نے دیکھا ہی نہیں جلوۂ یار — کہیں کیوں کر نہیں دیکھا ہوتا
دیکھنا شوق شہادت میرا — مجھ سے خنجر نہیں دیکھا جاتا

طور پر دیکھنے جاتے ہیں کلیم　　دل کے اندر نہیں دیکھا جاتا

گھر میں چھپ کر وہ مرے آئیں یہ کیونکر ہوتا　　ان کے قدموں سے لگا فتنۂ محشر ہوتا
بادہ وہ چیز ہے اے شیخ جو تو پی لیتا　　حشر میں رند خرابات کا ہمسر ہوتا
دل میں جب دیکھیے کھٹکا سا لگا رہتا ہے　　ایک دن موت کے آنے کا مقرر ہوتا
دیکھ کر انجمن غیر یہ حسرت آئی　　آپ آتے تو یہ ہنگامہ مرے گھر ہوتا
طرز شوخی ہے نئی مجھ سے کہا کرتے ہیں　　میں تجھے قتل ہی کرتا　جو ستمگر ہوتا
کھل ہی جاتا حرم و دیر کا پردہ مائل　　دل میں جو کچھ کہ بھرا ہے وہ زبان پر ہوتا

سر ہے وہ جس پہ کہ سایہ رہے تلواروں کا　　دل وہی ہے کہ گذر گاہ ہو سوفاروں کا
یہ تری راہ پہ واعظ نہیں آنے والے　　رہنما پیر خرابات ہے میخواروں کا
لب جاں بخش ہیں تاثیر بڑھانے کے لیے　　چومتے منہ ہیں مسیحا ترے بیماروں کا
حشر میں شیخ و برہمن کے یہ جھگڑے پھیلے　　کوئی پرساں نہ ہوا ہم سے گنہگاروں کا
دل کے داغوں ہی کو گن گن کے گذاری شب تار　　آسماں پر تو کہیں نام نہ تھا تاروں کا
ایک مدت سی ہوئی میں رہا جنت میں　　کہ یہ سایہ ہے ترے کوچے کی دیواروں کا
عاشقوں کے دل مضطر کا خدا حافظ ہے　　کہہ رہا ہے یہ تبسم ترے سوفاروں کا
اس کو زیبا ہے اگر پیر خرابات کہیں　　مائل اک خادم دیرینہ ہے میخواروں کا

جب اس بے حجاب کو دیکھا　　پھر نہ آنکھوں میں خواب کو دیکھا
اب نہ ٹھہرے گا تم نے کیوں ہنس کر　　دل پر اضطراب کو دیکھا
نام اول ترا نظر آیا　　کھول کر جس کتاب کو دیکھا
جیسے ترسا ہوا ہو واعظ نے　　یوں شراب و کباب کو دیکھا
ساتھ دیتے ہوئے محبت میں　　دل ناکامیاب کو دیکھا

ہم نے کھلتے ہوئے زمانہ میں / تیرے منہ پر نقاب کو دیکھا
آج مائل ہیں پارسا کل تک / میکدہ میں جناب کو دیکھا

جو دیکھ جاؤ دل بے قرار کیا ہوگا / چلے جو آؤ ادھر ایک بار کیا ہوگا
جو قتل کرتے ہوئے مجھ کو اب نہ شرمایا / خدا کے سامنے وہ شرمسار کیا ہوگا
نہ ہوں گے حشر میں ہم سے جو روسیہ دو ایک / ظہور رحمت پروردگار کیا ہوگا
ہزار رنگ بدلتا ہے عشق دم بھر میں / خدا ہی جانے کہ انجام کار کیا ہوگا
فغاں نے حشر تو عالم میں کر دیا برپا / یہ فکر ہے دم رفتار یار کیا ہوگا
بس ایک جام میں مائل کے کھل گئے جوہر / کہا نہ کرتے تھے ہم بادہ خوار کیا ہوگا

تری الفت میں یہ حاصل ہمیں اے فتنہ گر ہوگا / کبھی مجروح دل ہوگا کبھی زخمی جگر ہوگا
کہا تھا مجھ سے ناصح نے کہ شام و صبح فرقت میں / نہ کچھ رنگ شفق ہوگا نہ کچھ نور سحر ہوگا
نہیں ہے بے سبب جانا صنم خانہ سے کعبہ کو / وہاں بھی حضرت مائل کوئی مد نظر ہوگا
کیا بھروسا عشق میں آہ دل ناشاد کا / ظلم سہنا ہی پڑے گا چرخ بے بنیاد کا
بے سبب بارانِ رحمت قہر واعظ پر نہیں / کوئی پتھر لگ گیا ہے خانہ کی بنیاد کا
جس کے طالب ہو گئے جاؤ وہی ملتا ہے واں / کام کیا کعبہ میں اے مائل کسی کی یاد کا

توبہ کا اعتبار بھی مائل نے کھو دیا / دیکھا جو ابر قبلہ یہ کمبخت رو دیا

محتسب جب تو کرے گا ادب جام شراب / جام کوثر سے ملا دوں میں لب جام شراب
ہم تو خلوت میں بھی محروم رہے اور سر بزم / لب جاناں سے ملے ہائے لب جام شراب

موج مے سے ہے عیاں موج تبسم کی ادا محفل یار میں دیکھو طرب جام شراب
یہ غزل میں لب کوثر پہ پڑھوں گا مائل قافیہ اس میں غضب کا ہے لب جام شراب

قامت سے تری کیوں نہ گھٹے شان قیامت ہر فتنہ قامت ہے دل و جان قیامت

کس منہ سے کروں میں تن عریاں کی شکایت داماں کی شکایت نہ گریباں کی شکایت
کیسا ہی کھٹکتا رہے دل میں مرے پیکاں مجھ سے تو نہ ہوگی کبھی مہماں کی شکایت
اتنا بھی تغافل نہیں اچھا کہیں تم کو کرنی نہ پڑے شورش پنہاں کی شکایت
اللہ رکھے مرے تصور کو سلامت مجھ کو تو نہیں ہے شب ہجراں کی شکایت
ہوں ننگ مگر واقف آداب جنوں ہوں میں کفر سمجھتا ہوں بیاباں کی شکایت
کہتی ہے تری چشم کی گردش مرے ہوتے کوئی نہ کرے گردش دوراں کی شکایت
جاتے تو ہو کعبے کو خدا کے لیے مائل کرنا نہ کسی دشمن ایماں کی شکایت

برسا رہی ہے خون مژہ اشکبار آج شرمندہ ہورہا ہے ترا پردہ دار آج
بیتاب کردیا ترے فردا کے وعدہ نے محشر اٹھائے گا دل امیدوار آج
اب دیکھیے کہ حشر کے حصے میں کیا رہے کچھ فتنے اٹھ رہے ہیں سر رہگذار آج

ہم چھیڑتے ہیں رسم قدیما نہ سمجھ کر وہ بات بھی کرتے نہیں دیوانہ سمجھ کر
آباد شہیدوں سے ترے دشت ہیں سارے وحشت میں کدھر جائیں گے ویرانہ سمجھ کر
مستوں کی طرح روز جزا قبر سے اٹھا ساقی نے دیا تھا مجھے پیمانہ سمجھ کر

محرومئ تقدیر کو روتا ہوں حرم میں آیا تھا بڑی دور سے میخانہ سمجھ کر
کوثر پہ نظر آئے جو میخانہ نشیں لوگ واعظ نہ گیا مجمع رندانہ سمجھ کر
واعظ نہ بڑھا شوکت دروازۂ مسجد میخوار چلے آئیں نہ میخانہ سمجھ کر
ہر گام پہ سجدے جو کیے جاتے ہیں مائل کعبے کو چلے ہو کہیں بت خانہ سمجھ کر

واعظ نہ طعنہ زن ہو شراب و کباب پر کمبخت خاک ڈال عذاب و ثواب پر
رخ پر ہے تیرے خال کہ کلک قضا نے یہ نقطہ بنا دیا ہے مرے انتخاب پر
مائل سے بڑھ کے نکلے ہیں مائل کے یار رند دیتے ہیں اس کی فاتحہ جام شراب پر

رات بھر مجھ کو لٹاتی رہی انگاروں پر چاندنی یہ نظر آتی ہے جو دیواروں پر
اس کے کوچے میں ہوس پیشہ جلانے کو مرے نام لکھ کے چلے آتے ہیں دیواروں پر
شادماں کیوں نہ اٹھوں شور قیامت سن کر آج وہ دن ہے کہ رحمت ہو گنہگاروں پر
اب کے دل اس بت کافر پہ ہے آیا کہ جسے فوق دیتے ہیں ستمگار ستمگاروں پر
چار یاروں سے پیمبر کے محبت رکھو حصہ ایمان کا مائل ہے ان ہی چاروں پر

میں اسے کیونکر نہ ہوں محو تماشا دیکھ کر رہ گئی حیرت میں جس کو چشم بینا دیکھ کر
بے غرض ملتے نہیں اس میں خدا ہی کیوں نہ ہو بجھ گیا دل ارتباط اہل دنیا دیکھ کر
ہر گنہ کے ساتھ ہی توبہ بھی ہے لکھی ہوئی کیا خجل ہوں نامۂ اعمال دنیا دیکھ کر
ناز میں انداز میں رفتار میں گفتار میں قصہ کوتہ دل دیا ہے تم کو یکتا دیکھ کر
گر اسی کا نام ہے تقوائے تو مائل بس سلام جو ہوئی حالت تمھاری جام صہبا دیکھ کر

اچھی نہیں ہے آہ دل خستہ جان نہ چھیڑ مجھ کو نہ چھیڑ دیکھ تو اے آسماں نہ چھیڑ

خلوت میں انجمن میں جہاں چاہے چھیڑ تو   بزم عدو میں بن کے مگر مہماں نہ چھیڑ
عزم حرم کیے ہوئے بیٹھا ہوا ہوں میں   مائل خدا کے واسطے ذکر بتاں نہ چھیڑ

بن بن کے بگڑ جائے گی تدبیر کہاں تک   چکر میں رکھے گی مجھے تقدیر کہاں تک
کچھ غیر کی جانب نگہ ناز کی حد بھی   کھاتا رہے محفل میں کوئی تیر کہاں تک
جاتا ہوں اسے ڈھونڈھنے محفل میں عدو کی   دیکھوں تو بگڑتی ہے یہ تقدیر کہاں تک

سنتا رہے باتیں پس دیوار کہاں تک   حیرت میں رہے طالب دیدار کہاں تک
ہر روز بسر کرتے ہیں رو رو کے شب غم   مرمر کے جئیں گے ترے بیمار کہاں تک
وہ لاکھ چھپائیں نہ چھپا ہے نہ چھپے گا   دیکھوں نہ کریں حسن کا اظہار کہاں تک
بے پردہ چلے آؤ یہ قصہ ہی مٹادو   جھگڑے میں رہیں کافر و دیندار کہاں تک
سن سن کے تری وسعت رحمت کو بڑھا دل   دیکھوں تو کہے خلق گنہگار کہاں تک
لے جا کے اسے چشمہ کوثر میں ڈبوں دیں   دیکھیں تو پیے مائل میخوار کہاں تک

رکھیں گے ربط گر دل دردِ آشنا سے ہم   آخر کو مل ہی جائیں گے ایک دن خدا سے ہم
مقتل میں ساتھ غیر کے تم کو نہ دیکھتے   مرجاتے کاش پہلے ہی اپنی قضا سے ہم
توبہ سے مستیاں کبھی اپنی نہ جائیں گی   پروردہ میکدے کی ہیں آب و ہوا سے ہم
الٹے ہیں سارے کام محبت میں سچ کہا   مرتے ہیں جنبشِ لب معجز نما سے ہم
مائل کو ہر گھڑی ہے حضوری عجب نہیں   ہوجائیں کامیاب جو اس کی دعا سے ہم

اس کے قامت کو دیکھتا ہوں میں   دور قیامت کو دیکھتا ہوں میں
راہ الفت میں کرکے قطع امید   استقامت کو دیکھتا ہوں میں
ہوتے ہیں میرے نام سے نادم   اس ندامت کو دیکھتا ہوں میں

دل کو درباں کو یار کے در کو در ۔۔۔ اور قامت کو دیکھتا ہوں میں
آپ کو دیکھتا ہوں اے مائل ۔۔۔ اور امامت کو دیکھتا ہوں میں

نظر آتا ہے خدائی کا تماشا دل میں ۔۔۔ جلوہ افروز ہے ان کا رخ زیبا دل میں
ان کو لے جا کے دکھا دے کوئی تصویر مری ۔۔۔ جو ترے ملنے کی رکھتے ہیں تمنا دل میں
یہ نگاہ غلط انداز کہے دیتی ہے ۔۔۔ کہ رہی وصل میں بھی دل کی تمنا دل میں

ایسی کیا تھیں عتاب کی باتیں ۔۔۔ میں تو کہتا تھا خواب کی باتیں
کچھ غضب ہو رہی ہیں عارض سے ۔۔۔ زلف پر پیچ و تاب کی باتیں
بے حجابی میں کیا غضب ہوگا ۔۔۔ جب یہ کچھ ہیں حجاب کی باتیں
سرمرا اور نشان پائے عدو ۔۔۔ دیکھنا اضطراب کی باتیں
ایک حضرت ہیں آپ بھی مائل ۔۔۔ سن چکا ہوں جناب کی باتیں

آپ کیا ایک ستمگار بنے بیٹھے ہیں ۔۔۔ غیر بھی تو مرے غمخوار بنے بیٹھے ہیں
واعظوں کی بھی یہ توقیر ہے اللہ اللہ ۔۔۔ پاسبان در خمار بنے بیٹھے ہیں
چشم ہے آب رواں سینے میں داغوں کی بہار ۔۔۔ ہم بھی اک تختۂ گلزار بنے بیٹھے ہیں
پوچھتے ہیں وہ مجھی سے یہ غضب تو دیکھو ۔۔۔ آپ بھی طالب دیدار بنے بیٹھے ہیں
دلربائی کے یہ انداز غضب ہیں تیرے ۔۔۔ کہ ہوس پیشہ خریدار بنے بیٹھے ہیں

بسمل ہوں میں تو تجھ سے ستمگر سے داد لوں ۔۔۔ ابرو سے داد لوں ترے خنجر سے داد لوں
محشر ہو جس کی راہ میں پامال عاشقاں ۔۔۔ کیا اس کے قد کی فتنۂ محشر سے داد لوں
جس بزم سے گیا ہوں پھر آیا ہوں نامراد ۔۔۔ ان خوبیوں کی اپنے مقدر سے داد لوں

دل میں ہے چشم مست صنم کو دکھا کے آج ساقی سے خم سے شیشے سے ساغر سے داد لوں
مائل غزل یہ ایسی لکھی ہے کہ بار بار جی چاہتا ہے حضرت انور سے داد لوں

مانے نہ مانے کوئی یہ اتنا کہیں گے ہم ہے ذوق بے خودی تو مقرر شراب میں
مانیں جو میری بات مریدان بے ریا دیں شیخ کو کفن تو ڈبو کر شراب میں
کس کے خرام ناز سے ملتی ہے موج جام برپا ہے ایک فتنہ محشر شراب میں
وہ رند بادہ کش ہوں کہ مائل پس فنا آئے گی مری روح بھی کھنچ کر شراب میں

شوخی نے تجھ کو چھین دیا کب حجاب میں جلوے نے ترے پھر اٹھایا نقاب میں
حیرت میں خود وہ رہتے ہیں آئینہ دیکھ کر میں کس حساب میں ہوں عدو کس حساب میں
تلخی تمھارے وعظ میں ہے واعظو مگر دیکھو تو کس مزے کی ہے تلخی شراب میں
آئیں تو کیوں کر آئیں وہ محفل سے غیر کی تاثیر جذب میں نہ اثر اضطراب میں
توبہ کے ٹوٹنے کا ہے مائل ملال کیوں ایسی تو ہوتی رہتی ہے اکثر شباب میں

زندگی آپ ہی اپنی مجھے منظور نہیں ورنہ راہ در جانانہ تو کچھ دور نہیں
عظمت کعبہ مسلم ہے مگر بت کدہ میں ایک آرام یہ کیسا ہے کہ کچھ دور نہیں
ہائے کس وقت میں وہ مجھ سے ملے ہیں آ کر جان دینے کا بھی اب مجھ میں تو مقدور نہیں
ہاتھ سے مائل میکش کے کسی دن واعظ آبرو تیری بگڑ جائے تو کچھ دور نہیں

چلے گئے وہ ادائیں دکھا کے پردے میں شرارتیں بھی ہیں شرم و حیا کے پردے میں

غضب کیا ہے کہ ارمان دل میں جو کچھ تھے　　سنا دیے انھیں سب التجا کے پردے میں
ملیں کسی سے تو بدنام ہوں زمانے میں　　ابھی گئے ہیں وہ مجھ کو سنا کے پردے میں
وہ ایک ہی ہے ستمگر زمیں کے پردے میں　　کیے ہیں خون ہزاروں حنا کے پردے میں
نہ مانگ زاہد ناداں ذرا سمجھ تو سہی　　شکایتیں ہیں یہ کس کی دعا کے پردے میں
بگڑ کے غیر سے دنیا سے تم بگڑتے ہو　　یہ التفات ہے کیسا جفا کے پردے میں
کسے ہے تاب کہ دیکھے یہ حسن کا عالم　　سنا کرے تری باتیں بٹھا کے پردے میں
کسی کو پاس کسی کا نہیں رہا مائل　　اک انقلاب ہے روز جزا کے پردے میں

رنگ لائے نہ مرا دیدۂ خونبار کہیں　　نظر آتے ہیں محبت کے پھر آثار کہیں
وہ پرے عرش سے یہ طور پہ کیا مضمون ہے　　جلوۂ یار کہیں طالب دیدار کہیں
یہی کہہ دو نہیں ملنا ہمیں تم سے منظور　　ایک دن مٹ تو چکے روز کی تکرار کہیں
ہے یہی طرز تغافل تو کسی دن ہم بھی　　تیرے کوچے سے چلے جائیں گے ناچار کہیں
لوگ کہتے ہیں کہ ہوتی ہے دعا اس کی قبول　　آزمائیں جو ملے مائل میخوار کہیں

اگلی سی اب تو طرز ملاقات ہی نہیں　　وہ لطف ہی نہیں وہ مدارات ہی نہیں
اٹھتے ہیں بادہ کش بھی صبوحی کو زاہدو　　ہنگام صبح وقت مناجات ہی نہیں
اس طرز کی جفا نہ اس انداز کے ستم　　تیری سی آسمان میں کوئی بات ہی نہیں
دو چار اہل درد بھی جس میں نہ ہوں شریک　　واعظ وہ بزم بزم خرابات ہی نہیں
مائل یہ ابر قبلہ نہ برسا تو آج سے　　رندوں کے ہم بھی قبلہ حاجات ہی نہیں

تیری نظر پھری ہے مقدر سے کیا کہیں　　مرتے ہیں تجھ پہ چرخ ستمگر سے کیا کہیں
دل دے کے اپنے آپ پڑے تھے عذاب میں　　اب ہم کہیں تو داورِ محشر سے کیا کہیں
چلتا ہے بچ کے فتنۂ قامت سے دور دور　　اب وہ کہیں تو فتنۂ محشر سے کیا کہیں
کریں اسے دکھا کے زلیخا سے گفتگو　　یعنی ادب کی جا ہے پیمبر سے کیا کہیں
وہ خود ہی جانتے ہیں کہ یہ بادہ خوار ہے　　مائل کہیں تو ساقیِ کوثر سے کیا کہیں

نہ ہو شباب تو کیفیت شراب کہاں　　نہ ہو شراب تو کیفیت شباب کہاں
چلا ہوں کعبے کو لیکن چلا نہیں جاتا　　نہ ہو جو شوق ہی دل میں تو اضطراب کہاں
عدو کی بزم میں دشمن ہزار بیٹھے ہیں　　ملا بھی ہائے وہ کافر تو بے حجاب کہاں
کسی طرح شب غم کی سحر نہیں ہوتی　　خدا ہی جانے کہ ڈوبا ہے آفتاب کہاں
حرم میں بیٹھے ہو مائل خدا خدا کیجے　　یہاں وہ ساقیِ مہوش کہاں شراب کہاں

دیتے نہیں تسکین دمِ فریاد کسی کو　　اور دیکھ بھی سکتے نہیں آزاد کسی کو
کس منہ سے کروں شکوہ غریب الوطنی کا　　میری تو وطن میں بھی نہیں یاد کسی کو
صرف ایک عدو کے لیے فرماتے ہیں مجھ سے　　سونے نہیں دیتی تری فریاد کسی کو
کیا کہتی ہے یہ چشم فسوں گر اسے دیکھو　　لو ہم نہ کہیں گے ستم ایجاد کسی کو
اب لطف سے معلوم یہ ہوتا ہے کہ ظالم　　دنیا میں نہ چھوڑے تری بیداد کسی کو
ہو قابل تسلیم تو تسلیم ہے مائل　　یوں کہنے کو کہہ دے کوئی استاد کسی کو

بہار میرے دلِ داغدار میں دیکھو　　اور ان کے جلوۂ رخ بہار میں دیکھو
ابھی وہی غلط اندازیوں کے تیور ہیں　　نگاہِ یار کی شوخی خمار میں دیکھو

بلائیں اس کی سر بزم تم نے لیں مائل　　یہ کی ہے کیا حرکت اضطرار میں دیکھو

سنا کرتے ہیں پہروں دل لگا کر میرے شیون کو　　سخن سنجی سکھاتا ہوں تو اس جانِ گلشن کو
دکھا دیں گے کہ دل کس کا جگر کس کا رہا باقی　　ذرا بے باک ہونے دوں گا جو چشمِ پرفن کو
یہ شوق خود نمائی دیکھیے کیا رنگ لاتا ہے　　اٹھا دیتے ہیں ہر حیلے سے سو سو بار چلمن کو
نہ کعبہ ہی تجلی گاہ ٹھہرایا نہ بت خانہ　　لڑانا خوب آتا ہے تمھیں شیخ و برہمن کو
تمھیں سمجھائیں تو کیا ہم کہ شیخ وقت ہو مائل　　تم اپنے آپ کو دیکھو اور اک طفلِ برہمن کو

محبت سچ کہا مجبور کر دیتی ہے انساں کو　　جگہ دینی پڑی لاچار دل میں دردِ ہجراں کو
کوئی دیکھے ہماری خاطر مجموع کا عالم　　جب جب چھیڑ دیتی ہے تری زلفِ پریشاں کو
نہ کیوں کر شمع کے رونے پہ رونا مجھ کو آ جائے　　محبت درد کا پتلا بنا دیتی ہے انساں کو
خیال آیا تھا مجھ کو جب بنائے کعبہ پڑتی تھی　　کہ یہ دھوکے میں ڈالے گا بہت گبر و مسلماں کو
مٹایا خوب ہی عقبیٰ کا کھٹکا حضرت مائل　　چڑھا آئے صنم خانے میں اپنے دین و ایماں کو

یوں گھر میں مرے آؤ نہ تم خواب میں آؤ　　ہاں بن کے تسلی دلِ بے تاب میں آؤ
یہ کہہ کے چمن میں وہ لیے جاتے ہیں مجھ کو　　کچھ عیب نکالیں گلِ شاداب میں آؤ
ڈرتے ہو اگر ولولہ شوق سے میرے　　تنہا نہ ملو مجمعِ احباب میں آؤ
سب دل سے نکل جائے دو عالم کی کدورت　　مائل جو کبھی بزمِ مئے ناب میں آؤ

توبہ کی ہے تلاش جو ابرِ سیاہ کو　　لایا لگا کے ساتھ ہی عنوالہ کو
کہہ دوں جو میں حقیقت عنوالہ کو　　دل میں رکھیں چھپا کے فرشتے گناہ کو
دیکھا ہے کیا بتوں میں کہ مائل پھر آئے ہو　　آنکھوں سے طے کیے ہو کعبے کی راہ کو

ہیں شرم سے چپ ورنہ ابھی کیا نہ کریں وہ
وہ کون سے فتنے ہیں کہ برپا نہ کریں وہ

چھپتے ہیں تو پردہ کسی عالم میں نہ چھوڑیں
منہ خواب میں بھی آ کے دکھایا نہ کریں وہ

اس میں بھی ہے اک صورت بربادی عاشق
آشفتگی زلف کی پروا نہ کریں وہ

اچھا نہیں ایسا اثر اے نالۂ گستاخ
بیساختہ گھر سے نکل آیا نہ کریں وہ

مائل مجھے ہے ولولہ صبر و تحمل
اچھا ہے کہ پاس دل شیدا نہ کریں وہ

بھلا ہم بھولتے کس کس کو رکھتے یاد کیا کیا کچھ
خدا جانے کہ الفت میں ہوا برباد کیا کیا کچھ

کہاں تک آئے گا اے گلعذار آہستہ آہستہ
چمن پر چھا گیا ابر بہار آہستہ آہستہ

کبھی دل کو کبھی جاں کو کبھی دین کو غرض جو تھا
کیا نذر نگاہ شرمسار آہستہ آہستہ

قیامت اور نہ ہو ہر گام پر برپا نہیں ممکن
چلے وہ فتنۂ عالم ہزار آہستہ آہستہ

ادب آموز ہیں دیوار و در سب کوئے جاناں کے
چلے کیونکر نہ واں باد بہار آہستہ آہستہ

کیا کرتے ہو کیا افسوس مائل حال پر اپنے
یہ مٹ جائیں گے سب نقش و نگار آہستہ اہستہ

ترے انوار کے جلوے جو دیکھا جا بجا نکلے
نہ کچھ عرش بریں نکلا نہ کچھ ارض و سما نکلے

مقدر سا مقدر ہے گنہگار ان امت کا
اب ختم الرسل سے جن کی بخشش کی دعا نکلے

بنا تھا نور کا طبقہ یہ سطح خاک سرتاسر
شب معراج جب گھر سے حبیب کبریا نکلے

خداوہ عشق دے مائل کہ میرے ہر بن موت
ادھر نام محمدؐ لوں ادھر صلی علیٰ نکلے

جان اپنی یوں ہی عشق میں برباد کریں گے
مٹ جائیں گے اور منہ سے نہ فریاد کریں گے

ناصح کو بھی ہم لائیں گے اپنی ہی روش پر
جادو تری آنکھوں سے کوئی یاد کریں گے

خود ہم نے سکھایا تجھے انداز تغافل
کس بات کی ہم حشر میں فریاد کریں گے

خنجر کی روانی بھی ستم کرتی ہے ہے ہے
حسرت تھی کہ نظارۂ جلاد کریں گے

کہتے ہیں کہ ہچکی کی بھی طاقت نہیں اس میں — مرجائے گا مائل جو اسے یاد کریں گے

غم ہی غم میں گھلا دیا تونے — درد تونے دیا دوا تونے
ماجرا مجھ سے اپنی الفت کا — بس کہا میں نے اور سنا تونے
لوگ کیا کیا گمان کرتے ہیں — مجھ کو دیکھا برا کیا تونے
سرمہ سا کرکے چشم جادو کو — اور بھی فتنہ زا کیا تونے
تجھ پہ مائل ہے وہ صنم مائل — سحر کیا جانے کیا کیا تونے

توبہ بھی ان دنوں میں تو ناسود مند ہے — ماہ صیام ہے در مے خانہ بند ہے
رکھتا ہے رشک اس سے بھی اس دل کو دیکھا — جب سے یہ سن لیا ہے کہ وہ خود پسند ہے
مائل ہمیں تو رات کہیں رہ کے کاٹنی — مسجد میں جا پڑیں گے جو مے خانہ بند ہے

نہ جاکے دل نظر آئے حسین جب کوئی — خدا کے واسطے یارو بتاؤ ڈھب کوئی
خدا کے واسطے اتنا تو مجھ کو سمجھا دو — کسی پہ جان بھی دیتا ہے بے سبب کوئی
شراب پینے کو بیٹھا ہے بے وضو مائل — جہاں میں نہ ہو تجھ سا بھی بے ادب کوئی

کہتے کیا ہو تن انسان میں جگر ہوتا ہے — یوں کہو اک ہدف تیر نظر ہوتا ہے
ہم تو اس فکر میں رہتے ہیں کہاں کا انصاف — دیکھیے داور محشر بھی کدھر ہوتا ہے
نہیں ہوئی تو دعا میں نہیں ہوتی تاثیر — اور جو ہوتا ہے تو باتوں میں اثر ہوتا ہے
نہ رہے وہم تمنا بھی یہ شوخی دیکھو — صاف کہہ دیتے ہیں جو مدنظر ہوتا ہے
کیا ہی ہوتا ہوں خجل اس حرکت سے مائل — کبھی مسجد میں جو بھولے سے گذر ہوتا ہے

وہ جلوہ ہے کہ دل محو تماشا ہو ہی جاتا ہے — حرم پر بتکدے کا اب بھی دھوکا ہو ہی جاتا ہے
تمھاری شوخیاں برہم زن عالم سہی لیکن — ہماری آہ سے بھی حشر برپا ہو ہی جاتا ہے

تصور سے تمھارے دل کو تسکین دے ہی لیتے ہیں　　تم آؤ یا نہ آؤ کام اپنا ہو ہی جاتا ہے
بگڑتے کیوں ہیں اتنے آپ میری بدگمانی پر　　محبت دل میں ہوتی ہے تو کھٹکا ہو ہی جاتا ہے
یہی عالم ہے برسوں سے جہاں فصل بہار آئی　　نہیں بچتی میری توبہ کچھ ایسا ہو ہی جاتا ہے
یہ بھروسا عہد ض پر رکھتا ہے کیا کیا کچھ　　سخن سنجوں میں مائل کو جو دعویٰ ہو ہی جاتا ہے

کیوں کہیں بنتے ہی تدبیر بگڑ جاتی ہے　　یوں ہی ہوتا ہے جو تقدیر بگڑ جاتی ہے
قہر آلودہ نگاہوں میں بھلا کاٹ کہاں　　زہر میں بجھ کے یہ شمشیر بگڑ جاتی ہے
جی میں آتا ہے کہ دشمن سے بدل کر دیکھوں　　پھر بھی بنتی ہے کہ تقدیر بگڑ جاتی ہے
میری وحشت کے اثر سے ہے غضب میں حداد　　طوق بنتا ہے تو زنجیر بگڑ جاتی ہے
اشک خون میں نہ بہا جوش جنون میں مائل　　رنگ بھرنے سے یہ تصویر بگڑ جاتی ہے

ہمت اگر ہو قطرے میں دریا سے جا ملے　　دل سے ہو جستجو تو ملے اور خدا ملے
لذت ملی ہے عشق کی اب اور کیا ملے　　وہ چیز مل گئی ہے کہ جس سے خدا ملے
اس شوق سے ملا ترے پیکاں سے دل مرا　　جس طرح باصفا سے کوئی باصفا ملے
کس کس سے انجمن میں اشارے نہیں ہوئے　　اب ان کی آنکھ ہم سے ملے بھی تو کیا ملے
مائل رہے ہو جو خدمت پیر مغاں میں تم　　ایسی بتاؤ راہ کہ جس سے خدا ملے

کہنے کو ہیں یہ آہ و فغاں تیرے واسطے　　کیا جانے کیا ہے دل میں نہاں تیرے واسطے
ایمان تیرے لیے دل و جان تیرے واسطے　　دونوں جہاں ہیں جان جہاں تیرے واسطے
بینا ہوئی ہے چشم ترے شوق دید میں　　گویا ہوئی ہے منہ میں زباں تیرے واسطے
ارض و سما کجا و سر لامکاں کجا　　آیا ہوں میں کہاں سے کہاں تیرے واسطے

جو دیکھنے کو وہ آئیں کسی بہانے سے　　تو سر کو پھوڑ رکھوں ان کے آستانے سے
کسی کی زیست سے مطلب نہ جان جانے سے　　انھیں تو کام ہے محفل میں مسکرانے سے

اشعار متفرق

تاثیر تو کرتی نہیں تدبیر کسی کی　　سینے سے لگی رہتی وہ تصویر کسی کی
سن لیتے ہیں وہ حال میرا کوئی سنائے　　گویا کہ سمجھتے نہیں تقریر کسی کی
کچھ کافر و دیندار جھگڑا ہی نہ رہتا　　کعبے میں لگا دیتے جو تصویر کسی کی

میں کیا کہوں کہ ہے یہ مزا کس کے واسطے　　درد و الم ہیں دل کے سوا کس کے واسطے
یہ بھی ہے آزمائش عاشق کی ایک طرز　　پردے سے ہے وہ جلوہ نما کس کے واسطے
مائل وہ بت ہے ایک ہی دنیا میں کج ادا　　کافر بنے ہو مرد خدا کس کے واسطے

کیا جانیے کیا چیز ہے یہ عشق کا غم بھی　　دیکھا ہے روتے ہوئے رونے لگے ہم بھی
امید کرم پر تری یاں تک تو ہیں گستاخ　　جھوٹی کبھی کھا لیتے ہیں ہم تیری قسم بھی
بتخانہ میں رہتے ہوئے مدت ہوئی مائل　　جی میں ہے کہ دیکھ آئیں کسی روز حرم بھی

یاد اس کی تو نہ ڈال رسوم و قیود میں　　اے شیخ کیا دھرا ہے رکوع و سجود میں
مجھ کو تو زندگی سے جبھی یاس ہو گئی　　اس نے دیا جو رنگ عدم کا وجود میں
عشاق کے ہے درپے آزار کیوں فلک　　ہم لوگ تو کسی کے زیاں میں نہ سود میں

دل میں نہ ولولہ ہو نہ مسجد میں غلغلہ   گر نام تجھ سے شوخ کا تکبیر میں نہ ہو
مانا کہ دل کشی ہے مگر محو، اس قدر   مائل خدا کے واسطے تصویر میں نہ ہو

میکدے میں جب آتے ہیں مائل   ساتھ اک کج کلاہ ہوتا ہے

پہلے ہی جام میں مائل جو گرے پڑتے ہو   یہ تو اچھی نظر آتی نہیں افتاد مجھے

کیا عجب ہے ہیں تو وہ مشہور اک عاشق مزاج   گر پرستش کرتے ہوں مائل کسی تصویر کی

مائل کے توبہ کرتے ہی کیا جانے کیا ہوا   رنداں بادہ خوار کی صحبت بگڑ گئی
سو سو طرح سے بات بنائی بگڑ گئی   ایک ان کے ساتھ ساری خدائی بگڑ گئی
غصے میں ہنس دیے جو وہ تلوار کھینچ کر   کہنے لگی ادا کہ لڑائی بگڑ گئی

فقط

انتخاب دیوان
سیماب اکبرآبادی

منزل ملی مراد ملی مدعا ملا　　　سب کچھ مجھے ملا جو ترا نقش پا ملا
سرگشتۂ جمال کی حیرانیاں نہ پوچھ　　　ہر ذرے کے حجاب میں اک آئینا ملا
پایا تجھے حدود تعین سے ماورا　　　منزل سے کچھ نکل کے ترا راستا ملا
یا زخم دل کو چھیل کے سینے سے پھینک دے　　　یا اعتراف کر کہ نشان وفا ملا
سیماب کو شگفتہ نہ دیکھا تمام عمر　　　کمبخت جب ملا ہمیں غم آشنا ملا

دل ربا عالم صورت میں ہے انسان کیا کیا　　　حسن ہے خاک کے پتلے میں نمایاں کیا کیا
جب تصور میں وہ ہمراہ ہوا کرتے ہیں　　　شعر کہتا ہے مرا قلب غزل خواں کیا کیا
ملتفت دیکھ کر احساس کرم کو سیماب　　　جمع ہے خاطر اندیشہ بد اماں کیا کیا

جب تک غم الفت کا عنصر نہ ملا ہوگا   انسان کے پہلو میں دل بن نہ سکا ہوگا
میں اور ترا سودا تو اور یہ استغنا   شاید مجھے فطرت نے مجبور کیا ہوگا
اک دائرہ ذروں کا خورشید طریقت تھا   شاید وہ تمھارا ہی نقش کف پا ہوگا
تم درد کے خالق ہو میں درد کا بندہ ہوں   جب نام لیا ہوگا دل تھام لیا ہوگا
سیماب جب اس دل میں تصویر نہیں ان کی   یہ آئینہ دھندلا ہے یہ آئینہ کیا ہوگا

قفس سے چھٹ کے بڑی دیر میں ٹھکانہ ملا   خیال سے بھی کہیں دور آشیانہ ملا
سنا ہے طور پہ تم بے حجاب آئے تھے   یہ رشک ہے کہ ہمیں کیوں نہ وہ زمانہ ملا
یہ میری تیرہ نصیبی یہ سادگی یہ فریب   گری جو برق میں سمجھا چراغ خانہ ملا
سرائے دہر میں سیماب دل لگا نہ سکا   سفر کی بات تھی سب سے مسافر نہ ملا

مرتب ہو کے اک محشر غبار دل سے نکلے گا   نیا اک کارواں گرد رہ منزل سے نکلے گا
ہمارے منہ سے اور شکوہ تمھارا ہو نہیں سکتا   تمھارا نام بھی شاید بڑی مشکل سے نکلے گا
نہ ہوگا گوشۂ دامن مرا وابستۂ منزل   نہ جب تک ہاتھ تیرا پردۂ منزل سے نکلے گا
مری آنکھیں ہیں بزم رنگ و بو میں منتظر تیری   نہیں معلوم تو کب تک حجاب دل سے نکلے گا
میں اپنے دل کو یوں پیش نظر سیماب رکھتا ہوں   کہ میرا چاند جب نکلا اسی منزل سے نکلے گا

پھر وہی شور جرس پھر ہے وہی بانگ درا   میں تو منزل پہ بھی آسودۂ منزل نہ ہوا
اے غم عشق ترے ظرف میں کچھ آگ بھی ہے   آنسوؤں سے تو علاج تپش دل نہ ہوا
ہائے وہ کشتۂ اغراض و ہوس اے سیماب   جس نے دی جان مگر عشق کے قابل نہ ہوا

تقدیر میں اضافۂ سوز وفا ہوا ‏ دل میں جو تم نے آگ لگادی تو کیا ہوا
کہتے ہیں جس کو موت ہے اک بےخودی کی نیند ‏ اس کو فنا کہاں ہے جو تجھ پر فنا ہوا
اے خادمانِ حسن یہ کیا انتظام ہے ‏ اب تک چراغ طور پڑا ہے بجھا ہوا
ہستی و نیستی کی حدیں دور رہ گئیں ‏ یہ آگیا کہاں میں تجھے ڈھونڈھتا ہوا

منہ سے دعا نکل ہی گئی وقت قتل بھی ‏ کہنا یہ تھا کہ حق محبت ادا ہوا
کیوں ہمنشیں یہی تو نہیں ساقی بہار ‏ جاتا ہے میکدہ سا ہوا پر اڑا ہوا
بحث نیاز و ناز تھی کل بزم حسن میں ‏ سیماب کچھ خبر نہیں کیا فیصلہ ہوا

بقدر شوق اقرار وفا کیا ‏ ہمارے شوق کی ہے انتہا کیا
دعا دل سے جو نکلے کارگر ہو ‏ یہاں دل ہی نہیں دل سے دعا کیا
جو کہتے ہیں اب اس میں کچھ نہیں ہے ‏ کوئی ان سے یہ پوچھے مجھ میں تھا کیا
نہ اس پر اختیار اپنا نہ اس پر ‏ سر آغاز و فکر انتہا کیا
سلامت دامن امید سیماب ‏ محبت میں کسی کا آسرا کیا

زنداں کائنات میں محصور کردیا ‏ محفل سے اپنی تم نے بہت دور کردیا
آتے ہو دینے دعوت دار و رسن ہمیں ‏ جب ہم نے ترک شیوۂ منصور کردیا
فطرت یہی ازل سے ہے برق جمال کی ‏ اس نے جسے تباہ کیا طور کردیا
تم نے ہمارے ظرف نظر پر نہ کی نگاہ ‏ سارے جہاں کو حسن سے معمور کردیا
سیماب کوئی مرتبہ منصور کا نہ تھا ‏ لفظ خودی کی شرح نے مشہور کردیا

وہاں ہم آرزوئے خواب عیش کیا کرتے — جہاں قیام بمقدار خواب ہو نہ سکا
اڑائے برق و گل ولالہ نے بہت خاکے — مگر کوئی مرے دل کا جواب ہو نہ سکا
سکوں پذیر جنون شباب ہو نہ سکا — شگفتہ موسم گل کامیاب ہو نہ سکا
بدل گئیں وہ نگاہیں یہ حادثہ تھا اخیر — پھر اس کے بعد کوئی انقلاب ہو نہ سکا
وہاں پیام کی گنجائشیں کہاں سیماب — جہاں سلام مرا مستجاب ہو نہ سکا

قبول حسن کوئی کام ہے گویا نہیں میرا — نہ ہنسنا دل نشیں میرا نہ رونا دل نشیں میرا
میں اکی روشنی میں ان کے جلوے دیکھ لیتا ہوں — چراغ طور سے کیا کم ہے داغ آستیں میرا
گذرگاہ جہاں سے بےتحاشا جارہا ہوں میں — نظر جمتی نہیں میری قدم رکتا نہیں میرا
میں جس میں آگ بھر کر عشق کی دن رات پیتا ہوں — کوئی چھو بھی نہیں سکتا وہ جام آتشیں میرا
چمن سے تاعدن سیماب ہے فیض سخن جاری — عرب بھی خوشہ چیں میرا عجم بھی خوشہ چیں میرا

کھل گیا آخر مرا راز نہان اضطراب — ہوگیا آخر میں رسوائے جہان اضطراب
قلب مضطر میں نہ تھی گنجائش طوفان غم — بڑھ گیا منزل سے آگے کاروان اضطراب
عندلیب عشق کو گلشن نہ تھا کوئی پسند — شاخ نخل دل پہ باندھا آشیان اضطراب
ہو رہے ہیں تذکرے میری دعائے سحر کے — کیا فرشتے بھی سمجھتے ہیں زبان اضطراب
ملنے والے کیوں نہ ہوں سیماب سن کر مضطرب — بیقرار ایسی زبان ایسا بیان اضطراب

عشق خود مائل حجاب ہے آج — حسن مجبور اضطراب ہے آج
میکدہ غم کدہ ہے تیرے بغیر — سرنگوں شیشہ شراب ہے آج
متغیر ہے عالم جذبات — کون اس دل میں یارب ہے آج

زندگی جس میں سانس لیتی تھی
وہ زمانہ خیال و خواب ہے آج
مٹ گئے دل کے ولولے سیماب
ختم افسانۂ شباب ہے آج

تا نہ آنے پائے کوئی خواب میں بھی سوئے دوست
رات بھر فرض تصور ہے طواف کوئے دوست
ہو چکا ہوں بارہا قدر نزاکت کا شہید
کر چکا ہوں امتحان قوت بازوئے دوست
بزم کثرت میں مری وحدت پرستی دیکھنا
اک نظر ہے سوئے دنیا اک نظر ہے سوئے دوست
کارفرمائے دو عالم ہیں اشارے دوست کے
دونوں عالم ہیں خراب جنبش ابروئے دوست
تکیۂ سر تھا کبھی سیماب زانو دوست کا
اب مرا سنگ لحد ہے تکیۂ زانوئے دوست

جسم پھر بنتے ہیں صرف خاکداں ہونے کے بعد
جمع پھر ہوتے ہیں ذرے رائیگاں ہونے کے بعد
پھر مجھے کرنا پڑا آغاز غم کا انتظار
شادمانی کیوں ملی ناشادماں ہونے کے بعد
شکوۂ ہمسایہ برحق اے دل غمگیں مگر
ہوش رہتا ہے کسے محو فغاں ہونے کے بعد

محبت میں اک ایسا وقت بھی آتا ہے انساں پر
ستاروں کی چمک سے چوٹ لگتی ہے رگ جاں پر
لہو سے میں نے لکھا تھا جو کچھ دیوار زنداں پر
وہ بجلی بن کے چمکا دامن صبح گلستاں پر
جب اے سیماب اٹھتے ہیں کبھی الہام کے بادل
برس جاتے ہیں کچھ نغمے مرے قلب غزل خواں پر

جو سالک ہے تو اپنے نفس کا عرفان پیدا کر
حقیقت تیری کیا ہے پہلے یہ پہچان پیدا کر
جہاں جانے کو سب دشوار ہی دشوار کہتے ہیں
وہاں جانے کا کوئی راستہ آسان پیدا کر
حقیقت کا کہے جو حال کر ایسی زباں پیدا
محبت کے سنیں جو گیت ایسے کان پیدا کر
حدود عالم تکویں میں سب ممکن ہی ممکن ہے
تو ناممکن کے جھگڑے میں نہ پڑ امکان پیدا کر

الٰہی بھید تیرے اس نے ظاہر کر دیے سب پر　　کہا تھا کس نے تو سیماب کو انسان پیدا کر

آ کہ ہستی بے لث بے گوش ہے تیرے بغیر　　کائنات اک محشر خاموش ہے تیرے بغیر
آ، کہ پھر دل میں نہیں اٹھتی کوئی موج نشاط　　سرد پانی بادۂ سرجوش ہے تیرے بغیر
نیند آ آ کر اُچٹ جاتی ہے تیری یاد میں　　تار بستر نشترِ آغوش ہے تیرے بغیر
جلوۂ ہر روز جو ہر صبح کی قسمت میں تھا　　اب وہ اک دھندلا سا خواب دوش ہے تیرے بغیر
زندگی تجھ سے عبارت تھی مگر جب تو نہیں　　زندگی کا اپنی کس کو ہوش ہے تیرے بغیر
آ، کہ موضوعِ غزل کو ڈھونڈھتی ہے ہر نگاہ　　نغمۂ مطرب بلائے گوش ہے تیرے بغیر
کیا خبر سیماب کب گھبرا کے دے دے اپنی جان　　ضبط گو اب تک تحمل کوش ہے تیرے بغیر

مجھے فکر و سرِ وفا ہے ہنوز　　بادۂ عشق نارسا ہے ہنوز
او نظر دل سے پھیرنے والے　　دل تجھی پر مٹا ہوا ہے ہنوز
ساری دنیا ہو ناامید تو کیا　　مجھے تیرا ہی آسرا ہے ہنوز
آستاں سے ابھی نظر نہ ہٹا　　کوئی تقدیر آزما ہے ہنوز
محویت بے سبب نہیں سیماب　　روح پر کوئی چھا رہا ہے ہنوز

کوئی در ہے نہ کوئی سجدہ نواز　　یہ کہاں جھک گئی جبینِ نیاز
رفتہ رفتہ سمجھ میں آئے گا　　میرا نغمہ ہے دور کی آواز
اپنی نظروں پر اعتبار نہ کر　　ہیں مظاہر یہاں بصیغۂ راز

دے اب تو نہ مجھے طعنہ ہوش　　لے تجھ کو بھی کر دیا فراموش
فرقت تیری موت سے کم نہیں　　ہے قبر کی طرح رات خاموش

ہے اب بھی تصور ان کا سیماب
فردوس نظر بہار آغوش

کبھی مصر کی نکہت نازنیں تم
کبھی طور کا جلوۂ سرگیں تم
کہیں حسن کی تم ہو رنگیں بشارت
کہیں عاشقی کا پیام حسیں تم
کبھی پھول بن کر کبھی اشک بن کر
ہو رنگینیِ دامن دم و آستیں تم
غرض یہ کہ اٹھیں جدھر بھی نگاہیں
بصد رنگ و بو جلوہ گر تھے تمھیں تم
تمھارا ہی سیماب ہے عکس لرزاں
ہو سیماب کے دل میں خلوت گزیں تم

ضبط سے نا آشنا ہم صبر سے بیگانہ ہم
کیوں کسی سے مانگنے جائیں چراغ خانہ ہم
خود ہی سازِ بیخودی کو چھیڑ دیتے ہیں کبھی
خود ہی سنتے ہیں حدیث ساغر و پیمانہ ہم
دفعتاً ساز وہ عالم بے صدا ہو جائے گا
کہتے کہتے رک گئے جس دن تیرا افسانہ ہم
شمع ایوان حرم ہو یا چراغ طاق دیر
ہم کو دونوں سے تعلق ہے کہ ہیں پروانہ ہم
دل جلا پھر خود جلے پھر ساری دنیا جل اٹھی
سوز لائے تھے بمقدار پر پروانہ ہم
جب ہمیں دیوانہ بننا ہے تو کیسی مصلحت
مصلحت کو بھی بنالیں گے ترا دیوانہ ہم
بس کہ ہے سیماب بے مہری یگانوں کا شعار
ہیں رہینِ التفات خاطر بیگانہ ہم

اجازت دے کہ اپنی داستانِ غم بیاں کرلیں
ترے احساس اور اپنی زباں کا امتحاں کرلیں
حیات جاوداں بھی عشق میں برباد کرلیں گے
متاع ہستی فانی تو پہلے رائیگاں کرلیں
یہ سازش کر رہے ہیں چند تنکے آشیانے کے
کہ بجلی کو کسی صورت اسیر آشیاں کرلیں
شب غم اے تصور ان کو مجبور تبسم کر
مرتب اس اجالے میں ہم اپنی داستاں کرلیں
ٹھکانا ہو کہاں سیماب پھر ناز آفرینی کا
اگر ہم اپنے دل کو بے نیاز دو جہاں کرلیں

عزم فریاد انھیں اے دل ناشاد نہیں　　مسلک اہل وفا ضبط ہے فریاد نہیں
حاصل عشق بجز خاطر ناشاد نہیں　　یہ غنیمت ہے کہ محنت مری برباد نہیں
اے مری نیند تمنا کے بڑھانے والے　　غیر محدود ترے حسن کی میعاد نہیں
بزم افسانہ کرو ختم جوانی گذری　　قابل ذکر اب آگے کوئی روداد نہیں
موت ہے روح کی معراج تو پھر اے سیماب　　یہ غلو ہے میری دانست میں افتاد نہیں

جس جگہ جمع ترے خاک نشیں ہوتے ہیں　　غالباً سب میں نمودار ہمیں ہوتے ہیں
دردسر ان کے لیے کیوں ہے مرا عجز و نیاز　　میرے سجدوں سے وہ کیوں چیں بجبیں ہوتے ہیں
ان کی محفل سے تصور کا تعلق ہے ہمیں　　آنکھ کر لیتے ہیں جب بند وہیں ہوتے ہیں
تیرے جلووں نے مجھے گھیر لیا ہے اے دوست　　اب تو تنہائی کے لمحے بھی حسیں ہوتے ہیں
اعتکاف ان دنوں ہے فرض سنا ہے سیماب　　رمضاں آ گئے میخانہ نشیں ہوتے ہیں

حد ہو کوئی تو صبر ترے ہجر پر کریں　　آخر ہم ایک حال میں کب تک بسر کریں
اہل نظر وسیع گر اپنی نظر کریں　　ذرے نقاب الٹ کے تجھے جلوہ گر کریں
فطرت ہر اعتبار سے ہے ہمنوائے حسن　　آمین تم کہو تو دعائیں اثر کریں
تم نے تو اپنے حسن کو محفوظ کر لیا　　ہم کس کے ساتھ عمر محبت بسر کریں
سیماب ہم میں عیب و ہنر خود ہیں بے حساب　　ہم کیا کسی کے عیب و ہنر پر نظر کریں

کھو کر تری گلی میں دل بے خبر کو میں　　فکر خودی سے چھوٹ گیا عمر بھر کو میں
سازش بقدر ربط تھی طور و جمال میں　　سمجھا ہوں آج عقدۂ سنگ و شرر کو میں
اب ہے تو مستقل ہو فروغ شب وصال　　ایسا نہ ہو چراغ جلاؤں سحر کو میں

صحرا سے بار بار وطن کون جائے گا   کیوں اے جنوں یہیں نہ اٹھا لاؤں گھر کو میں
جھوما کیا سرور سے سیماب رات بھر   دیکھا کیا کسی کی نشیلی نظر کو میں

جو عمر تری طلب میں گنوائے جاتے ہیں   کچھ ایسے لوگ بھی دنیا میں پائے جاتے ہیں
لگاؤ ہے مری تنہائیوں سے فطرت کو   تمام رات ستارے جگائے جاتے ہیں
سمائی جاتی ہیں دل میں وہ کفر بار آنکھیں   یہ بتکدے مرے کعبے پہ چھائے جاتے ہیں
سمجھ حقیر نہ ان زندگی کے لمحوں کو   ارے انھیں سے زمانے بنائے جاتے ہیں
ہیں دل کے داغ بھی کیا دل کے داغ اے سیماب   ٹپک رہے ہیں مگر مسکرائے جاتے ہیں

فطرت سے چوک ہو گئی میرے خیال میں   ہلکا سا رنگ عشق بھی ہوتا جمال میں
دنیا ہے خواب حاصل دنیا خیال ہے   انسان خواب دیکھ رہا ہے خیال میں
سیماب اجتہاد ہے حسن طلب مرا   ترمیم چاہتا ہوں مذاق جمال میں

محفل عشق میں جب نام ترا لیتے ہیں   پہلے ہم ہوش کو دیوانہ بنا لیتے ہیں
روز اک درد تمنا سے نیا لیتے ہیں   ہم یوں ہی زندگی عشق بڑھا لیتے ہیں
دیکھتے رہتے ہیں چھپ چھپ کر مرقع تیرا   کبھی آتی ہے ہوا بھی تو چھپا لیتے ہیں
رنگ بھرتے ہیں وفا کا جو تصور میں ترے   تجھ سے اچھی تری تصویر بنا لیتے ہیں
دے ہی دیتے ہیں کسی طرح تسلی سیماب   خوش رہیں وہ جو مرے دل کی دعا لیتے ہیں

دامان خشک وادی سینا سے کم نہیں   آنسو کی آبرو ید بیضا سے کم نہیں
یارب مری جبیں ہے کہ اک رہگذار حسن   ہر داغ سجدہ نقش کف پا سے کم نہیں

سیماب دل حوادث دنیا سے بجھ گیا
اب آرزو بھی ترک تمنا سے کم نہیں

آؤ پھر زندگی بیدار عشق میں پیدا کریں
طور کی مٹی سے تخلیق ید بیضا کریں

حسن میں ہو شوق کی بو عشق میں ہو رنگ حسن
پھر مرتب رنگ و بو لمحے نو سے اک دنیا کریں

جتنے نغمے ہو چکے ہیں گم فضائے دہر میں
ان کو پھر آواز دیں اک ساز میں یکجا کریں

مل چکے ہیں خاک میں جو ٹوٹ کر پھولوں کے جام
ان کو دست شاخ میں پھر ساغر و مینا کریں

زندگی دو دن کی اس پر یہ جہاں ایجادیاں
اہتمام اتنا کریں سیماب اور پھر کیا کریں

رسائی ان کو نالۂ دل کی خبر تو ہو
یعنی اثر نہ ہو تو فریب اثر تو ہو

ہم بھی تمہاری بزم میں ہیں درخور کرم
اچھا وہ مستقل نہ سہی اک نظر تو ہو

کیا فرض ہے کہ ہم نہ ہوں تقدیر آزما
دنیا پڑی ہوئی ہے در یار پر تو ہو

سب کہہ رہے ہیں ہم پہ گراں ہے شب فراق
اس کا بھی کچھ علاج کریں گے سحر تو ہو

سیماب آدھی رات کو آئیں وہ بیقرار
تیری دعائے نیم شبی میں اثر تو ہو

تو بے نقاب ہے آئینہ تجھ کو تکتا ہے
سنبھل! سنبھل!! یہ ستم کون دیکھ سکتا ہے

بتائیں تو مری ہستی بگاڑنے والے
بگاڑ کر کوئی مجھ کو بنا بھی سکتا ہے

تصورات کی خلوت میں کر تلاش اس کو
تحیرات کی دنیا میں کیوں بھٹکتا ہے

تجھے نہ دیکھ سکوں میں تو کچھ ملال نہیں
یہی بہت ہے کہ تو مجھ کو دیکھ سکتا ہے

گیا شباب بھی پیری بھی آ گئی سیماب
مگر یہ تکیہ پہلو کہیں سرکتا ہے

چھپاتا ہوں مگر چھپتا نہیں درد نہاں پھر بھی
نگاہ یاس ہو جاتی ہے دل کی ترجماں پھر بھی

غم واماندگی سے بے نیاز ہوش بیٹھا ہوں
چلی آتی ہے آواز درائے کارواں پھر بھی

حجاب اندر حجاب امواج طوفان تجلی ہیں
فروغ شمع سے پروانہ ہے آتش بجاں پھر بھی

اشاروں سے نگاہوں سے بہت کچھ منع کرتا ہوں
قفس ہی پر جھکی پڑتی ہے شاخ آشیاں پھر بھی
بہت دلچسپ ہے سیماب شام وادیٔ غربت
وطن کی صبح میں کچھ اور تھیں رنگینیاں پھر بھی

وہ جب رنگ پریشانی کو خلوت گیر دیکھیں گے
تو اپنے ہر تصور میں مری تصویر دیکھیں گے
سنا ہے حسن کو دو چند کر دیتا ہے یہ شیشہ
لگا کر اپنے دل میں آپ کی تصویر دیکھیں گے
وفا کا تذکرہ کیا اب تو یہ ارشاد ہے ان کا
کہ تم نالہ کرو ہم گرمیٔ تاثیر دیکھیں گے
شکستہ بزدلی ہے بزدلی میں دل کے ٹکڑے ہیں
بڑی عبرت سے دیوانے مری زنجیر دیکھیں گے
خیال و نشر فکر اے سیماب لاحاصل
کہ ہے تقدیر میں جو کچھ بہر تقدیر دیکھیں گے

جو انساں باریاب پردۂ اسرار ہو جائے
تو اس باطل کدے میں زندگی دشوار ہو جائے
یہ دنیائے وفا دنیائے بے آزار ہو جائے
مجھی پر کیوں نہ تکمیل جفائے یار ہو جائے
جو ظلمت میں بھی تنویر حقیقت دیکھنا چاہے
وہ میری طرح پچھلی رات سے بیدار ہو جائے
غرور حسن بھی میرے لیے جز و ادا ٹھہرے
مرا احساس بھی تیرے لیے پندار ہو جائے
غم پنہاں سے دم گھٹتا ہے اے سیماب کیا کہیے
خدا ایسا کرے یہ قابل اظہار ہو جائے

بدن سے روح رخصت ہو رہی ہے
مکمل قید غربت ہو رہی ہے
میں خود ترک تعلق پر ہوں مجبور
کچھ ایسی ہی طبیعت ہو رہی ہے
جفا ان کی دل زود آشنا پر
بہ مقدار محبت ہو رہی ہے
خدا سے مل گیا ہے حسن کافر
خدائی پر حکومت ہو رہی ہے
نہیں تنہائی زنداں مکمل
مجھے سایہ سے وحشت ہو رہی ہے
یہ تم ہنس ہنس کے باتیں کر رہے ہو
کہ تقسیم جراحت ہو رہی ہے

اگر مشرب نہیں بدلا ہے سیماب　　تو کیوں تجدید بیعت ہو رہی ہے

اب اسے بے درد کیا اس کے لیے ارشاد ہوتا ہے　　پھر اپنی خاک سے پیدا دل برباد ہوتا ہے
تصور جب انہیں خاطر ناشاد ہوتا ہے　　جہانِ دل تری تصویر سے آباد ہوتا ہے
اسیران وفا گھبرائیں کیوں تجویز زنداں سے　　یہیں تو امتحان فطرتِ آزاد ہوتا ہے
جگہ ملتی نہیں جس کو شب غم حشر دل میں　　وہ ہنگامہ لب خاموش میں آباد ہوتا ہے
بہار آئی ہے استقبال کرنے باب زنداں تک　　نہیں معلوم سیماب آج کون آزاد ہوتا ہے

کمال علم و تحقیق مکمل کا یہ حاصل ہے　　ترا ادراک مشکل تھا، ترا ادراک مشکل ہے
یہ ویرانی تصور کی وہ رنگینی خیالوں کی　　کبھی محفل میں خلوت ہے کبھی خلوت میں محفل ہے
وہ آئینہ ہو یا ہو پھول تارہ ہو کہ پیمانہ　　کہیں جو کچھ بھی ٹوٹا میں یہی سمجھا مرا دل ہے
اجالا ہو تو ڈھونڈوں دل بھی پروانوں کی لاشوں میں　　مری بربادیوں کو انتظار صبح محفل ہے
وہ دل لے کر نہیں، یہ دل نہ سمجھیں ان سے کہہ دینا　　جو ہیں مارے ہوئے نظروں کے ان کی ہر نظر دل ہے
وہ اے سیماب کیوں سرگشتۂ تسنیم و جنت ہو　　میسر جس کو سیر تاج ہے جمنا کا ساحل ہے

نہ وہ شور طور و کلیم ہے نہ وہ زور برق و شرار ہے　　دل ناشکیب کو کیا کروں کہ ہلاک جلوۂ یار ہے
شب عیش ختم ہے بلبلو چلو چھپ کے پھولوں میں سو رہو　　کہیں راز دوش نہ فاش ہو کہ قریب صبح بہار ہے
اٹھے ابر بن کے چار سو ہوا صاف مشرق رنگ و بو　　مگر ایک مطلع آرزو کہ اسیر گرد و غبار ہے
نہ غرض حرم کے وقار سے نہ صنم کدے کی بہار سے　　ہمیں کام ہے در یار سے، در یار پھر در یار ہے
یہ تمام شعبدے وارثی ہیں فقط نشاط نظر مری　　نہ خزاں پہ ہے مری دسترس نہ بہار میری بہار ہے

اب وہاں دامن کشی کی فکر دامن گیر ہے　　یہ مرے خواب محبت کی نئی تعبیر ہے

شمع بھی پر سوز ہے پروانہ بھی دلگیر ہے
تیری محفل کیا ہے غم خانے کی اک تصویر ہے

کچھ تجھے معلوم ہے اے خوش نصیب حسن و عیش
عہد میں تیرے کوئی آزردۂ تقدیر ہے

عمر بھر مجھ سے خطا ہوگی کہ میں انسان ہوں
فطرت عاصی مری پروردۂ تقصیر ہے

یہ شراب عشق اے سیماب ہے پینے کی چیز
تند بھی ہے بدمزہ بھی ہے مگر اکسیر ہے

جس کو غرور ضبط ہے وہ بھی خراب ہے
کتنی تری ادائے ستم کامیاب ہے

اس حسن سے میں حشر میں فریاد کش ہوا
سمجھا ہر اک حسین کہ مجھی سے خطاب ہے

کنعاں کی برق حسن تڑپتی ہے مصر میں
کتنا وسیع سلسلۂ اضطراب ہے

بہار تیرے لیے وقف آرزو ہوجائے
وہ پھول بن کہ گلستاں میں تو ہی تو ہوجائے

نشاط حسن ہو جوش وفا ہو یا غم عشق
ہمارے دل میں جو آئے وہ آرزو ہوجائے

چھپائیں اس نے جو اپنی حقیقتیں سیماب
یہ مدعا تھا کہ محو مجاز تو ہوجائے

وسعتیں محدود ہیں ادراک انساں کے لیے
ورنہ ہر ذرہ ہے دنیا چشم عرفاں کے لیے

اے خزاں تو شوق سے سارا چمن برباد کر
چند پھانسیں چھوڑ جا میری رگ جاں کے لیے

دور پہنچیں شہرتیں رفتار سحر آثار کی
کھل گئے رستے ترے حسن خراماں کے لیے

پھول گلشن کے نہیں تو خاک صحرا ہی سہی
کچھ نہ کچھ تو چاہیے تسکین داماں کے لیے

اس لیے دیتا ہوں دل تم کو کہ لو اور بھول جاؤ
میں نے اک تصویر دی ہے طاق نسیاں کے لیے

دھجیاں اڑنے کو اے سیماب وسعت چاہیے
ہے کوئی میدان آشوب گریباں کے لیے

یہ دور ترقی ہے رفعت کا زمانہ ہے
ذروں کو اٹھانا ہے تاروں سے ملانا ہے

آغوش تصور ہے اور نقش جمیل ان کا — دوری ہے نہ مجبوری آنا ہے نہ جانا ہے
نیرنگ محبت ہے ہر راز مرے دل کا — چپ ہوں تو حقیقت ہے کہہ دوں تو فسانا ہے
ارمان تجلی کا کوتاہ بھی کر قصہ — اے دوست تجھے آخر اک دن نظر آنا ہے
کیا شعبدہ ساماں ہے سیماب زمانہ بھی — ہر شخص سمجھتا ہے میرا ہی زمانہ ہے

نہ وہ فریاد کا مطلب نہ منشائے فغاں سمجھے — ہم آج اپنی شب غم کی غلط سامانیاں سمجھے
بڑی مشکل سے ان کا راز الفت ہو سکا پنہاں — بڑی مدت میں جا کر ہم مزاج راز داں سمجھے
اب آیا ہے تو بیٹھے چارہ گر خاموش بالیں پر — مری بے چینیاں دیکھے مری بے تابیاں سمجھے
پیام شادمانی کیا سمجھ کر دے کوئی اس کو — جو تیرے غم کو تکمیل نشاط دو جہاں سمجھے
میں اس دنیا میں اے سیماب اک راز حقیقت تھا — سمجھنے کی طرح اہل جہاں مجھ کو کہاں سمجھے

چمک جگنو کی برق بے اماں معلوم ہوتی ہے — قفس میں رہ کے قدرِ آشیاں معلوم ہوتی ہے
کہانی میری روداد جہاں معلوم ہوتی ہے — جو سنتا ہے اسی کی داستاں معلوم ہوتی ہے
خزاں کے وقت بھی خاموش رہتی ہے فضا ساری — چمن کی پتی پتی راز داں معلوم ہوتی ہے
وہ کثرت ہے تلاطم کی کہ اب جو کچھ ہے دریا ہے — مری کشتی بھی اک موجِ رواں معلوم ہوتی ہے
ترقی پر ہے روز افزوں خلش دردِ محبت کی — جہاں محسوس ہوتی تھی وہاں معلوم ہوتی ہے
قفس کی تیلیوں میں جانے کیا ترکیب رکھی ہے — کہ ہر بجلی قریب آشیاں معلوم ہوتی ہے
نہ کیوں سیماب مجھ کو قدر ہو ویرانیٔ دل کی — یہ بنیادِ نشاط دو جہاں معلوم ہوتی ہے

ناحق شکایتِ غمِ دنیا کرے کوئی — غم ہے بڑی خوشی جو گوارا کرے کوئی
رگ رگ میں دل کی جذب ہے اک محشر امید — اندازۂ ہجومِ تمنا کرے کوئی
ہے ان کے آستاں پہ ہجوم غرور و ناز — گنجائش جبیں ہو تو سجدا کرے کوئی

یوسف غیور فطرت یوسف غیور تر　　کیا اعتبار خواب زلیخا کرے کوئی
ہر شخص ہے خراب تمنا بقدر ذوق　　سیماب کس سے عرض تمنا کرے کوئی

جہانِ رنگ بو میں مستقل تخلیق مستی ہے　　چمن میں رات بھر فتی ہے اور دن بھر برستی ہے
نگاہِ عشق و چشم حسن وہ ساون کے بادل میں　　یہ جب ملتے ہیں دل پر ایک بجلی سی برستی ہے
اگر ہے زندگی منظور، بے سوچے فنا ہو جا　　مذاقِ عاشقی میں نیستی کا نام ہستی ہے
یکا یک پھر چراغ امید کے ہونے لگے روشن　　یہ صبح روز محشر ہے کہ شام صبح ہستی ہے
خدا سے حکم تنسیخ اجل مانگیں گے محشر میں　　مگر سیماب یہ تو قصۂ مابعد ہستی ہے

دنیا کہ ایک شعبدۂ اعتبار ہے　　خواب تعینات و سراب بہار ہے
چمکا سواد گور پہ تارا جو بعد شام　　میں نے سمجھ لیا کہ چراغ مزار ہے
آزردۂ خزاں سے یہ کہہ دو کہ شام غم　　دیباچۂ فسانۂ صبح بہار ہے
میں دیکھتا ہوں آپ کو حدِ نگاہ تک　　لیکن مری نگاہ کا کیا اعتبار ہے
سیماب صورت نغمہ ہو یا ہو نوائے غم　　مقصود ایک نالۂ بے اختیار ہے

شام فرقت انتہائے گردش ایام ہے　　جتنی صبحیں ہو چکی ہیں آج سب کی شام ہے
کوئے جاناں دیکھ کر جنت سے یوں مایوس ہوں　　پوچھتا پھرتا ہوں کیا جنت اسی کا نام ہے
اس طرح دنیا ہے اک معمورۂ ناز و نیاز　　ذرے ذرے پر مرا سجدہ تمھارا نام ہے
اللہ اللہ یہ تغافل اور اس پر یہ غرور　　کیا مجھے ناکام کر دینا بھی کوئی کام ہے
ہاں نہیں سیماب مجھ کو اپنی ہستی پر غرور　　جانتا ہوں میں مری دنیا فنا انجام ہے

جب ازل میں دل ملا کونین کا حاصل مجھے　　شور برپا ہو گیا اک دل مجھے اک دل مجھے

ہوش کی دنیا جہانِ خواب بن کر رہ گئی اک نظر ہستی ہوئی سی کر گئی غافل مجھے
اضطرابِ دل سے اے سیماب کیوں گھبراؤں میں کچھ سمجھ کر ہی دیا ہے اضطرابِ دل مجھے

ہستی کو مری ہستیٔ پیمانہ بنا دے اے بے خبری حاصلِ میخانہ بنا دے
طالب ہوں میں اس ایک نگاہ دواثر کا جو ہوش میں لاکر مجھے دیوانہ بنا دے
اے برہمن اک دن بت پندار کو اپنے توڑ اور چراغ درِ بت خانہ بنا دے
کہہ دو کہ بہار آئے تو بیکار نہ بیٹھے دیوانہ بنے یا مجھے دیوانہ بنا دے
دیوانگیٔ عشق بڑی چیز ہے سیماب یہ اس کا کرم ہے جسے دیوانہ بنا دے

جرس ہے کارواں اہل عالم میں فغاں میری جگا دیتی ہے دنیا کو صدائے الاماں میری
تصور میں وہ کچھ برہم سے ہیں کچھ مہرباں سے ہیں انھیں شاید سنائی جا رہی ہے داستاں میری
ہر اک ذرہ ہے صحرا اور ہر صحرا ہے اک دنیا مگر اس وسعتِ عالم میں گنجائش کہاں میری
مری حیرت پہ وہ تنقید کی تکلیف کرتے ہیں جنھیں یہ بھی نہیں معلوم نظریں ہیں کہاں میری
مسلسل تھا فریب خواب گاہِ عالمِ فانی مگر سوتا رہا چلتی رہی عمرِ رواں میری
وہی لمحہ دردِ ناگہاں کا ان کے ہو شاید جتا کر آئے جب بھی آئے مرگ ناگہاں میری
مذاق ہمزبانی کو نہ ترسوں باغِ جنت میں کوئی سیماب حوروں کو سکھا دیتا زباں میری

یوں طواف بارگاہ ناز ہونا چاہیے آنکھ میں بھی پاؤں کا انداز ہونا چاہیے

ادراک خود آشنا نہیں ہے ورنہ انساں میں کیا نہیں ہے
کیا ڈھونڈنے جاؤں میں کسی کو اپنا مجھے خود پتہ نہیں ہے
کیوں جام شراب ناب مانگوں ساقی کی نظر میں کیا نہیں ہے

حسن اور نوازش محبت
ایسا تو کبھی ہوا نہیں ہے
سیماب چمن میں جوش گل سے
گنجائش نقش پا نہیں ہے

ختم اس طرح نزاع حق و باطل ہوجائے
اک طرف دونوں جہاں ایک طرف دل ہوجائے
دل میں شورش جذبات وہ گرمی نہ رہی
اب یہ شاید نگہ دوست کے قابل ہوجائے
جانتا ہوں کہ وفا جی سے گذرنا ہے مگر
یوں نہ دے طعن کہ جینا مجھے مشکل ہوجائے
دو جہاں ترک محبت میں کیے تیرے لیے
اور بیزار جو تجھ سے بھی مرا دل ہوجائے
قدر انساں ہے ابھی بزم عدم میں سیماب
کیوں وہ دنیا میں رہے جو کسی قابل ہوجائے

رنگ نوائے عشق ہوں دل کو مرے قرار دے
خاطر غم شکار دے فکر شکستہ کار دے

افسوس گذر گئی جوانی
وہ لمحۂ کیف و شادمانی
کیا آگئی نیند اہل محفل
کہنی تھی ہمیں بھی اک کہانی
میں حسن وفا کی زندگی تھا
تم نے مری قدر ہی نہ جانی
اب تک ایمن کی وادیوں سے
آتی ہے صدائے لن ترانی
سیماب کرو اب اللہ اللہ
تاچند یہ ماتم جوانی

انجام ہر اک شے کا بجز خاک نہیں ہے
کیا ہے جو یہ عالم خس وخاشاک نہیں ہے
کہہ دو وہ ستا کر مجھے بے فکر نہ بیٹھیں
میرے ہی لیے گردش افلاک نہیں ہے
آنکھوں سے ہر اک پردۂ موہوم ہٹا دے
اتنی نگہ شوق ابھی چالاک نہیں ہے
کر چاک گریباں سے نہ اندازۂ وحشت
دیوانے ابھی دامن دل چاک نہیں ہے

سیماب دعا کیجیے کیا صبر و سکوں کی　　شائستہ تسکین دل غمناک نہیں ہے

خود اٹھ کے ہاتھ میرے گریباں میں آ گئے　　شاید قدم جنوں کے گلستاں میں آ گئے
اس کے سوا بتائیں اسیری کا کیا سبب　　گھبرائے انجمن سے تو زنداں میں آ گئے
کیا ہوگا چاند پھولوں سے اے موسم بہار　　یہ تو ہمارے گوشہ داماں میں آ گئے
جوشِ بہار اور یہ بے اختیاریاں　　سوئے چمن چلے تھے بیاباں میں آ گئے
سیماب کبر و ناز کا انجام کچھ نہ پوچھ　　سب رفتہ رفتہ گور غریباں میں آ گئے

دل تیرے تغافل سے خبردار نہ ہو جائے　　یہ فتنہ کہیں خواب سے بیدار نہ ہو جائے
مدت سے یہی پردہ یہی پردہ دری ہے　　ہو کوئی تو پردہ سے نمودار نہ ہو جائے
مجھ سے مرا افسانہ ماضی نہ سنو تم　　افسانہ نیا پھر کوئی تیار نہ ہو جائے
اے مستی الفت سبق کفر دیے جا　　جب تک مجھے ہر چیز سے انکار نہ ہو جائے
ہونا ہے جو ہستی کو مری خاک ہی سیماب　　پہلے ہی سے کیوں خاک در یار نہ ہو جائے

کیف خودی سے مست ہوں دعوت بیخودی دے　　ذہن فریب خوردہ کو زحمتِ آگہی نہ دے

انتخاب

بادۂ دوشیں 1909 تا 1918

عجب معاملہ بالائے طور تو نے کیا — شرار وسنگ میں چھپ کر ظہور تو نے کیا
مسلط اس پہ رہیں قوتیں عناصر کی — یہ انتظام دل ناصبور تو نے کیا
بشر سے کیوں ہے گلہ تیری کبریائی کو — بشر کو مائل کبر و غرور تو نے کیا
دکھا کے حسن کے پردوں میں اپنے نقش ونگار — ہلاک جلوۂ نور و ظہور تو نے کیا
قصور ہی پہ کرم کی اساس ہے سیماب — قصور اگر نہ کیا تو قصور تو نے کیا

یہ کس کافر نے لیں انگڑائیاں صحن گلستاں میں — قیامت چھپتی پھرتی ہے گلوں کے چاک داماں میں
جفاؤں کی ندامت بھی وفاؤں سے خجالت بھی — سبھی کچھ ہے تری نظروں کے انداز پشیماں میں
یہ اچٹی اچٹی نظریں اور بھی بے چین کرتی ہیں — وہ نشتر چاہیے جو جذب ہو جائے رگ جاں میں
تمھارے پاؤں پڑنے کے لیے بے چین ہیں روحیں — تمھارا پاؤں پڑتا ہی نہیں گور غریباں میں
کوئی سیماب سا دیوانہ شاعر تم نے دیکھا ہے — مذاق درد سے خالی نہیں اک شعر دیواں میں

وہ کن لفظوں میں صرف التجا ہو — جو خود نا آشنائے مدعا ہو

سبکدوش نظام آشیاں ہوں   الٰہی برق و باراں کا بھلا ہو
وہ کیوں آئے فریب ابتدا میں   جسے معلوم اپنی انتہا ہو
وہیں بزم عزائے دل ہو قائم   جہاں خاکستر اہل وفا ہو
یہ شور ہو یہ جوش نالہ سیماب   ابھی رگ کوئی کھل جائے تو کیا ہو

یہ تصور کو شیاں ہیں خاطر دلگیر کی   منہ سے بول اٹھی ہے خاموشی تری تصویر کی
دل کے ٹکڑے لیے بیٹھی ہے حسرت گور میں   آج بزم درد میں دعوت ہے کس کے تیر کی
کیا قیامت تھی ترے حسن تبسم کی ادا   مسکرا کر رہ گئی افسردگی تقدیر کی
ضبط کے پردے پڑے ہیں اور خلش ہے پاسباں   دل کا ہر ٹکڑا ہے خلوت گاہ تیرے تیر کی
اکبرآبادی ہوں اے سیماب میرے شعر میں   رنگ غالب کا ہے شوخی ہے زبان میر کی

یہ کس نے شاخ گل لاکر قریب آشیاں رکھ دی   کہ میں نے شوق گل بوسی میں کانٹوں پر زباں رکھ دی
سنا تھا قصہ خواں کوئی نیا قصہ سنائے گا   ہمارے منہ پہ ظالم نے ہماری داستاں رکھ دی
خلوص دل سے سجدہ ہو تو اس سجدے کا کیا کہنا   وہیں کعبہ سرک آیا جبیں ہم نے جہاں رکھ دی
اٹھایا میں نے شام ہجر لطف گفتگو کیا کیا   تصور نے تری تصویر کے منہ میں زباں رکھ دی

کب تک دل مایوس کو برباد کریں گے   اب ہم تری امید سے فریاد کریں گے
کعبے پہ ہی موقوف نہیں ضد ہے بتوں کو   جس گھر میں رہیں گے اسے برباد کریں گے
سیماب مری قدر کریں یا نہ کریں آج   مرنے پہ ضرور اہل وطن یاد کریں گے

بڑی دلچسپیوں سے صبح شام زندگی ہوگی   میں دیکھوں گا انھیں اور ساری دنیا دیکھتی ہوگی
کچھ ایسے درد سے فرقت میں میں نے ہاتھ اٹھائے ہیں   دعا بھی کامیابی کی دعائیں مانگتی ہوگی
سر محشر حجاب و شوق کا اک معرکہ ہوگا   انھیں اپنی پڑی ہوگی مجھے اپنی پڑی ہوگی

نہ کرتے حشر کو رسوا کبھی دن کے اجالے میں
خبر کیا تھی تری فرقت کی رات اتنی بڑی ہوگی
تعجب کیا لگے گر آگ اے سیماب سینے میں
ہزاروں دل میں انگارے بھرے تھے لگ گئی ہوگی

کہانی کہنے والے ہائے کیوں ذکر جوانی ہے
جوانی کی کہانی کیا جوانی خود کہانی ہے
کھنچا جائے جہاں تک ہم سے کھچ کر بیٹھ جاؤ تم
ہمیں آج اپنے جذب دل کی قوت آزمانی ہے
فنا دراصل ہے جذبات کا افسردہ ہو جانا
نہ میرا عشق فانی ہے نہ ترا حسن فانی ہے
حیات نو ہے میرا ہر نفس عمر محبت میں
غم یک لحظہ بھی مجھ کو نشاط جاودانی ہے
پھر آخر بتکدے سے آ گیا سیماب مسجد میں
وہی پھر سجدہ بازی ہے وہی تسبیح خوانی ہے

حیرت جلوہ گری مہر لب خاموش ہے
آنکھ محو دید تھی اتنا مجھے بھی ہوش ہے
جوش عصیاں سے زیادہ رحمتوں میں جوش ہے
میں ندامت کوش ہوں مولا ندامت پوش ہے
بے سوالی پر مری آخر انھیں رحم آ گیا
حسرت دیدار ممنونِ لب خاموش ہے
تیری زلفیں بھی نہ نکلیں تھیں سوادِ حسن سے
حسرتِ آوارہ جب سے خانماں بردوش ہے
ہم ملے تھے ایک دن سیماب سے یادش بخیر
آدمی خوش فکر ہے خوش وضع ہے خوش پوش ہے

غم مجھے حسرت مجھے وحشت مجھے سودا مجھے
ایک دل دے کر خدا نے دے دیا کیا کیا مجھے
ہے حصول آرزو کا راز ترک آرزو
میں نے دنیا چھوڑ دی تو مل گئی دنیا مجھے
یہ نماز عشق ہے کیسا ادب کس کا ادب
اپنے پائے ناز پر کرنے بھی دے سجدا مجھے
کہہ کے سویا ہوں یہ اپنے اضطراب شوق سے
جب وہ آئیں قبر پر فوراً جگا دینا مجھے
صبح تک کیا کیا تری امید نے طعنے دیے
آ گیا تھا شام غم اک نیند کا جھونکا مجھے
دیکھتے ہی دیکھتے دنیا سے میں اٹھ جاؤں گا
دیکھتی کی دیکھتی رہ جائے گی دنیا مجھے
جلوہ گر ہے اس میں اے سیماب اک دنیائے حسن
جام جم سے ہے زیادہ دل کا آئینا مجھے

حسن کے دل میں جگہ پاتے ہی دیوانہ بنے　　ہم ابھی راز بنے ہی تھے کہ افسانہ بنے
کہہ دیا ہے کہ ملو ہم سے تو یکسو ہوکر　　اب نبھے یا نہ نبھے ان سے بنے یا نہ بنے
آج وہ بزم میں خود شمع بنے بیٹھے ہیں　　ہے کوئی مدعی سوز جو پروانہ بنے
دل آزردہ ہے لبریز حدیث غم عشق　　میں اگر چاہوں تو ہر سانس اک افسانہ بنے
کتنے دیوانے محبت میں مٹے ہیں سیماب　　جمع کی جائے جو خاک ان کی تو ویرانہ بنے

انتخاب

صہبائے کہن 1899 تا 1908

گہرائیوں میں روح کی عالم ہے نور کا　　شاید یہ وقت خاص ہے تیرے ظہور کا
اس روئے آتشیں پہ رہے کس طرح نقاب　　رکھتی ہے تاب حسن اثر برق طور کا
سیماب مثل بادہ چھلکتے ہیں اشک خوں　　آنکھیں مری جواب ہیں جامِ بلور کا

پرتو سے تیرے رخ کے یہ رنگ ہے چمن کا　　ہر پھول بن گیا ہے آئینہ انجمن کا

ساقیا دے مجھے وہ جام دلائے وارثؒ　　جس طرف آنکھ اٹھاؤں نظر آئے وارثؒ
چاندنی کا ہے گماں اہل نظر کو کیا کیا　　روضۂ پاک پہ چھائی ہے ضیائے وارثؒ
رونق افزا تھے جہاں دفن وہیں آپ ہوئے　　اب کسی کے لیے خالی نہیں جائے وارثؒ
آبروآب بقا کی مری نظروں میں نہیں　　ہوں شہید لب اعجاز نمائے وارثؒ
کہیں سیماب کو سب وارث اقلیم سخن　　مدعا اس کا یہ برآئے برائے وارثؒ

انتخاب دیوان
کیفی حیدرآبادی شاگرد داغ

محبت میں کیا کیا نہ کچھ جور ہوگا ابھی کیا ہوا ہے ابھی اور ہوگا
لڑکپن میں جس کا یہ عالم ہو یارب جوانی میں کیا جانے کیا طور ہوگا
تمہیں پیار کر کے بھلا دے جو دل سے وہ کیفی نہ ہوگا کوئی اور ہوگا

سب کو اس بزم میں پیمانہ ملا جام ملا آنکھ ہم سے بھی تو اے ساقی گلفام ملا
دوپہر کی تھی وہ دھوپ اب ہے کہاں جلوہ گری آنکھ سے آنکھ تو خورشید لب بام ملا
اپنا خط آپ دیا ان کو مگر یہ کہہ کر خط تو پہچانئے ، یہ خط مجھے گمنام ملا
اور بھی تو ہیں زمانے میں تمہارے عاشق ایک میں ہی تمہیں کیا قابل الزام ملا

دل گم گشتہ کو ڈھونڈھا کہیں پایا نہ گیا وہ یہ کہتے ہیں یہاں تو کوئی آیا نہ گیا
خامشی میری ہوئی نکتہ سرائے غم دل لب ملائے نہ گئے راز چھپایا نہ گیا
بن گئی بات کہ بات ان سے بنائی نہ گئی ہوگیا وعدہ کوئی عذر بھی لایا نہ گیا

وہ اب کیا خاک آتے ہائے قسمت میں ترسنا تھا　　تجھے اے ابر رحمت آج ہی اتنا برسنا تھا

وہی نظر میں ہے لیکن نظر نہیں آتا　　سمجھ رہا ہوں سمجھ میں مگر نہیں آتا
رقیب دونوں جہاں میں ذلیل کیوں ہوتا　　کسی کے بیچ میں کمبخت اگر نہیں آتا

خم، سبو، ساغر، سراحی، جام، پیمانہ مرا　　میرے ساقی جب مرا تو ہے تو میخانہ مرا
بے نیازانہ طبیعت دل ہے شاہانہ مرا　　بھیس تو یوں دیکھنے کو ہے فقیرانہ مرا
شعر کیا نعرہ بھی سن کر کہتے ہیں کیفی ہے یہ　　چھپ نہیں سکتا کہیں انداز مستانہ مرا

بندھی ہے ٹکٹکی اپنی نقاب روئے روشن پر　　نگاہ یاس پروانہ ہے شمع زیر دامن پر
کوئی ہر دلعزیزی سیکھ لے تصویر سے تیری .　　کہ پڑتی ہے نگاہ لطف یکساں دوست دشمن پر
وہی کیفی وہی رستہ ہے آندھی ہو کہ بارش ہو　　چلے آتے ہیں حضرت میکدے سے ایک ہی کن پر

بے جا بجا ہر ایک ترے ناز اٹھا کے ہم　　دیکھیں گے حوصلے دل بے مدعا کے ہم
اب اپنے پاس دل ہے نہ ایمان نہ عقل و ہوش　　مدت ہوئی ہے بیٹھیں ہیں سب دے دلا کے ہم
میری جفائے خاص کا شکوہ نہیں ہے یہ　　جو ہر پر کہہ رہے ہیں خود اپنی وفا کے ہم

محبت جس کو کہتے ہیں یہی اک عیب ہے ہم میں　　کہ اس کے ہی سبب سے آج تک رسوا ہیں عالم میں
یہ خاطر داریاں غیروں کے آگے آج کیسی ہیں　　کبھی پہلے تو یہ رسمیں نہیں تھیں آپ میں ہم میں
مری بدنامیوں سے کر قیاس اپنی محبت کا　　بقدر جرم رسوائی ہوا کرتی ہے عالم میں

جلاتی ہے محبت آہ مغز استخواں برسوں　　یہی وہ آگ ہے جس سے نکلتا ہے دھواں برسوں
وفا اپنی تمھاری بے وفائی آزمائی ہے　　دیا ہے امتحاں برسوں لیا ہے امتحاں برسوں
نگہ ان کی جہاں پڑتی تھی میرا اشک گزرتا تھا　　نظر آتی رہیں ان کو مری پرچھائیاں برسوں

حسن رخ ماہ دیکھتے ہیں ہم اپنی نگاہ دیکھتے ہیں
دیکھے جو ہمیں نہ آنکھ اٹھاکر اس شخص کی راہ دیکھتے ہیں
ہم آپ کو دیکھتے تھے پہلے اب آپ کی راہ دیکھتے ہیں
ہم آپ کو عرش پر چڑھاکر پرواز نگاہ دیکھتے ہیں

طریق عشق میں دیکھا ہے کیا کہیں کیونکر جاری آنکھ کھلی ہے مقام حیرت میں
اگر خلل ہے تو زاہد مرے دماغ میں ہے ہزار شکر نہیں ہے فتور نیت میں
بلند وپست کی اس کے کچھ انتہا ہی نہیں عجیب چیز ہے انسان بھی حقیقت میں
یہ بزم غیر ہے کھئی کدھر گئے ہیں حواس کہاں تم آگئے؟ کیا آگئی طبیعتِ میں

دل لینے کے انداز بھی کچھ سیکھ گیا ہوں صحبت میں حسینوں کی بہت روز رہا ہوں

کھیل کھیلتی ہیں ان کی نگاہیں نقاب میں ہیں لاکھ بے تکلفیاں اک حجاب میں
ہم منتظر ہیں حشر میں ایفائے عہد کے زاہد الجھ رہے ہیں حساب و کتاب میں
تم نے تو اپنا چاہنے والا بنالیا مجھ کو تو یہ گمان نہ تھا اپنے باپ میں

نہاں ہو کر عیاں کیوں ہو عیاں ہو کر نہاں کیوں ہو تمھیں تم ہو کہے کون اب چنیں کیوں ہو چناں کیوں ہو
جرم خاص تک جب دسترس حاصل ہے اوروں کو مرا دست طلب ہی زیر سنگ آستاں کیوں ہو
فلک نے مجھ کو لاکھوں گردشوں کے بعد پایا ہے ستانے دوائے محنت کسی کی رایگاں کیوں ہو

آدمی میں کوئی کمال تو ہو نہ ہو یوسف نہ ہو بلال تو ہو
تم اگر آفتاب حشر نہیں نیر محشر خیال تو ہو
شک خجلت نہ ہو تو بہر نجات عرق شرم و انفعال تو ہو

میری طرح نہ عاشق مجبور ہو کوئی　　نزدیک اس کے رہ کے نہ یوں دور ہو کوئی
کیفی تم اور اتنی خوشامد پھر اس کی ہائے　　اللہ اس قدر بھی نہ مجبور ہو کوئی

نثار اس پر نہ ہونے سے نہ ننگ آیا نہ عار آئی　　مرے کس کام آخر زندگی مستعار آئی
یہیں دیکھا کہ غلبہ ایک کو ہوتا ہے لاکھوں پر　　طبیعت ایکبار آئی ندامت لاکھ بار آئی
ترے دل سے ترے لب تک تری آنکھوں سے مژگاں تک　　محبت بے قرار آئی مروت شرمسار آئی
شراب عشق سے کرنے کو تھا توبہ کہ یار آیا　　مرے آڑے یہ نیکی کب کی اے پروردگار آئی
دل محزوں کی آہیں مست کرتی ہیں مجھے کیفی　　کہ جب لی سانس میں نے مجھ کو بوئے زلف یار آئی

وہ امنگیں ہیں نہ وہ دل ہے نہ اب وہ جوش ہے　　حسن یار چشم بے نقش و بال گوش ہے
میں کہوں تو کیا کہوں اب وہ کہے تو کیا کہے　　دے کے دل خاموش ہوں وہ لے کے دل خاموش ہے
اے وفور شادمانی یہ سمجھ لینے تو دے　　کیا ہمیں ہیں جس سے وہ ہم بزم ہم آغوش ہے
اس طرف دل پر جگر پر اس طرف رہتا ہے ہاتھ　　اپنی ہر کروٹ میں اک معشوق ہم آغوش ہے
تار اس کا ٹوٹنے پائے نہ کیفی حشر تک　　دامن اشک ندامت جرم عصیاں پوش ہے

ہمدم آہ سحر و نالۂ شب گیر رہے　　سلسلہ عشق کا زنجیر بہ زنجیر رہے
قدم بیخودی شوق بڑھے رک رک کر　　مجھ سے پیچھے نہ مری گردش تقدیر رہے
ترا دیوانہ ترے کوچے کا چھوڑے نہ طواف　　پاؤں میں اس کے اگر عرش کی زنجیر رہے

دیکھو گے آنکھ پھیر کے اب کس قدر مجھے　　دیکھو کہ ہو نہ جائے تمھاری نظر مجھے
دیکھی ہیں اپنے والوں سے وہ بے وفائیاں　　ہوتا ہے اپنی چھاؤں سے بھی اب تو ڈر مجھے
ہوں پیچھے پیچھے ساتھ مگر جانتا نہیں　　لے جا رہی ہے عمر گریزاں کدھر مجھے

ہر طور ہر طرح کی جو ذلت مجھی کو ہے
دنیا میں کیا کسی سے محبت مجھی کو ہے

خود میں نے اپنے آپ کو بدنام کر دیا
ثابت ہوا کہ مجھ سے عداوت مجھی کو ہے

تم بھی تو روز دیکھتے رہتے ہو آئینہ
سچ بولو کیا پسند یہ صورت مجھی کو ہے

تم کو تو کچھ ضرور نہیں پاس دوستی
ہاں یہ ضرور ہے کہ ضرورت مجھی کو ہے

جب لطف تھا کہ اس کو بھی ہوتا مرا خیال
کیفی غضب تو یہ ہے محبت مجھی کو ہے

تم غیر کو دیکھو جو محبت کی نظر سے
تڑپے کہ نہ تڑپے کوئی ترسے کہ نہ ترسے

گنجائش کلام کہاں خیر د شر میں ہے
جب تم بشر میں ہو تو سبھی کچھ بشر میں ہے

یوں تو ذلیل و خوار ہر اک کی نظر میں ہے
بندے کی شان چشم حقیقت نگر میں ہے

غمخوار بن گئے ہیں چھڑکتے تھے جو نمک
کچھ ایسی چاشنی مرے زخم جگر میں ہے

ارض و سما ہے واقف نگاہ امید و یاس
دنیا کی اونچ نیچ ہماری نظر میں ہے

کیفی ہے سو بروں کا برا پھر بھی سچ کہو
ایسا بھی کوئی شخص تمھاری نظر میں ہے

صبح کو کھل جائے گا دونوں میں کیا یارانہ ہے
شمع پروانہ کی ہے یا شمع کا پروانہ ہے

اپنا اپنا ظرف ہے اب اپنا اپنا حوصلہ
مے تو بے مقدار بے اندازہ بے پیمانہ ہے

پائے خم پر سر کبھی ساقی کے قدموں پر کبھی
گوشۂ میخانہ اب اپنا عبادت خانہ ہے

عرصۂ ہر دو جہاں عالم تنہائی ہے
کہ جدھر دیکھیے تو ہے تری یکتائی ہے

بے نیازی ہے خود آرائی ہے خود آرائی ہے
آپ کی جانے بلا کون تمنائی ہے

پاتے ہیں لطف حیات ابدی تیرے شہید
ذبح کرنا ترا اعجاز مسیحائی ہے

تم کو کیفی سے تعلق تو نہ ہوگا لیکن
جان پہچان ملاقات شناسائی ہے

جسے کہتے ہیں دل یہ وہ دل نہیں ہے　　یہ دل دل لگانے کے قابل نہیں ہے
وہ بے مانگے دیتا ہے دینا ہے جو کچھ　　کرم اس کا محتاج سائل نہیں ہے

اگر قسمتوں سے دلوں میں مزا ہے　　تو شکووں میں لذت گلوں میں مزا ہے
مزا ہے ترے بسملوں کی تڑپ میں　　تڑپ میں نہیں بسملوں میں مزا ہے

رباعی

ہر چند گناہوں سے کنارا نہ کیا　　پر تو نے دل آزردہ ہمارا نہ کیا
ہم نے تو جہنم کی بہت کی تدبیر　　لیکن تری رحمت نہ گوارا نہ کیا

انتخاب دیوان
عزیز حیدرآبادی شاگرد داغ

کچھ اس طرح مرے لب پر خدا کا نام آیا　　ہوا یہ شور کہ موسیٰ کا ہمکلام آیا

دل منکر اسرار تھا محرم نہ ہوا تھا　　جب شیفتۂ کاکل پر خم نہ ہوا تھا
اس طرح کی اب ان سے ملاقات ہے گویا　　پیمان محبت کبھی باہم نہ ہوا تھا

جفا دیکھنی تھی ستم دیکھنا تھا　　نصیبوں میں رنج و الم دیکھنا تھا
وہ آتے نہ آتے شب وعدہ لیکن　　مجھے دے کے سر کی قسم دیکھنا تھا
خجالت ہوئی اس کے کوچہ میں کیا کیا　　مجھے پہلے نقش قدم دیکھنا تھا

مجھے دیکھنی تیری ہمت تھی ساقی بہت دیکھنا تھا نہ کم دیکھنا تھا
کٹی شام فرقت عزیز آہ کیوں کر ذرا آئینہ صبح دم دیکھنا تھا

آرام اپنے بس کا ہے بس میں نہیں ہے کیا گلشن میں کیا دھرا ہے قفس میں نہیں ہے کیا
گلشن کی یاد لیتی ہے رہ رہ کے چٹکیاں سامان اضطراب قفس میں نہیں ہے کیا

عشق میں کافر بتوں کا بھی ادب کرنا پڑا جو نہ کرنا چاہیے تھا مجھ کو سب کرنا پڑا
تیرے احسان کے تصدق بے نیازی کے نثار قہر سے ڈرنا پڑا خوف غضب کرنا پڑا
خود محرک ہوگئیں مجبوریاں انسان کی ہر ہزیمت پر ہمیشہ شکر رب کرنا پڑا
درد سہنے کے لیے صدمے اٹھانے کے لیے ان سے دل اپنا مجھے واپس طلب کرنا پڑا

درد جاتا نظر نہیں آتا حال اچھا نظر نہیں آتا
اس خرابات میں خراب نہ ہو کوئی ایسا نظر نہیں آتا
تم سے کیا کیا کہوں محبت میں مجھ کو کیا کیا نظر نہیں آتا
وہی اندھے ہیں عقل کے جن کو عیب اپنا نظر نہیں آتا
دل میں جب تک ہے رشک غیر عزیز کوئی تنہا نظر نہیں آتا

نہ بدلنا تھا نہ بدلا، دل شیدا اپنا رنگ ہر وقت بدلتی رہی دنیا اپنا
صورت آتش خاموش جلا کرتا ہوں دیکھتا ہوں شب غم آپ تماشا اپنا
زخم نے داد نہ دی، درد نے فریاد نہ کی رہ گیا تھام کے قاتل بھی کلیجہ اپنا
حسن ہے داد خدا عشق ہے امداد خدا غیر کا دخل نہیں، بخت ہے اپنا اپنا
وہ سنیں یا نہ سنیں نالہ و فریاد عزیز آپ ہرگز نہ کریں ترک تقاضا اپنا

جان بھی لی خون تمنا کیا　　ایک نہیں نے تری کیا کیا کیا
چھین لیا آنکھوں ہی آنکھوں میں دل　　ان کی نگاہوں نے تماشا کیا
دوست بہت تھے مگر ان سے عزیزؔ　　ذکر کسی نے نہ ہمارا کیا

اٹھائیں ہجر کی شب دل نے آفتیں کیا کیا　　امید وصل میں جھیلیں مصیبتیں کیا کیا
وہی ہے جام وہی ہے وہی سبو لیکن　　بدل گئی ہیں زمانے کی نیتیں کیا کیا
دبی زبان سے کرتے ہیں غیر در پردہ　　تمہارے حسن پہ تمہاری شکایتیں کیا کیا
ستم میں لطف جفا میں ادا نگاہ میں ناز　　عتاب میں بھی ہیں پنہاں عنایتیں کیا کیا
کروں میں ان کی شکایت عزیزؔ جھوٹ غلط　　گھڑی ہیں دل سے رقیبوں نے تہمتیں کیا کیا

کہاں تک آخر حیا وہ کرتے کہاں تک آخر حجاب ہوتا　　ہمارا ذوق نگاہ بڑھ کر خود ان کے رخ کی نقاب ہوتا
دم تکلم کسی کے آگے ہم اپنے دل کو بھی دیتے دھوکے　　ملاتے چن چن کے لفظ ایسے سوال گویا جواب ہوتا
سزائے جرم محبت اپنی عطائے رحمت سے کم نہیں کچھ　　نہ ہوتی تعزیر کی جو لذت عزیزؔ کس پر عتاب ہوتا

زندگی نام ہے محبت کا　　مرگ انجام ہے محبت کا
کس طرح نکلے باغ سے بلبل　　بوئے گل دام ہے محبت کا
خاص مجھ پر نہیں نگاہ کرم　　قاعدہ عام ہے محبت کا
روح کے واسطے تن خاکی　　ایک احرام ہے محبت کا
میری ضد سے ہوس پرستوں میں　　نام بدنام ہے محبت کا

مٹی ہے گلشن عالم میں طرح آشیاں کیا کیا　　چلی ہیں آندھیاں کیا کیا گری ہیں بجلیاں کیا کیا
الٰہی بیچ والوں کی دراندازی نہیں جاتی　　یہ کہتے ہیں یہاں کیا کیا لگاتے ہیں وہاں کیا کیا

ظالم ترے وعدوں نے دیوانہ بنا رکھا / شمع رخ انور کا پروانہ بنا رکھا
سبزہ کی طرح مجھ کو اس گلشن عالم میں / اپنوں سے بھی قسمت نے بیگانہ بنا رکھا
تقلید یہ اچھی کی ساقی نے مرے دل کی / ٹوٹے ہوئے شیشہ کا پیمانہ بنا رکھا
دعویٰ تری الفت کا کہنے میں نہیں آتا / غیروں نے مگر اس کا افسانہ بنا رکھا
افسوس کی دل کی کچھ قدر عزیز افسوس / کعبہ تھا اسے تو نے بتخانہ بنا رکھا

ذکر دشمن بھی تماشا ہوگیا / مجھ کو حیرت ان کو سکتا ہوگیا
بے خودی میں لذت دیدار تھی / کھل گئیں آنکھیں تو پردا ہوگیا

آہ سے پہلے اثر یاد آیا / ہوش اتنا دم فریاد آیا
رک گئی سانس جو چلتے چلتے / کون ہنگام سفر یاد آیا
عمر رفتہ کا دم نزع حساب / بھول جاتا تھا مگر یاد آیا
آنکھ کھلتے ہی کھلا باب قبول / نالۂ وقت سحر یاد آیا
مٹ چکی دولت دنیا تو عزیز / اب کہیں زاد سفر یاد آیا

ذکر حسن و جمال کا نکلا / سلسلہ عرض حال کا نکلا
میں صدائے شکست کو سمجھا / دم کسی پائمال کا نکلا
آخرالامر فن شعر عزیز / نقص اپنے کمال کا نکلا

چرخ کیا ہے چرخ کی بنیاد کیا / رائیگاں جاتی مری فریاد کیا
چھوڑ کر پھولوں کا دامن باغ میں / اڑ رہی ہے نکہت برباد کیا
گن رہا ہوں حرف ان کے عہد کے / مجھ کو دھوکا دے رہی ہے یاد کیا
کیا رہا اب آشیانے میں مرے / دیکھتا ہے ہر طرف صیاد کیا

کیوں نہ کھلتے ہجر کی شب بھی عزیز　　بند ہی رہتے لب فریاد کیا

میں کروں شکوۂ بیداد کہاں تک آخر　　آپ سنیے گا نہ فریاد کہاں تک آخر
قید ہستی سے نکلنا کوئی آسان نہ تھا　　بند رہتے ترے آزاد کہاں تک آخر
آپ سنتے تو ہیں، سننے کی طرح سے سنیے　　میں کہوں عشق کی روداد کہاں تک آخر
زندگی بھر کا ہے اے داور محشر قصہ　　مختصر ہوگی یہ روداد کہاں تک آخر
بے ثباتی کا اگر رنگ یہی ہے تو عزیز　　رونق عالم ایجاد کہاں تک آخر

ہونٹوں پہ ان کے ہے ہنسی ملتے ہیں آنکھ ہر گھڑی　　اٹھے ہیں خواب ناز سے وقت سحر ہیں باغ باغ
نکلے ہیں اس طرح سے وہ پہلوئے شوق سے مرے　　یوں تو ہیں کچھ خفا خفا دل میں مگر ہیں باغ باغ

مشکل ہے امتیاز عذاب و ثواب میں　　پیتا ہوں میں شراب ملا کر گلاب میں
لڑنی تھی آنکھ ایک بت کافر سے لڑ گئی　　ہونی تھی ہوگئی غلطی انتخاب میں

آپ کا اعتبار کرتا ہوں　　اور بھی انتظار کرتا ہوں
زور قسمت پہ چل نہیں سکتا　　خامشی اختیار کرتا ہوں
دیکھ کر اپنا حال آپ عزیز　　شکر پروردگار کرتا ہوں

نازنینان جہاں شعبدہ گر پکے ہیں　　دیکھنے کو تو یہ بھولے ہیں مگر پکے ہیں
ہم لٹا دیں گے محبت میں متاع ہستی　　ہم دکھا دیں گے ارادے کے اگر پکے ہیں
پختہ کاری کی خبر دیتی ہے خامی ان کی　　کان کے کچے ہیں، مطلب کے مگر پکے ہیں
یہ تو فرمایئے قسموں کی ضرورت کیا تھی　　آپ اقرار کے وعدے کے اگر پکے ہیں
خوف طوفان حوادث کا نہیں مجھ کو عزیز　　جن کی بنیاد ہے مضبوط وہ گھر پکے ہیں

دنیا کی روش دیکھی تری زلف دوتا میں   بنتی ہے بہ مشکل سے بگڑتی ہے ذرا میں

کیوں خفا ہو کیوں ادھر آتے نہیں   دیکھتا ہوں تم نظر آتے نہیں
وہ یہ کہہ کر داغ دیتے ہیں مجھے   پھول سے پہلے ثمر آتے نہیں
ہم ہیں وہ مے نوش پی کر بھی کبھی   میکدے سے بے خبر آتے نہیں
دیکھتا ہوں ان کی صورت دیکھ کر   دھوپ میں تارے نظر آتے نہیں
نیند تو کیا نیند کے جھونکے عزیزؔ   ہجر میں وقتِ سحر آتے نہیں

نالے دم لیتے نہیں یارب فغاں رکتی نہیں   گو قفس میں بند ہوں لیکن زباں رکتی نہیں
ڈر رہا ہوں ٹوٹ جائیں گی قفس کی تیلیاں   کیا مصیبت ہے ہوائے بوستاں رکتی نہیں
دیدنی ہیں قلزم ہستی کی طوفاں خیزیاں   ڈوبنے سے کشتی عمر رواں رکتی نہیں
لڑ کے ہم پہنچیں گے منزل پر ہوائے شوق میں   کارواں رک جائے گرد کارواں رکتی نہیں
دقتیں حائل ہیں فن شعر میں لیکن عزیزؔ   ایک آندھی ہے مری طبع رواں رکتی نہیں

راز دل غیروں پہ افشا کیوں نہ ہو   کیوں نہ ہو اے عشق ایسا کیوں نہ ہو
دیکھنے کے واسطے جب دی ہے آنکھ   دل کو پھر شوق تماشا کیوں نہ ہو
دل ٹھکانے ہو تو سب کچھ ہے عزیزؔ   جی بہل جاتا ہے صحرا کیوں نہ ہو

جفا جوئی جفا کاری تو دیکھو   حسینوں کی دل آزاری تو دیکھو
انھیں کی سی یہ کہتا ہے ہمیشہ   مرے دل کی طرفداری تو دیکھو

بڑھ گئیں گستاخیاں میری سزا کے ساتھ ساتھ　　　پیار آتا ہے تری جور و جفا کے ساتھ ساتھ
ضعف سے راہ محبت میں قدم اٹھتے نہیں　　　پاؤں جمتے ہیں زمیں پر نقش پا کے ساتھ ساتھ
چھوٹ کر کنج قفس سے نکہت گل کی طرح　　　ہم بھی اڑ کر جائیں گے بادصبا کے ساتھ ساتھ
سرد آہوں سے پھنکا جاتا ہے سینے میں جگر　　　آتش غم تیز ہوتی ہے ہوا کے ساتھ ساتھ
میرے آنسو بھی بہے جوش محبت میں عزیز　　　میرے نالے بھی رہے میری دعا کے ساتھ ساتھ

اس نے سن کر بات میری ٹال دی　　　الجھنوں میں اور الجھن ڈال دی

شوخی سے کشمکش نہیں اچھی حجاب کی　　　کھل جائے گی گرہ ترے بند نقاب کی
شیشے کھلے نہیں ابھی ساغر چلے نہیں　　　اڑنے لگی پری کی طرح بو شراب کی
دودن کی زندگی پہ الٰہی یہ غفلتیں　　　آنکھیں تو ہیں کھلی ہوئی حالت ہے خواب کی
ہوتے ہی صبح وصل کی شب دیکھتا ہوں کیا　　　تلوار بن گئی ہے کرن آفتاب کی
آتا نہیں کسی پہ دل بدگماں عزیز　　　جمتی نہیں کسی پہ نظر انتخاب کی

شوخی اف رے تیری نظر کی　　　یہ پھانس بنی مرے جگر کی
زلفوں نے وہیں بلائیں لے لیں　　　رخ سے جو ذرا نقاب سر کی
کیا پوچھتے ہو شب جدائی　　　جس طرح سے بن پڑی بسر کی
دل دے کے انھیں میں دیکھتا ہوں　　　یہ میری خطا ہے یا نظر کی
نکلیں بھی تو یہ عزیز دل سے　　　نالوں میں کمی نہیں اثر کی

ان کی ٹھوکر میں شرارت ہوگی فتنے اٹھیں گے قیامت ہوگی
کج ادائی کی تلافی کیوں ہو مہربانی تو مصیبت ہوگی
میری فرصت کا ٹھکانا کیا ہے آپ کو بھی کبھی فرصت ہوگی
وہ نہ ہوں گے تو نہ ہوگا کچھ بھی دیکھنے کے لیے جنت ہوگی
کیا خبر تھی دم رخصت یہ عزیزؔ شکر کے بدلے شکایت ہوگی

نسریں میں یہ مہک ہے یہ نسترن میں ہے بوئے گل مراد ترے پیرہن میں ہے

نگہ ناز میں حیا بھی ہے اس بناوٹ کی انتہا بھی ہے
بے سروپا نہیں ہے یہ دنیا ابتدا بھی ہے انتہا بھی ہے
شب فرقت میں کیا کرے کوئی کچھ اندھیرے میں سوجھتا بھی ہے
میری ایک مشت خاک کے پیچھے باد صرصر بھی ہے صبا بھی ہے
بزم رنداں میں رند بھی ہے عزیزؔ پارساؤں میں پارسا بھی ہے

وحشتِ دل کا عجب رنگ نظر آتا ہے عرصۂ حشر مجھے تنگ نظر آتا ہے
دونوں جانب ہے برابر تری تصویر کا رخ آئینہ میری طرح دنگ نظر آتا ہے
کچھ تو صیاد نے کچھ بادصبا نے لوٹا آشیانے کا عجب رنگ نظر آتا ہے
صلح جوئی کی تمنا میں شب و روز عزیزؔ یک جہاں مضطرب جنگ نظر آتا ہے

قیامت اٹھنے والی ہے کہاں سے کوئے دشمن سے یہ کس سے میرے نالوں سے یہ کس سے میرے شیون سے

شوق دل پردہ ورنہ ہوجائے دشمنوں کو خبر نہ ہو جائے

درد بڑھتا ہے کچھ علاج سے اور　　منفعل چارہ گر نہ ہو جائے
بڑھتے بڑھتے غم فراق عزیز　　زندگی مختصر نہ ہو جائے

گمان چارہ گر کیا جانے کیا ہے　　مرا درد جگر کیا جانے کیا ہے
ابھی کچھ ہے، ابھی کچھ ہے، ابھی کچھ　　تری کافر نظر کیا جانے کیا ہے
ترے دل میں مری قسمت میں ظالم　　کسی کو کیا خبر کیا جانے کیا ہے

محبت کا مجھے دعویٰ ہی کیا ہے　　چلو جانے بھی دو، جھگڑا ہی کیا ہے
بہت کچھ دیکھنا ہے، آگے آگے　　ابھی دل نے مرے دیکھا ہی کیا ہے
الٰہی کس لیے گرتی ہے بجلی　　نشیمن میں مرے رکھا ہی کیا ہے
محبت میں جئے یا کوئی مرجائے　　کسی کی آپ کو پروا ہی کیا ہے
نہ مانے گا نہ مانے گا مرا دل　　نہیں سے آپ کی ہوتا ہی کیا ہے

وہ ابر گھرا جھوم کے رحمت کے دن آئے　　پینے، کے پلانے کے، مسرت کے دن آئے
نالے ہیں، نہ آہیں ہیں نہ رونا، نہ تڑپنا　　بےخود ہوں تری یاد میں فرصت کے دن آئے
آنکھوں میں تری شکل ہے، دل میں ہے تری یاد　　آئے بھی تو کس شان سے فرقت کے دن آئے

نعرۂ تکبیر بھی زاہد نثار نغمہ ہے　　کس قدر اللہ اکبر اعتبار نغمہ ہے
کیا سریلی تھی صدائے حرف کن روز ازل　　آج تک رگ رگ ہماری بے قرار نغمہ ہے
عندلیب خوشنوا پر آنکھ ہے صیاد کی　　نرگس شہلا سراپا انتظار نغمہ ہے
تفرقہ ہوا اس طرح تو کیا جمے عشرت کا رنگ　　دل ضعیف و ناتواں، لب زیر بار نغمہ ہے

حسرت موہانی اردو کے ممتاز شاعر اور صحافی تھے۔ ادبی صحافت میں حسرت کے کارہائے نمایاں کا اعتراف مسلسل کیا جاتا رہا ہے۔ انھوں نے اپنی شخصیت کا اظہار شاعری، ادبی صحافت اور قومی سیاست کے ذریعے سے کیا اور ان میں سے ہر ایک میدان میں ان کی خدمات کا دائرہ نہ صرف یہ کہ بہت وسیع ہے بلکہ ناقابل فراموش بھی ہے۔ انگریزوں سے مکمل آزادی کی تجویز پیش کرنے میں بھی حسرت موہانی کو اولیت کا شرف حاصل ہے۔ انھوں نے آزاد ہندوستان میں عوامی نمائندگی کی بھی نہایت سادہ و رنگین تاریخ رقم کی۔ انھوں نے جس درویشانہ شان کے ساتھ ہندوستانی پارلیمنٹ کے رکن کی حیثیت سے زندگی گزاری، وہ عدیم المثل ہے۔ ان کا رسالہ ''اردوئے معلیٰ'' بھی اردو کی ادبی صحافت میں گل سرسبد کی حیثیت رکھتا ہے۔ حسرت کا ایک لازوال کارنامہ تقریباً دو سو اساتذہ کے انتخاب کلام کی اشاعت بھی ہے جو انھوں نے 'انتخاب سخن' کے نام سے شائع کیا۔ 'انتخاب سخن' گیارہ جلدوں میں تقریباً تین ہزار صفحات پر محیط ہے۔ حسرت نے یہ انتخابات قلمی و مطبوعہ دواوین، بیاضوں اور تذکروں کی مدد سے مرتب کیے ہیں اور ترتیب کے دوران یہ خیال بھی رکھا ہے کہ ہر غزل کے انتخاب میں غزل کی ہیئت برقرار رکھی جائے یعنی مطلع و مقطع اور کم سے کم تین اشعار ضرور شامل انتخاب ہوں۔

حسرت کے اس انتخاب نے اردو کے اہم، معروف اور بڑے شاعروں کے ساتھ بہت سے کم مشہور اور گم نام شعرا کو بھی روشناس خلق کیا اور یہ انتخابات اتنے جامع ہیں کہ ان سے ان شعرا کی شاعرانہ حیثیت کا اندازہ بآسانی کیا جاسکتا ہے۔

ISBN 978-81-934243-8-4
9 788193 424384
NCPUL
New Delhi

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان
وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومت ہند
فروغ اردو بھون ایف سی 33/9،
انسٹی ٹیوشنل ایریا، جسولہ، نئی دہلی۔ 110025